

نیم جازی



یوسف بن ماتین

نسیم جازی



فرحین پبلشنگ کمپنی 3 F کھجوری روڈ جامعہ گرنی دہلی ۲۵

ہرقوم
اپنی عظمت کے تمنج محل کو کسی شاہجہان کے
خواب کی تعبیر سمجھتی ہے، لیکن — ہر
تاج محل کی عظمت اُن خاموش مہاروں کی شہنشاہی
احسان ہے جن کا پسینہ پتھر کو موتی کی چمک
اور پھول کو رعنائی عطا کرتا ہے!
”یوسف نے بڑے تاشفیضہ“
اندلس کی تاریخ کا وہ باب ہے —
* جو ایک قوم کے گناہ رضا کاروں کے خون
اور پسینے سے لکھا گیا۔
* یہ اُن فرزندوں کی کہانی ہے جو آندھیوں اور
طوفانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔
* یہ اُس وقت کی داستان ہے جب آلام و
مصائب کی تاریک راتوں میں بھی اُمید کی
قندیلیں بُند کی گئیں۔

یہ کتاب

ماضی کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم اپنا
مستقبل بھی دیکھ سکتے ہیں۔

نام کتاب — یوسف بن تاشقین

مصنف — نسیم حجازی

ناشر — فرحین پبلشنگ کمپنی

F3 کھجوری روڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

تعداد — ایک ہزار

مطبع — فرح آفسیٹ پرنٹرس دہلی

سال اشاعت — فروری ۱۹۹۶ء

قیمت — ساٹھ روپے Rs. 60/-

فرحین پبلشنگ کمپنی F3 کھجوری روڈ جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

سول ایجنٹ

ادبی دنیا ۱۵۰ مٹیا محل دہلی ۱۱۰۰۰۶

فہرست

۹	عبد انعم اور اس کے بیٹے
۳۸	ایک ملک اور کئی بادشاہ
۵۰	قرطبہ، طلیطلہ اور اشبیلیہ
۷۷	حکامات بگڑتے گئے
۱۱۲	رضا کار
۱۷۲	ایک سپاہی شہزادوں کے دربار میں
۱۵۷	میری پکار ایک قوم کی بچکار ہے
۱۷۵	بھینسوں کی شکار گاہ
۲۰۰	ایک نئی ٹہسم
۲۲۲	المرابطین
۲۵۵	احمد بن عبد انعم طلیطلہ میں
۲۷۳	غزنویہ کا مجاہد
۲۹۱	بہار کا خواب

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیہ
اے فروغِ دیدۂ ارکاں بیہ
(اقبال)

صُبحُ اُتید

نلاقہ

نیا شور اور نئے دلوں

حصنِ القیظ

مجاہدوں کی فتح

ایم حساب

۲۵۵

۲۶۹

۳۸۱

۴۰۲

۴۲۱

۴۴۱

نذر

آفتاب کی روشنی میں ہم ان ستاروں کو بھول جاتے
ہیں جو رات کی تاریکی میں بھٹکنے والے قافلوں کو منزل کی راہ
دکھاتے ہیں۔ ہر قوم کی فتوحات بھی رجبِ عظیم کے ساتھ
منسوب کی جاتی ہیں اور تواریخ کا قلم ہمیشہ ان گمنام سپاہیوں
کا ذکر کرنے سے قاصر رہتا ہے جن کے خون کی روشنائی
سے تاریخ کے نئے نئے حنون لکھے جاتے ہیں۔ ہر قوم اپنی
خلعت کے تاج محل کو کسی شاہ جہان کے خواب کی تعبیر سمجھتی
ہے لیکن ہر تاج محل کی خلعت ان خاموش مہماؤں کی سربراہ
احسان ہے جن کا پسینہ پتھر کو موتی کی پمک اور پھول کی روٹنی
عطا کرتا ہے۔

یہ کتاب انڈس کی تاریخ کا وہ باب ہے جو ایک قوم
کے گمنام اوصاف کا روں کے خون اور پسینے سے لکھا گیا ہے۔

عبدالمنعم اور اس کے چیلے

دوسرا احمد ٹھہرا! ایک قوی بیکل آدمی نے جس کے ساتھ ایک کم سن لڑکا سست رفتار سے چل رہا تھا، اپنے آگے جانے والے دو لڑکوں کو آواز دی۔ سدا بھلا احمد ایک چھوٹے سے کھڑکھڑ کرنے کے بعد ایک بانگ کی شکستہ چار دیواری کے قریب پہنچ چکے تھے۔ وہ لڑکے اپنے ساتھی کی طرف دیکھنے لگے۔ قوی بیکل آدمی جس کی عمر کوئی چالیس سال کے گھجگ معلوم ہوتی تھی ان کے قریب پہنچ کر بولا: "حسن بہت تھک گیا ہے!"

ایک لڑکے نے جو عمر میں دوسرے لڑکوں سے بڑا معلوم ہوتا تھا، جواب دیا: "اماں! چچا ہم دیر سے اترے ہو کہ جہاں گئے!" پھر وہ حسن کی طرف متوجہ ہو کر بولا: "حسن! تم تھک گئے ہو؟"

حسن نے جواب دے بغیر اپنی کمان زمین پر پھینک دی اور گلے سے ترکش اتارتے ہوئے منہ بسود کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

قوی بیکل آدمی اس کے قریب ایک درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ناگیں دراڑ کرتے ہوئے بولا: "دیکھو مجھے تم بھی تھوڑی دیر یہاں سستا پھر نظر کی نماز پڑھ کر سیدھے گھر چلیں گے؟"

"تم بھی تھک گئے چچا؟ سعد نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔"

یوسف بھئی تاشیر نے ایک آفتاب تھا جو نڈس کے مسلمانوں کے لیے آڑھلی اور سرت کی صبح کا پیام لے کر آیا تھا۔ لیکن اس کی نمود ان گناہ مجاہدوں کی قربانیوں کا صلہ تھی جنہوں نے آلام و مصائب کی تاریک راتوں میں امید کی قدیں بلند کی تھیں۔

ہیں یہ کتاب رقت کے ان قسمہ زمیں کی نذر کرتا کرتا ہیں جو ہماری تاریخ کے ہر دھڑ میں وقت کی آندھیوں اور طوفانوں سے برسہا برسہا رہے ہیں جن کی بے لوث قربانیوں کے طفیل ہمارا ماضی قابلِ فخر ہے اور جن کی جرأت و ہمت ہماری مستقبل کی ضامن ہے۔

ایبٹ آباد

۲۲ فروری ۱۹۵۱ء

نسیم مجازی

”واہ بھئی! میں بھی کوئی بچہ ہوں کہ تمہارے ساتھ آٹھ دس میل چل کر شک جاتوں!“

احمد نے ہنستے ہوئے کہا: ”دیکھا ہی ہم خواہ دو میل ہی چلیں لیکن چچا الماس ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ ہم دس میل لے کر چکے ہیں۔“

حسن نے قدرے بڑکھڑکھایا: ”چچا الماس ٹھیک کہتا ہے۔ ہم دس میل سے بھی زیادہ چلے ہیں۔“

احمد نے کہا: ”حسن! میں نے نہیں کہا تھا کہ تم شک جاؤ گے، اس لیے گھر پر ہی رہو تمہاری دوسری ہم زیادہ دور نہ جا سکے، ورنہ شکار ضرور ملتا۔“

”جی واہ! خود تو پہاڑی پر نہیں چڑھ سکے اور کہتے ہیں کہ سیری دوسرے شکار نہیں ملا۔“
 سعد نے کہا: ”اچھا حسن یہ بتاؤ کہ اب یہاں سے سیدھے گھر چلیں، یا انترہرا کی بیرکاشن ہے؟“

حسن نے مصعبانہ انداز میں جواب دیا: ”یہاں کسی دن گھوڑوں پر سوار ہو کر جاتیں گے۔ اب اگر وہاں گئے تو گھر پہنچنے میں دیر ہو جائے گی۔“

احمد نے کہا: ”کل ایک میل کا فرق پڑے گا۔ اس باغ سے آگے ندی ہے اور ندی کے پار مدینہ انترہرا کے محاصرہ شروع ہو جاتے ہیں۔“

”اچھا چلو! حسن نے بادل خواستہ آٹھ کر اپنی کان اور ترکش سنبھالتے ہوئے کہا

چچا الماس جواب اڑنگہ رہا تھا بولا: ”حسن! ان کی باتوں میں نہ آؤ! یہ تمہیں شام تک ہاں پھرتے رہیں گے۔ وہاں کوئی نئی چیز تو ہے نہیں جو تم نے نہیں دیکھی۔“

حسن نے چچا الماس کی مداخلت کو غنیمت سمجھا اور دوبارہ اسی پتھر پر بیٹھ گیا۔

حسن کی عمر سات سال تھی اور وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ شکار کے لیے آیا تھا۔ احمد سے تین سال اور سعد پانچ سال بڑا تھا۔ الماس ان کا لڑکھا تھا اور وہ اُسے چچا الماس

کہا کرتے تھے۔ چچا کا خاندان الماس کے ساتھ اس قدر ملوث ہوا تھا کہ پڑوس کے چوٹے لٹے بڑے سب اُسے چچا الماس ہی کہتے تھے۔

چند لمحے یہ بیٹوں بھائی اور اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اچانک احمد نے الماس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ گہری نیند میں تھا اُسے سدا ہاتھا۔

سعد نے کہا: ”چلو پڑے یہ باغ دیکھتے ہیں؟“

حسن نے پتھر سے اتر کر زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا: ”تم جتنی نہیں پہنچ سکتے۔“
 ”اچھا تم یہیں ٹھہرو ہم ابھی آجائیں گے۔ آؤ احمد!“

سعد اور احمد باغ میں داخل ہوئے۔ شکاری چار دیواری سے آگے ایک اور چار دیواری

تھی جس کے اندر پرانی وضع کے مکانات نظر آتے تھے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد انہیں دیوار کے پار لوگوں کا شور اور تھوڑے فاصلے پر ایک کھڑکی سے کوئی ایک آدمی دیکھنے لگا۔ سعد نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا: ”میرا بھائی کے لڑکے ہوں گے چلو دیکھتے ہیں وہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“

تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے باغ کے دروازے میں کھڑے اندر بھاگ گئے۔

تھے۔ اس باغ کی حالت پہلے باغ کی بہ نسبت ابلی تھی۔ سیب کے درخت پھل سے

لگے ہوئے تھے۔ ایک سرے پر ایک وسیع علی تھا جس کا بیشتر حصہ میوہ فزین

لو چکا تھا۔ باقی حصے کی شکاری چھتیں ادا لٹے ہوئے دروازے ظاہر کر رہے تھے

کہ یہ مکان ایک محنت سے غیر آباد ہے۔ باغ میں ایک تالاب تھا جس کے

درمیان سنگ مرمر کی بارہ دری تھی۔ چاروں طرف سے سرخ پتھر کی سیس اس

بارہ دری تک پہنچنے کے لیے کچن کا کام دیتی تھیں۔ بارہ دری کے ایک کونے میں

فرش سے کوئی دو باشت اُچھا سنگ مرمر کا ایک چھٹا سا چترہ تھا۔ کوئی پندرہ

لڑکے اس بارہ دری میں جمع ہو کر شور مچا رہے تھے۔ یہ سب سیب کے گٹے درختوں

دیکھ لیا۔ تھوڑی دیر میں تمام لڑکے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کسی نے کہا: ”اسے یہ کون ہیں؟“

دوسرے نے ہنستے ہوئے جواب دیا: ”یہ پہاڑی ڈاکو ہیں اور ہمارے بادشاہ پر حملہ کرنے کے لیے آئے ہیں؟“

نقلی بادشاہ نے حکم دیا: ”ان ڈاکوؤں کے ترکش اہل کمائیں پھین لو اور انھیں گرفتار کرو!“

ایک لڑکا جو اس ڈرامے میں سپہ سالار کا پارٹ کر رہا تھا اٹھ کر بولا: ”عالی جاہ! اگر انھوں نے تیرے علاوے تو وہ تو بالکل جھگی معلوم ہوتے ہیں!“

ایک اور لڑکا اٹھ کر بولا: ”ہمارے سپہ سالار بزدل ہے۔ اس لیے آپ خود ان کا مقابلہ کریں ورنہ رعایا کے لیے کہ بادشاہ بھی بزدل ہے!“

نقلی بادشاہ سوچ میں پڑ گیا۔ سعد اور احمد کے کانوں تک ان لڑکوں کی گفتگو کے چند الفاظ پہنچ چکے تھے۔ احمد نے آہستہ سے کہا: ”انی چلو داپس چلیں!“

”تم ان سے دڑتے ہو؟“ سعد نے بگڑ کر کہا۔

احمد نے ذرا تلخ ہو کر جواب دیا: ”کون کتا ہے کہ میں ان سے ڈرتا ہوں!“

”آؤ پھر! سعد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔“

احمد اپنے بھائی کے ساتھ آگے بڑھا اور وہ تالاب کی فینڈھ پر بیٹھ کر بے پروائی سے نقلی بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگے۔

نقلی بادشاہ نے دہی زبان میں باقی لڑکوں سے کہا: ”آؤ ہم چپکے سے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں۔ پھر میں ان کے ساتھ باتیں کروں گا اور تم ان کی کمائیں پھینک دینا!“

تھوڑی دیر میں تمام لڑکے بارہ درمی سے نکل کر سعد اور احمد کے گرد جمع

کی طرف دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک لڑکا جس کے ہاتھ میں لکڑی کا عصا تھا، نمودار ہوا اور اس نے تالاب کے کنارے پہنچ کر بلند آواز میں کہا: ”مسلطاً! منظم تشریف لارہے ہیں!“

سعد نے ہنستے ہوئے کہا: ”احمد یہ بادشاہ اور رعایا کا کھیل کھیل رہے ہیں؟“

”بیوقوف کہیں کے؟“ احمد نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

دونوں کے مجھڑ سے ایک اور لڑکا نمودار ہوا جس کے سر پر بالشت پھر ادبھی ٹوٹی تھی، لڑکوں نے اُسے دیکھ کر قہقہہ لگایا لیکن جب وہ بارہ درمی کے پاس پہنچا تو سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ٹوٹی والا لڑکا چوتھے پر بیٹھ گیا اور باقی سب نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔ بعض لڑکے ابھی تک ہنس رہے تھے لیکن ٹوٹی والے

وہ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد دیوار کی کاروائی شروع ہوئی۔ ایک ٹوٹی پھوٹی نظم پڑھی۔ اس نے ابھی نظم ختم نہیں کی تھی کہ باغ کا

سلی سپور کی ایک ٹوری اُٹھائے تالاب کے کنارے پہنچ کر بلند آواز میں بولا: ”بیجے

کھل میں پھر ایک بار تھوڑی دیر کے لیے تو بھائی پڑی۔ عالی جواب نہ پا کر آگے بڑھا۔

قریب چوتھے پر رکھ دی۔ بادشاہ نے جھٹے میں آکر دوبار درخواست کر دی گئی۔

لڑکے پھر سنجیدہ ہو گئے۔ مشاعرہ پھر شروع ہوا۔ کوئی اپنا اور کوئی قریب سے مشہور و معروف شعرا کا کلام سُنا رہا تھا اور نقلی بادشاہ ہر شاعر کو دو دو سیب انعام دے رہا تھا۔

سعد اور احمد تالاب کے کنارے چپکے چپکے تھے۔ لڑکوں میں سے کسی نے اخیر

ہو گئے۔ نقلی بادشاہ ویسے بھی اپنی عمر اور مشاہیر کے باعث اس گروہ کا لیڈر معلوم ہوتا تھا۔

”تم کہاں سے آتے ہو؟“ اس نے سعد احمد کے فریب پہنچ کر سوال کیا۔

”ہم قرطبہ سے آئے ہیں“ سعد نے ایمان سے جواب دیا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”ہم تمہارا تماشا دیکھ رہے تھے۔“

ان لڑکوں میں سے سعد کا ایک ہم عمر جس کے سر پر نقل کی سُرخی ٹوپی تھی ایک قدم آگے بڑھ کر بولا ”تم ہمارے ساتھ تھیلو گے؟“

سعد نے جواب دیا ”نہیں میں تمہارا کھیل پسند نہیں۔“

”کیوں؟“ اس نے سوال کیا۔

”تم شاعروں اور بادشاہوں کی نقل کرتے ہو۔“

”تم شاعر نہیں ہو؟“

”نہیں مجھے شاعری سے نفرت ہے۔“

”کیوں؟“

”شاعری ایک سپاہی کو آرام طلب اور بزدل بنا دیتی ہے۔“

نقلی بادشاہ نے کہا ”یہ کن کہتا ہے؟“

”میرے ابا جان کا کرتے ہیں۔“

”پھر تمہارا ببا کوئی جنگلی ہو گا؟“

سعد کا چہرہ تنکا اٹھا۔ تاہم اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ”کسی کے باپ کے

متعلق ایسے الفاظ کہنا بزدل اور کمینے لڑکوں کا کام ہے؟“

اب نقلی بادشاہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ محلے کے لیے تیار نہ

تھے۔ سُرخی ٹوپی والے لڑکے نے اس مرحلے پر مداخلت کرتے ہوئے کہا ”تمہیں کون سا کھیل پسند ہے؟“

سعد نے جواب دیا ”ہمیں شہسواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور تیغ زنی پسند ہیں۔“

اب احمد کی باری تھی۔ وہ بولا ”ہم دوختوں پر بھی چڑھ سکتے ہیں اور تیرنا بھی جانتے ہیں۔“

”تم اس دوخت پر بھی چڑھ سکتے ہو؟“ ایک لڑکے نے سوال کیا۔

احمد نے اُشباب میں سر ہلایا۔

سُرخی ٹوپی والے لڑکے نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا ”تم پڑھنا بھی جانتے ہو؟“

”کیوں نہیں؟“ سعد نے جواب دیا۔

نقلی بادشاہ نے سوال کیا ”کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں تم نے؟“

اس کے جواب میں سعد نے دینیات، تاریخ اور ریاضی کی چند کتابوں کے نام سنا دیے۔ اس پر اپنے ساتھیوں کو مرعوب ہوتا دیکھ کر نقلی بادشاہ نے کہا ”تم جھوٹ بولتے ہو!“

سعد اٹھ کھڑا ہوا اور بولا ”اگر تم نے پھر مجھے جھوٹا کہا تو میں تمہیں پیٹوں گا!“

نقلی بادشاہ چلایا ”انہیں پکڑو!“

دو لڑکوں نے اچانک حملہ کر کے احمد کے ہاتھ سے کمان پھینکی۔ تین لڑکوں

نے سعد پر چھپنے کی کوشش کی لیکن وہ اچانک جست لگا کر ایک طرف ہٹ گیا۔

باقی لڑکوں نے اس کے گرد گھیرا ڈالنے کی کوشش کی لیکن وہ آٹھ جھپکنے کی

دیر میں ترکش سے تیر نکال کر اپنی کمان سیدھی کر چکا تھا۔ حملہ آور اب آگے بڑھتے

آتا۔ یہ ڈوب جائے گا۔“

باغ کے بوڑھے مالی نے پہلے تو اسے ایک مذاق سمجھا۔ لیکن نقلی بادشاہ کی حالت دیکھ کر اس نے آگے بڑھ کر سعد سے کہا۔ ”صاحبزادے کسی نہتے کو تیرے دربار بادشاہی نہیں اگر تمہیں لڑنے کا شوق ہے تو دونوں خالی ہاتھ مقابلہ کر لو۔“

”مجھے لڑنے کا شوق نہیں۔ لیکن اگر اسے لڑنے کا شوق ہے تو میں خالی ہاتھ بھی اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے احمد کے قریب اپنی کمان رکھ دی اور پھر ترکش تارکمان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”احمد تم ہوشیاری سے دوسرے لڑکوں کا خیال رکھو۔“

نقلی بادشاہ کا نام زیاد تھا۔ جسم کے اعتبار سے وہ سعد سے ڈیڑھ گنا معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنی ریشمی ٹوپی اور قبائار کر ساتھی کے حوالے کی اور استینین چڑھا کر سعد کے مقابلے کے لیے بڑھا کشتی شروع ہوئی اور باقی لڑکے جو دُور دُور ہٹ گئے تھے قدرے مطمئن ہو کر اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ لیکن تین لڑکے جو دروازے کے قریب پہنچ کر شہد مجاہد تھے۔ وہیں کھڑے رہے۔

پہلی بھپٹ میں زیاد نے سعد کو پنج ذرا اور زیاد کے ساتھی خوشی سے چلانے لگے۔ لیکن سعد فوراً کھڑا ہو گیا۔ زیاد نے اُسے سنہلنے کا موقع دینے سے پہلے ہی اس کے منہ پر گھونسا رسید کر دیا اور سعد اس ضرب کی شدت کے باعث ڈگمگاتا ہوا دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سرخ ٹوپی دالار کا چلایا۔ ”دیکھو زیاد! تم کشتی کی بجائے لڑائی کر رہے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں!“

زیاد کا دوسرا مٹکا سعد نے اپنے بازو پر روکا اور اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے دو ٹکے اس کی گردن پر رسید کر دیے۔ اس کے بعد دونوں پھر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

کی بجائے سرا سیمہ ہو کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ وہ لڑکے جنہوں نے احمد کی کمان پھینکی تھی، اب اس کے ترکش سے تیر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ گھونسوں اور نمکوں سے اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ سعد کمان سیدھے کیے چند قدم آگے بڑھا تو وہ بھی ایک طرف ہٹ گئے۔

سعد نے کہا۔ ”دیکھو کمان پھینک دو۔ ورنہ میں تیر چلا دوں گا!“
اس نے اپنا فخر اُٹھا نہیں کیا تھا کہ ایک لڑکے نے احمد کی پھینکی ہوئی کمان پھینک دی۔

احمد نے آگے بڑھ کر اپنی کمان اٹھائی اور تیر چڑھا کر اپنے بھائی کے قریب کھڑا ہو گیا۔ سعد نے آہستہ سے کہا۔ ”احمد دیکھو کہیں تیر پھوڑ نہ دینا!“
نقلی بادشاہ انتہائی پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا۔ سعد نے اسے اور زیادہ پریشانی کرنے کے لیے تیر کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ سرخ ٹوپی دالار کا آگے بڑھ کر چلایا۔ ”دیکھو بھتی! یہ تمہارے ساتھ مذاق کر رہے تھے کہیں تیر چلا نہ دینا! اس کا باپ سپر سلا ہے۔ اگر یہ زخمی ہو گیا تو سپاہی تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے۔“

سعد نے جواب دیا۔ ”اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں سچ تیر چلا دوں گا۔“

دو تین چھوٹی عمر کے لڑکے باغ کے دروازے کے قریب پہنچ کر رہائی چاہ رہے تھے۔

سعد نے نقلی بادشاہ سے کہا۔ ”اب تمہاری سلطنت پر میرا قبضہ ہو چکا ہے۔ اب میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس تالاب میں پھلانگ لگا دو!“

سرخ ٹوپی دالار کا پھر چلایا۔ ”نہیں نہیں یہ تالاب گمراہی ہے۔ تیر زنا نہیں

کو کشتی ہو رہی ہے۔“

حسن نے احمد کو تالاب کی منیڈر پر اطمینان سے کھڑے دیکھا۔ تو اسے تسلی ہوئی۔

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا: ”آؤ تم بھی کشتی دیکھو؟“

اتنی دیر میں سعد اپنے بڑے مقابل کو مغلوب کر چکا تھا۔ تاہم اس کے منہ پر کوئی نشان دیکھ کر حسن کے لیے خاموش رہنا مشکل تھا۔ وہ تمام لڑکوں سے زیادہ شور مچا رہا تھا:

”بھائی جان ایک اور مارو! زور سے مارو بھائی جان زور سے! ناک پر ناروناک پر

ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ایک آنکھ پر بھی مارو؟“

زبان کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی حرکت کر رہے تھے اور بوڑھا مالی اُس کی حرکات و سکنات دیکھ کر منہسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

بالآخر زیادہ پیچھے کے بل گر پڑا اور اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہ کی۔ بوڑھے مالی نے سعد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا: ”بس اب تم جیت گئے ہو۔ اب تم ان کے بادشاہ ہو۔“

سعد نے ہانپتے ہوئے جواب دیا: ”میں سپاہی بننا چاہتا ہوں۔“

زیادہ اٹھا اور مالی سے اپنی قبائے کر لٹکھڑاتا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔ مالی نے چند قدم آگے بڑھ کر کہا: ”یہ اپنی ٹوپی بھی لے لیجیے!“ زیادہ نے مڑ کر مالی کے ہاتھ سے ٹوپی لے لی لیکن سر پر رکھنے کی بجائے ایک طرف کو پھینک دی۔ پانچ لڑکے اس کے ساتھ چل دیے لیکن باقی وہیں کھڑے رہے۔ سعد احمد کے پاس تالاب کی منیڈر پر بیٹھ گیا۔

ایک لڑکے نے زمین پر پڑی ہوئی ٹوپی اٹھا لی اور اسے جھاڑ کر مالی کے سر

(۲)

باغ سے باہر سعد اور احمد کا چھوٹا بھائی حسن ان کے انتظار اور الماس کے خزانوں سے تنگ آ کر اٹھا اور باغ کی طرف چل دیا۔ پہلے باغ کو عبور کرتے ہوئے اُسے دوسرے باغ کی چار دیواری کے اندر لڑکوں کا شور سُنانی دیا تو وہ پوری رفتار سے بھاگا۔ دوسرے باغ میں داخل ہوتے ہی جب اس نے اجنبی لڑکوں کے درمیان سعد کو زیادہ کے ساتھ کشتی لڑتے دیکھا تو وہ کسی تعقیب کے بغیر کان پھینک کر ان تین لڑکوں پر ٹوٹ پڑا جو دروازے کے پاس کھڑے دہائی چما رہے تھے۔ اُن میں سے ایک اس کا ہم عمر اور دو ذرا بڑے تھے حسن کا پہلا منکا ایک لڑکے کے منہ پر لگا اور وہ چیختا چلاتا سیل کے درختوں کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے لڑکے پر حملہ کیا۔ اس نے نکتے کا جواب نکتے سے دیا۔ تیسرے لڑکے نے امن پسندی کا ثبوت دیا اور وہ اپنے ساتھی کو حسن کے مقابلے میں تنہا چھوڑ کر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار پر چڑھ گیا۔ حسن اپنے بڑے مقابل کے ساتھ دیر تک لڑتا رہا۔ دونوں کے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ دونوں کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ لیکن کوئی ہار ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ دیوار پر کھڑے ہو کر چلانے والے لڑکے نے سعد اور زیادہ کی لڑائی دیکھنے والوں کو اس طرف متوجہ کیا اور سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے بھاگ کر انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔ حسن کی ایک آنکھ سُجی ہوئی تھی اور اُس کے بڑے مقابل کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا: ”ارے تم کیوں لڑے ہو؟ حسن کے بڑے مقابل نے جواب دیا: ”اس سے پوچھو میں نے اسے کیا کہا تھا کہ اس نے آتے ہی مجھ پر حملہ کر دیا!“

حسن بولا: ”اور تم میرے بھائیوں کے ساتھ کیوں لڑائی کرتے ہو؟“

سُرخ ٹوپی والے لڑکے نے کہا: ”اچھا وہ تمہارے بھائی ہیں؟ ارے وہاں

احمد اُٹھ کر آگے بڑھا اور اس نے مالی کے ہاتھ سے ٹوپی لے کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا: "بھائی جان میں گھڑا ہوتا ہوں۔"

جب سعد ٹوپی پر نشانہ کر رہا تھا، تو مالی نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ جب تک اسے یقین نہ ہو کہ خطرہ مل چکا ہے اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ پھر وہ سعد کو سمجھا رہا تھا: "میں صاحبزادے! تمہارا نشانہ واقعی بہت اچھا ہے لیکن خدا کے لیے دوسروں کے سر پر اس کی مشق نہ کیا کرو؟"

سرخ ٹوپی والا تالاب کے پانی سے اپنا رد مال جھگو کر حسن کی آنکھ پر گور کر رہا تھا یہ دیکھ کر احمد بھی اپنے رد مال سے اس لڑکے کی ناک کا خون صاف کرنے لگا جس کے ساتھ حسن نے طاقت آزمائی کی تھی۔

سرخ ٹوپی والے لڑکے نے حسن سے سوال کیا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

"حسن۔" اس نے جواب دیا۔

"اور وہ دونوں تمہارے بھائی ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"کتنے خوش قسمت ہو تم۔ تمہارے بھائیوں کے نام کیا ہیں؟"

"ان کا نام سعد ہے اور ان کا نام احمد ہے۔" حسن نے یکے بعد دیگرے دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

سرخ ٹوپی والے لڑکے نے ان لڑکوں کے ساتھ مزید تعارف کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا: "میرا نام ادریس ہے۔ ادریس بن عبد الجبار۔ تمہارے ابا جان کا کیا نام ہے؟"

"عبد المنعم۔" حسن نے جواب دیا۔

سعد نے پہلی بار حسن کی طرف غور سے دیکھا: "اے حسن تمہاری یہ حالت کس

پر رکھتے ہوئے کہا: "مالی! ہمارے بادشاہ کا تاج اب تمہارے جتنے آیا ہے۔"

لڑکے ہنسنے لگے اور مالی نے ٹوپی اتار کر واپس دیتے ہوئے کہا: "نہیں جناب ایسا تاج پہننے سے میری ہزار بار توبہ۔ یہ لے جاؤ اور اس کے گھر پہنچا دو۔"

دوسرے لڑکے نے کہا: "نہیں بھی یہ اسحاق کو دے دو۔ وہ اپنے باپ سے نوا کر لیا ہے۔" اسحاق الزہرا کے ایک مشہور درزی کا لڑکا وہیں موجود تھا لیکن وہ اس ٹوپی کو ہاتھ لگانے کیلئے تیار نہ تھا۔

بالآخر مالی نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "ہم اس ٹوپی پر تمہارا نشانہ دیکھتے ہیں میں اسے یہاں سے میں قدم کے فاصلے پر رکھتا ہوں۔"

سعد نے اپنے پردائی سے جواب دیا: "میں قدم سے تو حسن بھی اسے نشانہ بنا سکتا ہے۔ تم اسے ہوا میں اچھا لو میں اس کا نشانہ کروں گا۔"

"اچھا بھی دیکھتے ہیں یہ بھی۔" مالی یہ کہہ کر چند قدم کے فاصلے پر گھڑا ہو گیا اور سعد نے کمان میں تیر چڑھالیا۔ لڑکے دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مالی نے ٹوپی ہوا میں اچھالی۔ سعد نے تیر چھلایا۔ تیر زمین سے چند گنا اونچائی میں لگا اور اُسے اپنے ساتھ ہی نیچے لے آیا۔ مالی "آفریں آفریں" کہتا ہوا بھاگا اور تیر اور ٹوپی اٹھا لایا۔ بعض لڑکے کھل کر اور بعض دبی زبان سے سعد کو داد دے رہے تھے۔

سعد نے مالی سے کہا: "اب تم اس ٹوپی کو اپنے سر پر رکھو۔ میں نشانہ کرتا ہوں!" مالی نے مخصوص انداز میں کہا: "کیوں جی میں نے آپ کا کیا تصور کیا ہے؟"

حسن نے آگے بڑھ کر مالی کو تسلی دیتے ہوئے کہا: "ڈرو نہیں۔ بھائی جان تو میرے سر پر سیب رکھ کر نشانہ لگایا کرتے ہیں۔"

مالی نے کہا: "دیکھو بھائی! اگر سیبوں کا نشانہ کرنا چاہتے ہو تو وہ سامنے درخت ہیں۔ وہاں سے جتنے سیب چاہو پھینک دو۔ لیکن میں اس طاقت کے لیے تیار نہیں۔"

نے بنائی ہے؟

حسن کی خاموشی پر ادیس نے جواب دیا "اس نے بھی کشتی کی ہے۔"
"کس کے ساتھ؟"

ادیس نے دوسرے لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس کے ساتھ معلوم نہیں کب سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ میں نے انھیں بڑی مشکل سے چھڑایا تھا۔"
دوسرے لڑکے نے فریادی ہو کر کہا "میں نے اس کے ساتھ لڑائی نہیں کی۔ یہ بھاگتا ہوا باہر سے آیا اور آتے ہی اس نے پہلے ولید کو مٹکا مارا۔ وہ بھاگ گیا تو مجھ پر حملہ کر دیا۔"

حسن نے کہا "یہ شور مچا رہے تھے پکڑ لو، مارو، گھیر لو، میں سمجھا لڑائی ہو گئی ہے۔"
ساتھ والے باغ سے الماس کی آوازیں سنائی دیں "سعد! احباب! حسن! کہاں گئے تم؟"

سعد نے بلند آواز میں جواب دیا "ہم آ رہے ہیں چچا!"

رخصت ہونے سے پہلے سعد نے ادیس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "مجھے خسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کا کھیل خراب ہوا۔ ہم لڑنے کی نیت سے ادھر نہیں آئے تھے۔"
ادیس نے جواب دیا "آپ کو خسوس نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کے آنے سے جو کھیل ہم نے دیکھا ہے وہ زیادہ دل چسپ تھا۔"

الماس باغ کے دروازے سے نمودار ہوا اور اس نے وہیں رگ کر بلند آوازیں کہہ دیں "سمجھتا تھا تم شاید گھر چلے گئے ہو۔ بہت پریشان کیا تم نے۔ اب آؤ!"
جب یہ تینوں بھائی چل پڑے تو مدینہ الزہرا کے لڑکے بارہ دری میں بیسیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک لڑکے نے پیچھے سے آواز دی "ٹھہرے! اپنے حصے کے سیب لیتے جاتیے۔"

سعد نے مڑ کر جواب دیا "نہیں مسکریہ! سیب ہمارے باغ میں بہت ہیں۔"
ادیس کچھ دیر ان کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ باغ کے دروازے پر رگ کر الماس کو اپنی سرگزشت سنا رہے تھے تو ادیس کچھ سوچ کر تیزی سے چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور اس نے کہا "آپ بہت تھک گئے ہوں گے۔ میرے ساتھ گھر تک چلیں۔ وہاں سے آپ کو ہمارے نوکر قرطبہ پہنچا دیں گے، ہمارا گھر یہاں سے بالکل نزدیک ہے۔"

سعد نے کہا "نہیں آج کا دن ہم پیدل چلنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن یہ آپ کا چھوٹا بھائی تو بہت تھک گیا ہے۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ بڑی مشکل سے قدم اٹھا رہا تھا۔"

الماس نے کہا "نہیں نہیں حسن بہت بہادر ہے۔ کیوں حسن تم تھک گئے ہو؟ حسن کچھ سفر کی تھکاوٹ اور کچھ لڑائی کے باعث نڈھال ہو چکا تھا۔ ادیس کی توجہ کو اس نے اپنے لیے تائید غلطی سمجھا، لیکن الماس نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے بھی ہوئی آواز میں جواب دیا "نہیں چچا میں چل سکتا ہوں۔"
دوسرے باغ سے نکل کر انھوں نے یکے بعد دیگرے ادیس سے مصافحہ کیا۔ ادیس کچھ دیر کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ حسن کوئی سوگزن چلنے کے بعد منہ بسوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ الماس نے کہا "کیا بات ہے حسن؟"

"بس میں یہیں رہوں گا۔ حسن نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔"

الماس نے حسن کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ زمین پر پچھا جا رہا تھا۔ بالآخر الماس نے اُسے اپنے کندھے پر بٹھالیا۔ کوئی ڈیڑھ میل حسن کا بوجھ اٹھا کر چلنے کے بعد الماس یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس نے ادیس کی پیش کش کو ٹھکرانے میں غلطی کی ہے۔ اچانک پیچھے سے ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا آیا سعد

گئی ہے۔ تمہاری باتیں اگکھ سوچ رہی ہے، اور زیادہ کی دونوں آنکھیں سیاہ ہو رہی تھیں۔ جب تم نے کمان میں تیر چڑھا لیا تھا، تو میں واقعی بہت پریشان ہوا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ تم کہیں بچ کچ کسی کو مار نہ ڈالو۔“

”نہیں نہیں۔ میں انہیں ڈر رہا تھا۔“

ادیس نے کہا: ”تمہیں معلوم ہے کہ اگر وہ سب تم پر حملہ کر دیتے تو میں کیا کرتا؟“ سعد نے جواب دیا: ”شاید تم ہمارے ساتھ نہ لڑتے۔“

”نہیں میں تمہارا ساتھ دیتا اور شاید چلو اور لو کے بھی تمہارا ساتھ دیتے۔“

الماس بن کی باتیں دلچسپی کے ساتھ سن رہا تھا۔ اس نے سوال کیا: ”بھلا تم ان کا ساتھ کیوں دیتے؟“

ادیس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا: ”کیونکہ زیادہ کی زیادتی تھی اور زیادتی کرنے والوں کا ساتھ دینا سخت گناہ ہے۔“

قرطبہ کی گنجان آبادی سے باہر ایک خوبصورت باغ کی چل دیواری کے اندر ایک قلعہ نما مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سعد نے ادیس سے کہا: ”وہ ہمارا مکان ہے۔“

باغ کے دروازے کے قریب پہنچ کر ادیس نے کہا: ”اب میں اپنے ماموں کے ہاں جاؤں گا، وہ شہر کی دوسری طرف رہتے ہیں۔“

سعد نے کہا: ”نہیں آج تم ہمارے ہاں ٹھہرو۔“

”نہیں میں کل آپ کے پاس آؤں گا۔ ماموں جان کی اجازت کے بغیر اگر میں آپ کے پاس ٹھہر گیا تو وہ غما ہوں گے۔ کل میں آپ کے ساتھ تیر اندازی کی مشق بھی کروں۔“ یہ کہہ کر

ادیس الماس کی طرف متوجہ ہوا: ”آپ مجھے تیر اندازی کا سبق دیا کریں گے نا؟“

الماس نے جواب دیا: ”اگر تم شاعر نہیں ہو تو میں قرطبہ کا بہترین تیر انداز بنا دوں گا۔“

”میں شاعر نہیں ہوں۔ واما تو میں نے کسی اور کی نظر ٹھہ کر سنا دی تھی۔ آئندہ میر

نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہی اُسے پہچان لیا اور کہا: ”یہ لوہی لڑکا ہے۔“

حسن اُسے دیکھتے ہی شور مچانے لگا: ”چچا مجھے اتار دو۔“

الماس نے بے پروائی سے کہا: ”نہیں نہیں اب بیٹھے رہو۔ تم دس قدم چلنے کے بعد پھر زمین پر لیٹ جاؤ گے۔“

حسن چلایا: ”چچا مجھے چھوڑ دو۔ ورنہ میں کاٹوں گا۔“

الماس کو اس کی پریشانی کی وجہ معلوم نہ تھی اور سعد اور احمد ہنسی سے لوٹ پلوٹ ہو رہے تھے۔ الماس نے حسن کو اپنے کندھے سے اس وقت اتارا جب

ادیس ان کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ادیس نے کبھی رسمی تہنید کے بغیر کہا: ”میں سمجھتا تھا کہ ابھی تک آپ باغ کے پار ہی بیٹھے ہوئے ہوں گے لیکن آپ بہت دور نکل آئے۔“

لو بھائی حسن، تم اور احمد اس گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔“

ادیس گھوڑے سے اتر پڑا لیکن الماس نے کہا: ”آپ نے بہت تکلیف کی۔“

لیکن اسے واپس کون لائے گا؟“

میں آپ کے ساتھ قرطبہ جا رہا ہوں وہاں میرے ماموں رہتے ہیں۔ گھر سے مجھے رات

وہاں پہنچنے کی اجازت مل گئی ہے۔“

الماس نے کہا: ”اچھا۔ پھر آپ حسن کو اپنے ساتھ بٹھالیں۔“

”نہیں میں پیدل چلنا چاہتا ہوں۔“

الماس نے احمد اور حسن کو گھوڑے پر بٹھا کر اس کی باگ پکڑ لی، سعد اور

ادیس آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیے۔

گھوڑی دیر میں سعد اور ادیس آپس میں بے تکلف ہو گئے۔

ادیس نے ہنستے ہوئے کہا: ”یہ عجیب بات ہے، حسن کی دائیں آنکھ پر چوڑ

ایسا نہیں کروں گا۔

ادریں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہوا اور یہ بیٹوں بھائی اپنے بلخ میں داخل ہوئے۔

(۳)

ڈیوڑھی کے سامنے ایک گتھی اور اس کے قریب اصطبل میں چند نئے گھوڑے دیکھ کر الماس نے کہا۔ ”شاید مکان آئے ہیں!“

سعد نے ایک سفید گھوڑے کو پہچانتے ہوئے اپنے بھائیوں سے کہا۔ ”یہ تو خالو جان کا گھوڑا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کبھی بھی انہی کی ہے۔“

اندسے ایک نوکر نمودار ہوا اور الماس کے استفسار پر اس نے بتایا کہ سعد کے خالو کے علاوہ چند اور مکان بھی آئے ہوئے ہیں، اور وہ دیوان خانے میں تشریف فرما ہیں۔

سعد نے حسن کی اور حسن نے سعد کی طرف دیکھا۔ دونوں کو محلوں کے سامنے جڑ پسند نہ تھا۔ اس لیے وہ دیوان خانے کے سامنے سے گزرنے کی بجائے باغ میں سے چکر کاٹ کر دوسرے دروازے سے گھر میں داخل ہوئے۔ ایک خادمہ انہیں دیکھتے ہی بدحواس ہو کر چلائی۔ تمہیں کیا ہوا؟ کس نے بیٹیا تمہیں؟ گھر میں تمہاری خالہ جان آئی ہوئی ہیں۔

وہ تمہیں اس حالت میں دیکھ کر کیا کہیں گی؟

سعد اور حسن اپنی مال کے سامنے جانے سے گھبراہٹے تھے۔ اب خالہ کی آمد کی خبر ملی تو دونوں ٹھٹھک کر رہ گئے۔ ان کی مال ایک کمرے میں اپنی بہن کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔ صحن میں خادمہ کی آواز سن کر وہ باہر نکلیں۔ کیا ہوا؟ انہوں نے سوال کیا۔

حسن نے گھبرا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا لیکن سعد نے قدرے جرات سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”کچھ نہیں امی جان ہم نے کشتی لڑی تھی۔“

”کشتی نہیں۔ آج تم کسی کے ساتھ لڑ کر آئے ہو۔ دیکھو کیا حالت بنا رکھی ہے تم

نے۔ تمہاری خالہ آئی ہوئی ہیں، وہ کیا خیال کریں گی۔“

اچھ بولا۔ ”ایک لڑکے نے بھائی جان کے ساتھ کشتی شروع کی تھی لیکن اس نے بھائی جان کو مٹکا مار دیا۔ پھر انھوں نے اسے خوب پیٹا۔“

اتنی دیر میں ان کی خالہ بھی باہر آچکی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی۔ سعد اور اچھ نے اُسے سلام کیا۔ لیکن حسن اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

مال نے کہا۔ ”حسن اپنی خالہ کو سلام نہیں کیا تم نے؟ حسن نے منہ ان کی طرف کیے بغیر دبی زبان سے سلام کہہ دیا۔ مال نے پھر کہا۔ ”حسن اس طرف منہ کرو۔“

حسن نے مال کے حکم کی تعمیل کی لیکن اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپایا خالہ نے آگے بڑھ کر چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی لیکن وہ پوری قوت سے اپنا منہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ راستے میں اچھ نے کئی بار بتا چکا تھا، کہ

تمہارے چہرے پر ضرروں کے نشانات سعد کی نسبت زیادہ ہیں۔

مال نے ڈاؤنٹ کر کہا۔ ”حسن ہاتھ نیچے کرو۔“

حسن نے بے بسی کی حالت میں ہاتھ نیچے کر لیے اور سر جھکا دیا۔

مال نے کہا۔ ”ہن یہ ابن دونوں سے زیادہ شرمیلے ہے۔“

خالہ نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”اے کچھ نہ کہو۔ اے کچھ نہ کہو۔ اندس کو ایسے بچوں کی ضرورت ہے حسن بیٹا! اگر تم مار کھا کر جھاگ نہیں آئے تو تمہیں اس قدر نادم نہیں ہونا چاہیے۔“

”میں مار کھا کر تمہیں بھاگا۔“ حسن نے تن کر کہا۔

”تو پھر اس قدر پریشان کیوں ہو؟“

اچھ نے کہا۔ ”خالہ جان! حسن اس سے پریشان ہے کہ اس نے غلطی سے ایک لڑکے کو پیٹ ڈالا تھا۔“

بھائی کا ایک وفادار دکر ان کے ساتھ جائے گا آپ انہیں ملحقہ پہنچا دیں۔ وہاں سے وہ خود غرناطہ چلے جائیں گے۔

عبد المنعم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: آپ فکر نہ کریں میں خود غرناطہ تک ان کے ساتھ جاؤں گا۔

عبد المنعم نے ان خواتین کے لیے اپنے جہاز کے ایک حصہ میں پردے کا انتظام کر دیا اور میرے دن وہ قبرص سے روانہ ہوئے۔

صقلیہ کے ساحل سے کچھ دُور عبد المنعم کے جہاز پر بحری قزاقوں نے حملہ کر دیا جہاز کا کپتان ایک تجربہ کار لڑاکا تھا اور عبد المنعم خود بھی جہاندانی کا کافی تجربہ حاصل کر چکا تھا اس نے ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے جہاز کو بہترین جنگی سامان سے آراستہ کر رکھا تھا۔ کپتان کے علاوہ اس کے جہاز کا ہر لڑاکا بحری جنگ کا اعلیٰ تجربہ رکھتا تھا۔ بحری ڈاکوؤں کے ایک جہاز کو عبد المنعم اپنے لیے کوئی بڑا خطونہ سمجھتا تھا لیکن اس مرتبہ اس کے ساتھ دو خواتین تھیں اور اُس کے نزدیک اُن کی حفاظت کا مسئلہ جہاز سے کہیں زیادہ اہم تھا۔

ڈاکوؤں کا جہاز انہیں شام سے کچھ دیر قبل دکھائی دیا اور عبد المنعم نے کپتان کو حکم دیا کہ وہ مقابلہ کرنے کی بجائے بچ نکلنے کی کوشش کرے۔ کپتان اور لڑاکوں کی تمام کوششوں کے باوجود دونوں جہازوں کا دورانی فاصلہ تبدیل نہ ہو سکا۔ اس کے بعد انہوں نے رات کی تلاکی سے فائدہ اٹھایا لیکن علی الصبح ڈاکوؤں کا جہاز پھر اُن کے پیچھے تھا۔ عبد المنعم نے کپتان کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ ڈاکوؤں کو بہت حد تک یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ اُن کے مد مقابل لڑائی کی ہمت نہیں رکھتے اور جب دوسرے جہاز سے اُن کے ابتدائی تیروں کا جواب بھی نہ آیا تو اُن کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں سے

خبر دے گا۔ لیکن اس نے بھی تو کمی نہیں کی خدا کا شکر ہے اس کی آنکھ بچ گئی۔
حسن نے کہا: اُس کی آنکھ میرے سے بھی زیادہ خراب تھی اور وہ دو تھے۔
ایک تو پھلانگتا کھا کر ہی بیسگ گیا تھا؟

(۴)

سعد احمد اور حسن قرطبہ کے ایک باثر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا باپ عبد المنعم اپنی دولت اور ثروت کے اعتبار سے قرطبہ کے گئے چنے امراء میں سے ایک تھا قرطبہ میں ایک وسیع جائداد کا مالک ہونے کے علاوہ اُسے گھوڑوں کی تجارت کا شوق تھا اس تجارت کے سلسلے میں وہ کئی بار سرکش، مصر و عرب اور دوسرے ممالک کا سفر کر چکا تھا۔

ایک مرتبہ جب عبد المنعم گھٹے فروخت کرنے کے لیے قبرص گیا تو وہاں اس کی ملاقات ایک شامی تاجر سے ہوئی اس تاجر نے عبد المنعم کو بتایا کہ اس کا چھوٹا بھائی جو چند ماہ قبل وفات پا چکا ہے، قبرص کی بحری فوج میں کپتان تھا۔ اس کی دو لڑکیاں اور ایک بیوہ ہے۔ بڑی لڑکی کی شادی غرناطہ کے ایک رئیس کے ساتھ ہو گئی تھی وہ چند سال قبل عراق کے لیے آیا تھا۔ حج سے واپس آتے ہوئے اس کے جہاز کو کوئی حادثہ پیش آیا اتفاق سے میرے بھائی کا جہاز جس پر وہ بحری ڈاکوؤں کا تعاقب کر رہا تھا، اس طرف آنکلا اور اس کی جہاز بچ گئی۔ میرا بھائی اُسے اپنے ساتھ لے آیا اور چند مہینوں کے بعد اس کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا اب میرے بھائی کی بیوہ اور چھوٹی لڑکی غرناطہ میں بڑی لڑکی کے پاس ملا جلاتی ہیں اور اس لیے میں آپ کو تکلیف دینا چاہتا ہوں۔

عبد المنعم نے اُسے جواب دیا: مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہمارا جہاز دیسے بھو خانی جلد باہر ہے۔

تاجر نے کہا: بعض مجبوروں کے اعث میں خود ان کے ساتھ نہیں جاسکتا۔ میرے

کہا۔ ”یہ جہاز بہت قیمتی ہے۔ اس سے اسے نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن جب وہ قریب آگئے تو عبدالمنعم کے جہاز سے اچانک تیروں کی بارش ہونے لگی۔ چند ڈاکو جو تختے پر کھڑے کمندیں پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے۔ زخمی ہو کر گر پڑے۔ اس کے ساتھ ہی چند آتشیں تیر ڈاکوؤں کے جہازوں کے بادبانوں میں پلوسٹ ہو گئے۔ ڈاکوؤں نے اچانک اپنے جہاز کا رخ بدل کر عبدالمنعم کے جہاز کے ساتھ سیدھی ٹکرائے کی کوشش کی۔ لیکن ہوشیار کپتان نے فوراً اپنے جہاز کا رخ بدل دیا اور ڈاکوؤں کا جہاز عبدالمنعم کے جہاز کو عین درمیان سے پاس پاس کرنے کی بجائے ایک پہلو سے رگڑا تو اس کے ساتھ جھاگ۔ ڈاکوؤں نے کمندیں پھینک کر عبدالمنعم کے جہاز پر کودنے کی کوشش کی۔ لیکن بد مقابل کے نیزوں اور تلواروں کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ چند لمحات کے اندر اندر ڈاکوؤں کے کئی آدمی ہلاک ہو چکے تھے اور ان کے جہاز میں آگ کے شعلے نہایت خطرناک صورت اختیار کر چکے تھے۔ عبدالمنعم کا جہاز ان کے جہاز کے ساتھ رگڑا تو کھاتا ہوا آگے نکل گیا۔ لیکن اتنی دیر میں ڈاکوؤں کے چند آتشیں تیر اس جہاز کے بادبانوں میں بھی آگ لگا چکے تھے۔ چند صلاح آگ پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے اور باقی دشمن کے جلتے ہوئے جہاز سے سمندر میں پھلانگیں لگانے والوں پر تیر بربا رہے تھے۔ چند ڈاکو کشتی ہی سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے کہ عبدالمنعم کے ساتھیوں نے منہنق کے ساتھ پتھروں کی بارش کر دی اور ان کی کشتی تھوڑی دُور جا کر ڈوب گئی۔ اس کے بعد عبدالمنعم کے ساتھیوں کو ٹکڑی ہوئی آگ ان کی تمام کوششوں کے باوجود قابو سے باہر ہو چکی تھی یا آخر کپتان نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب جہاز چھوڑنے کے علاوہ ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں۔

جہاز کے ساتھ دو کشتیاں تھیں۔ عبدالمنعم نے خواتین کے ٹکڑے سے کہا۔ ”تم خواتین سے کو کہو کہ وہ خوراک کشتی پر سوار ہو جائیں۔“

دوسرے لاکھوں کی طرح عبدالمنعم خود بھی ایک زخمی کو اٹھا کر کشتی تک لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب کشتیاں جلتے ہوئے جہازوں کو چھوڑ کر روانہ ہوئیں تو عبدالمنعم نے اچانک چونک کر ادھر ادھر دیکھا جس کشتی میں وہ کھڑا تھا۔ وہاں صرف ایک عمر سیدہ عذرت تھی اور دوسری کشتی پر بھی اُسے کوئی عذرت دکھائی نہ دی۔ وہ چلایا۔ ”مٹھو! کشتی کو واپس لے چلو غضب خدا کا، ایک ماں کو اپنی بیٹی کا خیال نہ آیا۔ جلدی کرو کشتی موڑو!“

”ایک ماں کے متعلق ایسی رائے نہیں رکھنی چاہیے۔ میں یہیں ہوں۔“

عبدالمنعم نے حیران ہو کر اپنے قریب ایک مسلح سپاہی کی طرف دیکھا۔ اس کے سر پر آہنی خود تھا اور ہاتھ میں خون آلودہ تلوار۔ اس کی زہ اس کے جسم کے مقابلہ میں بہت کشادہ تھی۔ عبدالمنعم کی حیرانی دور کرنے کے لیے کپتان نے کہا۔ ”آپ نے خود نہیں کیا یہ لڑائی میں شروع سے آخر تک ہمارے ساتھ تھیں۔ میں ان کی شجاعت سے بہت متاثر ہوں۔ میں حیران ہوں کہ یہ زہ انھوں نے کہاں سے لی۔“

لڑکی نے جواب دیا۔ ”یہ تلوار میرے آبا کی نشانی ہے، زہ اور خود مجھے جہاز کے ایک کمرے سے مل گئے تھے۔ میں نے مردانہ لباس تلاش کرنے کے لیے ایک صندوق کھولا تھا۔ لیکن وہاں سب اسی قسم کی چیزیں تھیں۔“

(۵)

عبدالمنعم اور اس کے ساتھی سارا دن کشتیوں میں بیٹھے رہے۔ انہیں ساحل تک پہنچنے سے زیادہ اس بات کی امید تھی کہ اس طرف کوئی نہ کوئی جہاز آنکے گا۔ شام کے وقت شمالی افق پر کسی جہاز کے بادبان دکھائی دیے اور انھوں نے کشتیوں کا رخ اس طرف پھیر دیا۔ لیکن شام کی بڑھتی ہوئی تاریکی نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اگلے دن ان کی پریشانی مایوسی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ خوراک کا ذخیرہ قریباً

ختم ہو چکا تھا۔ عبدالمنعم کی تقلید میں اس کے تمام ساتھی پیاس کے باوجود اپنے حصے کا گھونٹ گھونٹ پانی زنجیوں کو دے رہے تھے۔ دوپہر کے وقت عبدالمنعم نے عمر صید گورت کو پیاس سے نڈھال دیکھ کر اُسے پانی کے چند گھونٹ دیے۔ اس کے بعد وہ نوجوان لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ایک زخمی کے قریب بیٹھ کر اُسے تسلی دے رہی تھی۔ "تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ خدا نے ہمیں ڈاکوؤں سے بچایا ہے، وہ ہمیں اس مصیبت سے بھی نجات دے گا۔"

عبدالمنعم نے پہلے میں پانی کے چند گھونٹ ڈالنے کے بعد اس کے قریب آکر کہا: "یہ آپ کا حصہ ہے۔ لیجیے، اس کے بعد شاید آپ کو پانی نہ ملے۔"

لڑکی نے جواب دیا: "میں اپنا حصہ لے چکی ہوں۔ آپ نے صبح سے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا۔"

عبدالمنعم لولا ان حالات میں میں اپنے متعلق سوچ نہیں سکتا۔ لیجیے!

لڑکی نے عبدالمنعم کے ہاتھ سے پیالہ لے کر ادھر ادھر دیکھا اور ایک زخمی کے منہ کو لگاتے ہوئے کہا: "ان حالات میں میں بھی اپنے متعلق نہیں سوچ سکتی۔"

(۹)

یہ جہاز سبتہ جارہا تھا۔ اگلے دن جب سیکینہ عرشے پر کھڑی غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہی تھی۔ عبدالمنعم نے اس کے قریب آکر کہا: "میرے پر سوں تک سبتہ پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے ہمیں مالقہ کا جہاز مل جائے گا۔"

سیکینہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "مجھے آپ کے جہاز کی تباہی گہرت افسوس ہے۔ آپ کے کپتان کو بہت جلد مرہو ہے۔ جہاز آنا آپ کے لیے اچھا شگون نہ ہوا۔"

"نہیں بلکہ آپ کی وجہ سے ہماری جانیں بچ گئیں۔"

سیکینہ دوبارہ آفتاب کی طرف دیکھنے لگی۔ عبدالمنعم نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا: "میں ابھی تمہاری والدہ کے پاس ایک درخواست لے کر گیا تھا۔ میں ایک نیا ہی ہوں۔"

عبدالمنعم نے پہلے میں پانی کے چند گھونٹ ڈالنے کے بعد اس کے قریب آکر کہا: "یہ آپ کا حصہ ہے۔ لیجیے، اس کے بعد شاید آپ کو پانی نہ ملے۔"

لڑکی نے جواب دیا: "میں اپنا حصہ لے چکی ہوں۔ آپ نے صبح سے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا۔"

عبدالمنعم لولا ان حالات میں میں اپنے متعلق سوچ نہیں سکتا۔ لیجیے!

لڑکی نے عبدالمنعم کے ہاتھ سے پیالہ لے کر ادھر ادھر دیکھا اور ایک زخمی کے منہ کو لگاتے ہوئے کہا: "ان حالات میں میں بھی اپنے متعلق نہیں سوچ سکتی۔"

اس لڑکی کا نام سیکینہ تھا۔ عبدالمنعم نے پہلے اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھی تھی اور اپنے دل میں خوش گوار دھڑکنیں محسوس کی تھیں۔ اس کے بعد اس کے نازک ہاتھ زنجیوں کی مڑہم پٹی کر رہے تھے تو وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اس کے سازجیات کے خاموش تاروں کو پھیر رہا ہے۔ تاہم وہ اس کے لیے ایک اجنبی تھی لیکن ایک زخمی کو اپنے حصے کا پانی پلاتے وقت اس کے مڑھائے ہوئے چہرے پر اطمینان کی ایک غیر معمولی جھلک دیکھنے کے بعد عبدالمنعم یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت نے اس کے اپنے دل کی گہرائیوں سے ایک حسین تصویر نکال کر اُسے زندگی عطا کر دی ہے۔

سیکینہ اس کے لیے اجنبی نہیں وہ اُسے مدت سے جانتا ہے۔ غصواں شباب سے

ماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ”تم بہت خوش نصیب ہو بیٹی!“

(۷)

غزل طرہ پنچنے کے چند دن بعد عبدالمنعم اور سیکندر کی شادی ہو گئی قرطبہ کے طبقہ اعلیٰ میں۔
کئی دن اس بات کا چرچا رہا کہ عبدالمنعم نے اندلس کے بہترین خاندانوں کی لڑکیوں کے
لشٹے ٹھکر کر کسی گناہ خاندان کی لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ سیکندر کو اپنے خاوند کی
عزت اور شہرت کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ وہ ایک تاجر ہے جو جہاز
دوب جانے کے باعث اپنا بہت کچھ کھو چکا ہے۔ لیکن جب قرطبہ آکر عبدالمنعم کا عالی
شان محل دیکھا تو وہ دنگ رہ گئی۔ عبدالمنعم اُسے رہائشی مکان کے ایک خوب صورت
کمرے میں بٹھا کر دیوان خانے میں اُن دوستوں کے پاس چلا گیا جو مبارکباد دینے کے لیے
جمع ہو رہے تھے اور سیکندر کو قرطبہ کے اونچے طبقہ کی خواتین نے گھیر لیا۔ کوئی اس کے لباس
اور کوئی اس کے بالوں کی بناوٹ کے متعلق رائے زنی کر رہی تھی۔ سیکندر حیران تھی، کہ
اس کی تعریف ہو رہی ہے یا مذمت، قرطبہ کی خاتونیں بات بات پر شر پڑھتی تھیں۔ پھر
ایک دوسری سے ان شعروں کا مطلب پوچھتی تھیں اور اس کے بعد وہ بحث کرتی تھیں کہ
شعر کا اصلی مفہوم کیا ہے۔ بالآخر وہ دُلمن کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتیں: ”آپ بتائیں آپ
کے خیال میں فلاں شعر کا کیا مطلب ہے؟“

سیکندر کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ مبہوت سی ہو کر ان کی طرف
دیکھ رہی تھی۔

ایک شوخ و طعناور لڑکی نے کہا: ”دیکھو جی میری بھابی کو تنگ نہ کرو۔ انھیں شاعری
سے کوئی لگاؤ نہیں، کوئی اور بات کرو۔ ہاں انھیں موسیقی سے رغبت ہے۔“

سیکندر نے حسو مانہ انداز میں جواب دیا: ”میں کچھ موسیقی کے ساتھ بھی کوئی وقت نہیں
”وہ چہ آپ کیا جانتی ہیں؟“ لڑکی نے ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس طرح بات کرنی چاہیے تھی۔ تاہم انھوں نے میری بات کو بُرا نہیں
جانا۔“ عبدالمنعم یہاں تک کہہ کر دنگ گیا اور پھر ایک فیصلہ کن انداز میں بولا: ”میری درخواست
تمہارے متعلق تھی۔ کشتی پر مصیبت کی آخری رات میں سوچ رہا تھا کہ اگلی شام تک قدرت
نے کسی کو بحالی مدد کے لیے نہ بھیجا تو ہم شاید زندگی کی ایک اور صبح نہ دیکھ سکیں۔ میں
موت سے کبھی نہیں ڈرا لیکن اس مرتبہ مجھے اپنی زندگی پہلے کی نسبت کہیں زیادہ عزیز تھی
چاند کی روشنی میں تمہارا منہ چھایا ہوا چہرہ دیکھ کر میں نے بارہا تم سے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس
کی لیکن میرے سونگے ہوئے حلق سے آواز نہ نکلی لیکن تم سمجھ گئی ہو گی کہ میں کیا چاہتا تھا؟“
”میں کچھ نہیں سمجھی۔“ سیکندر نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے
جواب دیا۔

”میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مرتے وقت میرے ذہن میں آخری سوال یہ ہو گا، کہ حسم
دونوں ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے تھے۔“

سیکندر نے جھپٹکے اور شراتے ہوئے سوال کیا: ”اتنی جان سے آپ نے کیا کہا ہے؟“
”ان سے میں نے بہت کچھ کہا ہے اور وہ شاید تم سے بھی کچھ کہیں گی لیکن تم سے میں
صرف ایک مختصر سوال کا جواب پوچھنے آیا ہوں تمہیں میری رفیقہ حیات بننے پر کوئی
اعتراض تو نہیں؟“

سیکندر نے ایک ثانیہ کے لیے عبدالمنعم کی طرف دیکھا اور کچھ کے بغیر وہاں سے جھل پڑی
اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں لڑکھاڑ رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر مسرت کی
مسکراہٹیں اور آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ اپنی ماں کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحہ
کے لیے رُکی اور پھر بے اختیار ”اتی! اتی!“ کہتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

”کیا ہے بیٹی؟“

”کچھ نہیں اتی!“

ایک شیر کا پتہ تھا، جو افریقہ کے ایک سردار نے عبد المنعم کو بطور تحفہ پیش کیا تھا۔

امام عبد المنعم کا ایک بربری نوکر تھا۔ اپنی شادی سے تین سال قبل عبد المنعم مراکش سے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ امام اپنے ذاتی غویوں کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں عبد المنعم کو بنا کر ویدہ بنالیا اور قرطبہ میں لوگ اُسے ایک نوکر کی بجائے عبد المنعم کے بھائی کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ عبد المنعم کی غیر حاضری میں اس کی تمام جائداد کا انتظام امام کے سپرد ہوتا۔ امام کی عمر چالیس سال سے اوپر تھی لیکن وہ جسمانی صحت کے لحاظ سے ہزاروں نوجوانوں کے لیے قابل رشک تھا۔ اُسے تیر اندازی اور شہسواری میں کمال حاصل تھا۔

شادی کے بعد عبد المنعم کی زندگی ہر لحاظ سے خوشگوار تھی۔ دنیا میں کوئی ایسی نعمت نہ تھی جو اُسے میسر نہ تھی۔ ایک خاوند کی حیثیت میں وہ اپنی بیوی اور ایک باپ کی حیثیت سے وہ اپنے بچوں پر غر کر رکھتا تھا۔ اس کے دوست اس سے محبت کرتے اور دشمن اس سے خوف کھاتے تھے۔ تاہم وہ مطمئن تھا کہ اندلس کے مستقبل کا خیال اسے ہر وقت پریشان رکھتا تھا۔ شادی سے قبل وہ ایک فارخ المال اور آزاد نفس انسان تھا۔ اس کی زندگی نئے سے خطرے تلاش کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے تک محدود تھی، اپنا بیشتر وقت قرطبہ سے باہر گزارا کرتا تھا۔ تجارت کا شغل اس نے دولت کمانے کے لیے اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ سیر تفریح کے لیے ایک بہانہ تھا۔ لیکن سیکنے کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اس کی دنیا بدل چکی تھی۔ سعد، احمد اور حسن کے مستقبل کا تصور اُسے قرطبہ اور اندلس کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیتا،

سیکنہ کا بیٹا نہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ اُس نے کہا میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر آپ کو اس بات سے تسکین ہو سکتی تو مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں ایک غریب سپاہی کی لڑکی ہوں۔ میرے والدین نے مجھے شاعری اور موسیقی کی تعلیم نہیں دی۔ وہ میرے لیے فقط قرآن کی تعلیم کافی سمجھتے تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ لباس جسم ڈھانپنے کے لیے ہے۔ نمائش کی چیز نہیں ہے۔ میں نے تہذیب و تمدن کے اس گوارے میں آنکھ کھولی تھی۔ جہاں ایک عورت صرف ایک بیٹی، ایک بیوی اور ماں کی حیثیت میں پہچانی جاتی ہے۔ آپ کے سامنے فخر اور غرور کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔ صرف ایک بات ہے جسے سننا شاید آپ پسند نہ کریں اور وہ یہ ہے کہ میں وہ سب کچھ ہوں جو میرے شوہر کو پسند ہے اور میرا شوہر وہ سب کچھ ہے جس کی میں اہم شے کہہ سکتی تھی۔ ایک عمر رسیدہ عورت نے سیکنے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ”بیٹی تم ان سب سے زیادہ جانتی ہو۔ میں عبد المنعم کے حسن انتخاب کی داد دیتی ہوں۔“

غیر ناظر میں سیکنے کی بڑی بہن کا خاوند ابو صالح ایک با اثر رئیس تھا۔ سیکنے کی ماں کچھ عرصہ اپنی بڑی بیٹی کے پاس رہنے کے بعد قرطبہ آ گئی۔

شادی کے ایک سال بعد عبد المنعم کا بڑا لڑکا سعد پیدا ہوا۔ سعد کی پیدائش سے تین ماہ بعد سیکنے کی ماں چند دن بیمار رہنے کے بعد چل بسی۔

سعد کی پیدائش سے دو سال بعد عبد المنعم کا دوسرا بیٹا احمد پیدا ہوا۔ سیکنے کی بڑی بہن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اس لیے وہ سیکنے کے بچوں کے ساتھ بیکار کیا کرتی تھی۔ ہر دوسرے یا تیسرے مہینے کبھی وہ اپنے خاوند کے ساتھ قرطبہ آ جاتی اور بھی سیکنے اور عبد المنعم بچوں کے ساتھ چند دن کے لیے غرناطہ چلے جاتے۔

شادی کے پانچویں سال حسن کی پیدائش کے بعد عبد المنعم حج کے لیے چلا گیا۔

دائیں طرف وہ اپنے بچوں کے لیے ایک عجیب و غریب کھلونا لایا اور یہ عجیب و غریب کھلونا

ایک ملک اور کئی بادشاہ

پانچویں صدی ہجری میں مسلمانانِ اندلس اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہے تھے۔ یوسف بن عبد اللہ بن عبد الوہاب دوسری حکومت افسانہ ناصی بن یوسف کا تھا۔ وہ عظیم الشان سلطنت جس کی طاقت اور سطوت سے مغرب کے تاجدار مرعوب تھے۔ طوائف الملوک کے باعث پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ وہ بالغ جسے عبدالرحمن اول کے چالیس بیٹوں نے تین صدیوں تک آپس کیا تھا۔ اب خزاں کی آمد و آمد کا سامنا کر رہا تھا۔ اہل عکرامن، خود غرض راہنما اور حریف قسمت آندا۔ اندلس کو قریباً بیس چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر چکے تھے اور ہر ریاست کے لیے کئی دعویدار برسرِ پیکار تھے۔ ایک کو امراؤں پر تخت پر بٹھاتے اور دوسرے کے ہاتھوں مارا جاتا۔ دوسرے کے سر پر علم و ستار باندھتے اور اسے پر دیار اور خواہر سرا بچانسی پر لٹکا دیتے۔ تیسرا بربروں کے ہاتھوں کا کھونا بن کر مندر حکومت پر رولتی افزو ہوتا اور اُسے عرب یا اندلسی مسند سے اتار کر قید خانے کی تنگ و نایک گونڈھڑی میں پھنچا دیتے۔ چوتھا جوام کے کندھوں پر سوار ہو کر چند دن ایوانِ حکومت کی سیر کرتا اور جب عوام کا جوش و خروش کم ہو جاتا تو یہ خبر سنی جاتی کہ ان کے محبوب حکمران کی لاش غسل خانے کے آتش دان سے بھڑک رہی۔

قرطبہ جو اموی اقتدار کے زمانے میں مغرب کے لیے روشنی کا منار تھا جس کے سپاہی کسی زمانے میں فرانس کے دروازوں پر دستک دیا کرتے تھے، جس کے باغات اور باغات میں بیٹھے لے مورخوں، سیاحوں اور شاعروں نے قرطبہ کے باغات کے متعلق اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس کا خلاصہ پیش

کے معاصرین کے لیے بھی باعثِ شگمک ہیں۔ اب ایک ایسی لاش بن چکا تھا، جسے اقتدار پسند حاکم گرجوں کی طرح نوچ رہے تھے۔ چند سال کے عرصہ میں حکومت کے کئی امیدوار گرجا

رہنے کے لیے بھی ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اس کے محلات و باغات دنیا بھر میں اپنی نظیر آپ تھے۔ عبدالرحمن اول نے اندلس کی سلطنت پر قابض ہونے کے بعد مختلف ممالک میں اپنے آدمی بھیجے تاکہ وہ قرطبہ کے باغات کے لیے عمدہ اور نمایاں پودے اور بیج لائیں۔ اس کا یہ شوق دیکھ کر دنیا کے بہترین باغبان اپنے فن کا کمال دکھانے کے لیے قرطبہ پہنچنے لگے۔ ان باغات کو سیراب کرنے کیلئے وادیِ الکبیر سے نہریں نکالی گئیں اور ان کا پانی نگہ بھر کے وسیع باغات میں جمع کر کے ایک بندر سینہ قبل اور بعض اوقات چاندی اور سونے کے ٹولن سے قیمتی کیا جاتا تھا۔ قرطبہ کا شہر وادیِ الکبیر سے ایک تیار کے کنارے دس میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا۔ پچاس ہزار سے زیادہ عمارتوں اور ایک لاکھ سے زیادہ عام لوگوں کے مکانات تھے۔ سات سو مساجد اور نو سو حمام تھے اور سیڑیوں کی تعدادیں گنت تھیں اور عمارتیں عظیم و عمارتیں عظیم۔ جامع مسجد بہترین کبھی جاتی تھی تاکہ بھی یہ مسجد دنیا بھر میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس کی تعمیر امیر عبدالرحمن اول نے شروع کی اور اس کے بعد ہر سلطان اس عمارت کی رہنمائی و نظری اور دست میں اضافہ کرتا چلا گیا۔

قرطبہ کی دوسری شاندار عمارت دیرتہ الزمرہ تھی جسے اندلس کے خلیفہ اعظم عبدالرحمن الثانی (ثالث) نے اپنی وادیِ الزمرہ کی خواہش پر تعمیر کیا تھا۔ اسے عمارت کے بجائے ایک شہر کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ قرطبہ سے چند میل کے فاصلے پر جبلِ اللعروس کے دامن میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ عبدالرحمن ثالث ہر سال اپنی آمدنی کا ایک تہائی حصہ اس کی تعمیر پر صرف کیا کرتا تھا۔ اس نے شہر کے چند ہزار عمارتوں سے تھے۔ دیوانِ عام کی چھت اور دیواریں رنگ برنگی تھیں۔ دیوانِ عام کے وسط میں پائے کا ایک حوض تھا جس کے آداب کی شاعریں پارے سے بھرے ہوئے حوض پر پڑتی تو سارا دیوان جگمگا اٹھتا۔ جگمگاتے ہوئے بھرے باغ اور صاف شگفتہ پانی کے فوارے تھے۔

آج الزمرہ کے کھنڈر دیکھنے والوں کو یہ یقین نہیں آتا ہوگا کہ یہاں کسی زمانے میں یورپ اور ایشیا کے فرماں رواؤں کے سفیر اور انچی دم بخود ہو کر عبدالرحمن ثالث اور اس کے حاشیوں کا جامہ و حلال دیکھ لگتے تھے۔ قرطبہ میں دوسری محلِ سراپا بھی تھیں جن کے نام قصر العشق، قصر السور و قصر القراج و غیرہ تھے۔ طوائف الملوک کے بعد میں مسجد قرطبہ کے سوا ان سب عمارتوں کو تباہی اور بربادی سے دوچار ہونا پڑا۔

ان خود سر حکمرانوں کے درباروں میں مفکروں، سیاستدانوں اور انتظامی قابلیت رکھنے والوں کی جگہ مغنیوں، مسخریوں اور خوشامدی شاعروں نے لے لی تھی۔

جب کسی قوم میں زندہ رہنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں تو اس کا شمار ادب بھی اس کے لیے افیون کا کام دیتا ہے۔ زندہ قوم کے شاعر شاعرہ ترقی میں قوم کے نقیب بن جاتے ہیں اور ان کا کلام بعض اوقات مڑوں میں بھی زندگی کی حرارت چھونک دیتا ہے۔ لیکن اندلس کے اس دورِ زوال کے شاعروں کی تمام صلاحیتیں نااہل حکمرانوں کی مدح سرائی کے لیے وقف تھیں۔ ہر امیر کی خدمت کے لیے شاعروں کا ایک گروہ موجود تھا۔ وہ ان کی خوشائیاں کے لیے قصائد لکھتے تھے اور ان قصائد میں ہر چھوٹے بڑے امیر کو ہفت اقلیم کا بادشاہ ثابت کیا جاتا تھا۔ بعض امیروں کا یہ حال تھا کہ ان کی فوج کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی لیکن دیہاتی شاعروں کا یہ فرض تھا کہ وہ انھیں دنیا کا سب سے بڑا قاتل ثابت کریں۔ بعض کے خزانوں میں اتنا روپیہ بھی نہ تھا کہ وہ ان عظیم الشان عمارتوں کی مرمت ہی کروا سکیں جو ان کے اسلاف کی یادگاریں تھیں لیکن ان کے قصیدہ گو شاعران کی دولت اور ثروت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے۔ امیر سے انعام حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ دوسرے امرا کی مذمت کی جھانٹے۔ اس لیے قصیدہ گوئی کے ساتھ جو گوئی کا فن بھی اوج کمال تک پہنچ چکا تھا جس امیر کے شاعر اس کی تعریف میں بہترین قصائد اور اس کے خلیفوں کی مذمت میں باترین جو لکھ سکتے تھے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا کی نگاہوں میں اس کا درجہ اوجھاؤ گیا ہے۔

قرطبہ،شبیلیہ اور غرناطہ کے اسلمہ خانوں میں اب موسیقی کے آلات بناتے جاتے تھے۔ شہروں سے باہر کھلے میدانوں میں جہاں لوگ کسی زمانے سپاہیوں کی نیزہ بازی اور تیر اندازی کے کمالات دیکھا کرتے تھے، اب شعر کہنے اور شہر کی داد دینے والوں کی ٹولیاں نظر آ کر تھیں۔ شاعری کی دبا سے وہ عظیم الشان درگاہیں بھی محفوظ نہ تھیں، جہاں

کے پردوں سے نکل کر مسند حکومت اور مسند حکومت سے نکل کر متصل یا قید خانے میں پہنچ چکے تھے۔ قرطبہ میں اس بد نظمی اور انتشار کے باعث اندلس کا ہر ضلع ایک علیحدہ سلطنت اور ہر بڑا شہر کسی خاندان کا دارالامارت بن چکا تھا۔

غرناطہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقے بنی زیری کے تصرف میں تھے۔ سرقسطہ اور لارہ پر بنو، ہود قابض تھے۔ طلیطلہ پر بنو، انون، اشبیلیہ پر بنو، عباد، قرطبہ پر بنی، جوہر، امیر، یابر، بنی، سجاد، بطیوس پر بنی، افطس، شلب پر بنی، مزین، سہلم پر بنی، اذین، ولہ پر بنی، کر، قرمونہ پر بنی، زلال اور ابقر پر بنی، محمد قبضہ چما چکے تھے۔

شیروں کی کچھاریں گیدڑوں کی آنا جگاہیں بن چکی تھیں۔ عقابوں کے نشیمن زانوں کے تصرف میں آچکے تھے۔ اٹھائی گز، چور اور اچکے عدل و انصاف لی لریوں پر بڑبھان تھے۔ لوگ الطوائف میں سے بیشتر ایسے تھے کہ انھیں ان کی سیرت اور کردار کے لحاظ سے جرائم پیشہ لوگوں کی صفِ اول میں شمار کیا جاسکتا تھا۔ بعض ریاستیں ایسی بھی تھیں جن کی سرحدیں غلطان کے دارالامارت تک محدود تھیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ امیر بادشاہ، سلطان اور خلیفہ المسلمین کو لاپسند کرتے تھے۔ وہ حریر و اطلس کی قبائیں اور جوہرات سے مرصع ٹوپیاں پہنتے تھے۔ اپنے لیے اعطایات کے انتخاب میں بھی وہ دور دراز کے عباسی خلفائے پیچھے نہ رہتے۔ کوئی مہدی تھا۔ کوئی انصار، کوئی المنصور، کوئی المعتز باللہ، کوئی المودید باللہ، کوئی المعتمد باللہ، کوئی الموفق باللہ، کوئی المعتض باللہ، کوئی المعز باللہ اور کوئی الامون باللہ کو لاپسند کرتا تھا۔

عالمنا ہی مذمت کا ایک شاعر ان نو دولت نقالوں کے متعلق لکھتا ہے :

”جب میں سرزمین اندلس میں ہر طرف سے مقتدر اور مقتدر کے الفاظ سننا ہوں تو مجھے نفرت ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے لیے سببے جاشا ہی القاب بالکل ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی بلی اپنے آپ کو چھوٹا چھوٹا کر شیر کی سی صولت کا اظہار کرے“

معتقد پرے درجہ کا بدماطن، مستقم مزاج اور خود سر تھا۔ تراب لڑی اور شوق و مجاہدین وہ اندلس کے باقی امراء سے کہیں آگے تھا۔ اس کے باوجود وہ شاعری کا دلدادہ اور شاعروں کا قدردان تھا۔ اس کے قوائے جسمانی اس قدر مضبوط تھے کہ کثرت عیاشی کے باوجود سخت محنت کا عادی تھا۔ مغلوب دشمن کو ذمہ دے کر قتل کرے سے اسے ایک لذت حاصل ہوتی تھی۔ وہ دشمن کی کھوپڑیوں میں پھولوں کے پودے لگواتا تھا اور ان پودوں سے اپنے قہر کے صحن کو آراستہ کرتا تھا۔ یہ اس کا باغ تھا۔ بڑے بڑے امیروں کی کھوپڑیاں اس نے ایک صندوق میں بند کر کے محل کے تہ خانے میں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے بیٹے اسماعیل کو حکم عدلی کے جرم میں اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا تھا۔

معتقد نے غرناطہ کے بربری حکمران بادیس کے چند شہزادوں سے بھیجنے لینے ایک مرتبہ جب وہ زندہ میں تھا مجھے بربری سرداروں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن زندہ کے ایک امیر کے رشتہ دار نے انھیں روک دیا تاہم معتقد اپنے خلاف ایسا سوچنے والوں کو بھی مٹا کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے اشبیلیہ پہنچ کر زندہ، مورد اکش اور سریش کے ساتھ بربری روماء کو ضیافت میں مدعو کیا اور انھیں کھانے سے پہلے اپنے عجیب و غریب حمام میں غسل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ بربری اس وسیع حمام میں لطف اندوز ہو رہے تھے، کہ باہر نکلنے کے تمام دروازے اور ہوا کے تمام راستے بند ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی حمام اس قدر گرم ہو گیا کہ وہ تپتے ہوئے موت کی آغوش میں سو گئے۔ معتقد کے اس فعل سے غرناطہ اور اس کی ہمسایہ سلطنتوں میں عربوں اور بربروں کی نزاع ایک نئی شدت کے ساتھ شروع ہوئی۔ معتقد نے قرطبہ پر بھی کئی حکم کیے لیکن قرطبہ کی تسخیر کی خواہش پوری نہ کر سکا۔

معتقد کی اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی لوگ الطوائف نے اس کی ہوس ملک گیری سے بچنے کے لیے قسطلہ کے عیسائی حکمران کو اپنا سرپرست اور محافظ بنایا اور اسے خراج ادا کرنے لگے۔ ۳۳ ہجری میں فرڈیننڈ اول نے اپنے جہرے سے نقاب اٹھا دیا اور

راہی طلب، تاریخ، فلسفہ، طبیعیات اور علوم دین کے مصلحتی قدردان سے مل کر کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے حکمرانوں سے زندگی کے آداب سیکھتے ہیں، اس لیے اگر قرطبہ کے امراء شاعری کو مزاج انسانیت قرار دیتے تھے تو قرطبہ کے باغبان، باغیچے اور کھاد بھی شعر سننے اور شعر کہنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اگر اشبیلیہ کے شاہی دربار اور امراء کی محفلوں میں مشاعرے ہوتے تھے، تو باہمی گہروں کی جھونپڑیوں میں بھی مشاعرے ہوا کرتے تھے۔

فروع البالی کے دور میں اکثر قویں فنون لطیفہ کی دلدادہ بن جاتی ہیں۔ لیکن اہل اندلس کے لیے یہ فروع البالی کا دور نہ تھا۔ وہ اس وقت بھی شعر کہتے تھے جب گھٹنوں تک خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انھیں اس وقت بھی ملاؤں و باب سے محنت تھا جب کے تباہی اور بربادی کی آگ ان کے گھروں تک پہنچ چکی تھی۔

(۲)

شمال میں قسطلہ کا عیسائی حکمران فرڈیننڈ اول مسلمان امراء کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر ان کے کئی علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر چکا تھا۔ وہ متحارب فریقوں میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے کی مدد کرتا اور مداخلت میں ان سے اپنی سرحدوں کے ساتھ خطہ طائفہ پیمین لیتا۔ اس کے علاوہ اپنی فوج کے مصارف پورے کرنے کے لیے ان سے بھاری خراج وصول کرتا۔ لوگ الطوائف آپس کی جنگوں میں فرڈیننڈ کو ایک فیصلہ کن عنصر سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ فرڈیننڈ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُسے ایک دوسرے سے بڑھڑھ کر خراج ادا کرتے تھے۔ اس اعتبار اور بد نظمی کے دور میں اشبیلیہ کے عادی حکمران معتقد نے اپنی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ کر لیا۔ اس نے کبھی حیل جوئی سے اور کبھی بزدل شمشیر مرسیہ، منندہ، لاکش، مورد، دلبر، بلبلہ، شلب، شفت، ماریتہ الغرب اور جزیرۃ الخضراء کو مغلوب کر کے یہ سلطنتیں اشبیلیہ میں شامل کر لیں۔ ابتدا میں لوگ اُسے اندلس کا نجات دہندہ سمجھتے تھے لیکن اس کی سخت گیری کے باعث وہ جلد ہی اس سے متنفر ہو گئے۔

اور انوار کے الحاق سے الفاسق کی طاقت میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے اسلامی اندس کی طرف توجہ کی اور فرڈیننڈ کے طریق کار پر عمل کرتے ہوئے لوک الطوائف کو یکے بعد دیگرے اپنا باجگزار بنالیا۔ الفاسق کی ہوس ملک گیری بڑھتی گئی اور اندس میں لوک الطوائف کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی حدود جنوب کی طرف مستحکم گئیں۔ الفاسق ایک امیر کی بیٹھ پر ہاتھ رکھتا اور دوسرے کو دھمکی دے کر اس سے بعض علاقے چھین لیتا۔ پھر دوسرے کو دوست بنا لیتا اور تیسرے کو اپنے مطالبات ماننے پر مجبور کر دیتا۔ اب کسی کو شبہ نہ تھا کہ الفاسق اندس کے مسلمانوں کے ڈمکاتے ہوئے اقتدار کو آخری ضرب لگانے کا عزم کر چکا ہے۔ عوام جنہیں الفاسق کا خراج متیا کرنے کے لیے اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے نااہل امرا کی نذر کرنا پڑتا تھا انتہائی اضطراب کے دن گزار رہے تھے، بھاری ٹیکسوں کے باعث اندس کے مسلمانوں کی صحت و حرف زوال پذیر تھی بعض امرا نے عوام کا زیادہ سے زیادہ خون چوسنے کے لیے ٹیکس وصول کرنے کا کام یہودی اہل کاروں کے سپرد کر رکھا تھا۔ جن پرستوں کی نگاہیں کسی نجات دہندہ کی تلاش میں تھیں۔

(۳)

اسبیلیہ کا امیر معتمد ایک بلند پایہ شاعر تھا لیکن ایک قوم کی بد قسمتی نے اُسے مکران بنادیا تھا۔ معتمد کے وزیر عہدیدار اور فوجی افسران کی بیگمات اور لونڈیاں اور اس کے خواہر سراسب شاعر تھے۔ ابن عمار ایک پریشان روزگار شاعر تھا چند سال قبل معتمد نے شلب فتح کرنے کے لیے جو فوج روانہ کی، اس کی سپہ سالاری اپنے کم سن بیٹے معتمد کے سپرد کی محاصرہ شلب کے دوران میں ابن عمار سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ابن عمار نے معتمد کی شان میں پسلا قصیدہ لکھ کر ہی اسے اپنا گویہ بنالیا۔ شلب فتح کرنے کے بعد معتمد وہاں کا گورنر مقرر ہوا۔

بلطیس کے حکمران مغیر سے چند شہر چھین لیے۔ ۱۲۲۹ء ہجری میں اس نے سر قسط کے چند علاقے چھین لیے۔

اندس میں اسبیلیہ کے بعد اب طلیطلہ کی سلطنت سب سے طاقتور تھی اور طلیطلہ کا امیر مامون ذلتوں بھی قرطبہ پر قابض ہونے کے لیے بے تاب تھا لیکن فرڈیننڈ نے اس کے بعض علاقے بھی چھین لیے۔ مامون نے لڑنے کی بجائے اُسے خراج دینا منظور کر لیا۔ سر قسط کا حکمران بھی فرڈیننڈ کا باجگزار بن گیا۔ اس کے بعد اسبیلیہ کی بادی آئی۔ اہل اسبیلیہ کو معتمد سے یہ توقع تھی کہ وہ قسط کے عیسائی حکمران کے جارحانہ اقدام کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا لیکن معتمد نے بھی فرڈیننڈ کو خراج دینا منظور کر لیا۔

معتمد کی اس کمزوری کے بعد ان لوگوں کی بالائی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں جو صورت اس امید پر اس کی سفاکی برداشت کر رہے تھے کہ وہ کسی دین اندس کے مسلمانوں کو اس خطرہ عظیم سے نجات دلائے گا جو قسط کی سلطنت میں پل رہا تھا۔ اندس کے کسی چوراہے میں اگر دو سنجیدہ آدمیوں کی ملاقات ہوتی تو ان کی گفتگو کا پہلا فقرہ یہ ہوتا کہ اب ہمارا کیا انجام ہو گا فرڈیننڈ اول کی موت کے بعد الفاسق ششم صلیب کا جھنڈا جیل الطارق تک لے جانے کا عزم کر چکا تھا اور معتمد کی موت کے بعد اسبیلیہ کی حکومت ایسے نوجوان کے ہاتھ آچکی تھی جن کا سب سے بڑا کام شرم و بے بند کے بیٹے نے مسند حکومت پر دوئی افروز ہو کر اپنے لیے معتمد باللہ کا لقب پسند کیا۔

۱۲۵۸ء ہجری میں فرڈیننڈ مر گیا لیکن مسلمانان اندس کو اہل قسط کی چیر و دستوں سے نجات ملی۔ الفاسق ششم نے قسط کے تحت پر قابض ہوتے ہی سین کے شمال میں عیسائیوں کی چھوٹی سلطنتوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا۔ قسط کے ساتھ لیون، جلیقیہ

(۴)

رقص و شراب کی محفلیں گرم تھیں۔

شاعری اور ادب کا رعبہ کو دنیا میں سب سے زیادہ ایک عورت سے محبت تھی شہب کی گورنری کے زمانے میں معتد ابن عمار کے ساتھ چند دنوں کے لیے ایشیلیہ آیا۔ ایک شام عیس بدلی کریمہ دونوں دنیا کے گناہ سے تفریح گاہ میں ٹہل رہے تھے ہوا کے جھونکوں سے دنیا کی سطح پر لگی ہوئی تھیں معتد نے اپنے ساتھی کو دنیا کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ مصرع کہا

”نسیم کے جھونکوں سے پانی کی موجیں زرد بن گئیں“

سچے دو دنوں دوسرا مصرع سوچ رہے تھے کہ پیچھے سے ایک ہلکا سا نسوانی قدم رنایا دیا۔ ایک نئی عید جس کی آواز میں موسم بہار کے پرندوں کی دلکش تھی آنکھیں میٹکتی ہوئی آگے بڑھی اور بولی۔ ”اگر پانی کی سطح منجمد ہو جاتی تو یہ زندہ لڑنے والے کے کام آسکتی۔“

معتد اس کی حاضر جوابی سے زیادہ اس کی شکل صورت سے متاثر ہوا۔ نانیہ مسکرا کر بولی۔ ”پھول برساتی ہوئی گزر گئی، معتد بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ابن عمار کے اشارے سے ایک خادم اس کا سراغ لگانے کے لیے روانہ ہوا۔

اگلے دن جب خواجہ سرانے اس حسینہ کو شاہی محل میں پہنچا دیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی شوخ نگاہوں کا شکا ایشیلیہ کا ولی عہد ہے۔

”تم کون ہو؟“ معتد نے بظاہر بے اعتنائی سے سوال کیا۔

”عالی جاہ! میں میک کی لونڈی ہوں۔“

”تمہارا نام؟“

”میرزا نام اعتماد تھا لیکن اب مجھے میک کی لونڈی ہونے کے باعث میک کے

سے لکھا جاتا ہے۔“

تو اس نے ابن عمار کو اپنا مشیر بنالیا۔ معتد ایک پیدائشی شاعر ہونے کے باوجود سپاہیانہ نسلوں کا مالک تھا۔ اگر اسے جوانی کی ابتدائی میں کچھ ایسے مصائب، رفیق یا دوست مل جاتے تو ممکن تھا کہ اندس کی ترقی اور خوشحالی کا نیا دود اس کا مہزون احسان ہوتا لیکن ابن عمار کی رفاقت نے اسے پروردگار کا عیش پسند بنادیا۔ شہب میں معتد نے ابن عمار کے ساتھ جس عیش و نشاط کے دن گزارے، ان کا ذکر اس کے کلام میں موجود ہے۔ معتد کی وفات کے بعد معتد نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھال لی تو اس نے ابن عمار کی درخواست پر اسے شہب کا گورنر مقرر کر دیا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں لوگ کبھی اسے ہتھی کا مذاق اڑا کرتے تھے۔ ابن عمار شہب میں شاہانہ کور کے ساتھ داخل ہوا کسی زمانے میں وہ اس شہر کے تاجروں کے قصیدے لکھا کرتا تھا۔ شہب کے شاعروں کا ایک لشکر اس کے پیچھے تھا۔ ابن عمار نے سب سے پہلے اس شخص کو چاندی کی ایک تھیلی بھر کر بھیجی جس نے چند سال قبل ایک قصیدے کے عوض جو کا ایک تہہ بڑا بیجا تھا اس کے ساتھ ہی یہ بھی کھلا بھیجا کہ اگر تم مجھے جو کی بجائے گندم دیتے تو آج میں تمہیں چاندی کی بجائے سونا دیتا۔ ابن عمار نامی شان و شوکت کا بھوکھا تھا اور شہب کا خزانہ اس کے دہار کی زینت رقص و سرود کی محفلیں اور شراب و کباب کی دغولوں پر صرف ہوا تھا۔ معتد کی لونڈی کے لیے ایشیلیہ میں شاعروں کی کمی نہ تھی لیکن ابن عمار کی بدلی وہ دیر تک برداشت نہ کر سکا، یہاں تک کہ اس نے ابن عمار کو شہب ایشیلیہ بلالیا اور سلطنت کی فداست اسے سونپ دی۔

معتد کے دہار میں رسائی حاصل کرنے کے لیے شاعری پہلا اور آخری ذریعہ تھا۔ اس لیے سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر شاعروں کا قبضہ تھا۔ جب فتح قسطنطنیہ کے اسلحہ خانوں میں دشمنان اسلام اپنی گواہیں تیز کر رہے تھے، ایشیلیہ کا حکمران اور اس کے امراء کئی کئی گھنٹے ایک ایک شہر کی نوک ٹپک درست کرنے میں صرف کر دیا کرتے تھے جب بیون اور افواج کے گرجوں میں صلیب کی فتح کے لیے دعا میں کی جا رہی تھیں۔ ایشیلیہ کے ایوانوں میں

تھا معتد کی سند نشینی کے بعد سلطنت کے کاروبار میں رمیکہ کا اشارہ ایک حکم سمجھا جاتا تھا۔ اب معتد کی زندگی ہر لحاظ سے ایک شاعر کا خواب تھی شعر و غنہ کی مجلسوں اور ضیافتوں کا انتظام بن عمار کے سپرد تھا اور حرم کے عیش و نشاط کو رمیکہ نے اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ مگر سیاست دان اور علوم و فنون کے ماہرین، شاہی محل کے خاساموں، بادشاہوں اور مہمانوں کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔

معتد نے چند بار اپنے دل میں اعتماد اور رمیکہ کے الفاظ دہرانے کے بعد سوچا۔
”تمہاری شادی ہو چکی ہے؟“

”میں ایک لونڈی ہوں۔ عالی جاہ!“ اس نے قدسے مقوم لہجے میں جواب دیا۔
”نہیں نہیں۔ تم ایک ملکہ ہو۔ میرا مطلب ہے کہ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو
کاوی عہد تمہیں اپنے تاج کا ہیرا ماننے کے لیے تیار ہے۔“

”عالی جاہ! آپ مذاق کرتے ہیں۔“ رمیکہ نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

معتد نے کہا: ”میرے سوال کا جواب دو۔ رمیکہ کیا تمہیں میری رفیقہ حیات بننا منظور ہے؟“

رمیکہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا: ”میں آپ کی کینہ بننا بھی اپنے لیے باعث فخر سمجھتی لیکن رمیکہ کی لونڈی کے تخیل کی پرواز اس محل کی چار دیواری تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟“

”میں رمیکہ سے تمہاری آزادی خرید چکا ہوں۔ اب تمہاری پرواز پر کوئی پابندی نہیں۔ میرے سوال کا جواب دو!“

رمیکہ مشکلائی: ”شہزادے اگر آپ دل لگی نہیں کرتے تو میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے چکی ہوں۔“

رمیکہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد معتد کے لیے ہر صبح، صبح مسرت، ہر شب شرب نشاط تھی۔ رمیکہ بذلہ سنجی، شیریں گلای اور خوش ادائی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا معتد اپنی زندگی کا اولین فرض سمجھتا تھا۔ جو اس بات سے نالاں تھے کہ رمیکہ نے معتد کو عیش و نشاط اور لہو و لعب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ لیکن رمیکہ کے پاس ایسی شکایت کے جواب میں تھارت آمیز تبسمہ کے سوا کچھ نہ تھا۔

اور مجلس شوریٰ جی حضور یوں کی ایک ٹولی بن کر رہ گئی۔

اس عرصے میں مامون ذالنون، قسطلہ کے عیسائی حکمران الفانسو ششم کے ساتھ معاہدہ کر چکا تھا کہ اگر قرطبہ پر حملے کی صورت میں معتد کے ساتھ اس کی مکہ ہوگی تو وہ اس کی مدد کرے گا۔ ابن جہور کی حکومت کو کسی حد تک عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ اس لیے مامون نے الفانسو کی حمایت کے یقین کے باوجود بھی حکم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ حکومت کی گدی عبد الملک نے سنبھال لی ہے اور عوام اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو رہے ہیں تو اُس نے فوراً قرطبہ پر حملہ کر دیا۔ معتد کے لیے اس کی یہ حرکت ناقابل برداشت تھی لیکن وہ کسی جوابی کارروائی کے لیے آمادہ نہ ہوا۔

اہل قرطبہ اس گئی گزری حالت میں بھی طلیطلہ کے حکمران اور وہ بھی الفانسو کے ایک باجگزار کی غلامی کی لعنت قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ لوگ جو عبد الملک کی گزشتہ مدعوئیوں کے باعث قرطبہ کی سیاسیات سے کنارہ کشی کر چکے تھے، اپنے اپنے گوشوں تک آئے اور انھوں نے یہ نعرہ بلند کیا "قرطبہ ہمارا ہے"۔

عبد المنعم کو زندگی میں پہلی بار کسی بڑے مقصد کے لیے کام کرنے کا موقع ملا اور اُس نے قرطبہ کے عوام کو ایک راہنما کی حیثیت سے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا معتد بنالیا۔ اُس نے قرطبہ کے اکابر کے ایک وفد کے ساتھ عبد الملک سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے بعد اس نے شاہی ایوان کے دروازے پر جمع ہونے والے لوگوں کو یہ مشورہ سنایا کہ عبد الملک نے جنگ میں عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ہمارے یہ مطالبات مان لیے ہیں کہ وہ اختتام جنگ تک مجلس شوریٰ کے فیصلوں پر عمل کرے گا۔ فوج کی قیادت مجلس شوریٰ کی ہدایت کے مطابق تجربہ کار اور قابل اعتماد لوگوں کے ہاتھ میں دی جائے گی۔ غیر متددار و ملاقاتی عبد یاروں کو مغزوں لیا جائے گا۔ جنگ کے اختتام کے بعد قرطبہ کے علماء اور اکابر کا اجلاس طلب کیا جائے گا اور وہ عبد الملک کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔

قرطبہ، طلیطلہ اور اشبیلیہ

قرطبہ کی عظیم الشان سلطنت کسی زمانے میں بحیرہ روم کے ساحل سے لے کر پریمینز کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اب اس کی وسعت اندلس کے ایک چھوٹے سے ضلع سے زیادہ نہ تھی تاہم اس گئی گزری حالت میں بھی اموی خاندان کے دار الحکومت کو عروس البلاد کہا جاتا تھا اور طوک الطوائف میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لیے بے قرار نہ ہو۔ اشبیلیہ کا حکمران معتد اور طلیطلہ کا حکمران مامون ذالنون، دوسرے امراء کی نسبت زیادہ طاقتور تھے اور ان دونوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ اندلس کے شہنشاہ ہیں اس لیے قرطبہ پر پہلا تھی بھی انہی کا ہے۔ چنانچہ ایک طرف مامون اور دوسری طرف معتد قرطبہ کی سرحدوں پر اپنی افواج جمع کر رہے تھے۔ اب صرف یہ سوال تھا کہ پہل کون کرے؟ معتد کو یہ خطرہ تھا کہ اگر میں نے پہل کی تو مامون اہل قرطبہ کا طرف دار ہو کر میرے خلاف لڑے گا اور مامون کو یہ ڈر تھا کہ اگر میں نے قرطبہ پر حملہ کیا تو معتد صرف اہل قرطبہ کی اعانت کے لیے اپنی فوجیں بھیج دے گا بلکہ وہ براہ راست طلیطلہ پر حملہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

قرطبہ میں آئے دن مسند حکومت کے لیے نئے نئے دعویداروں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر اکثر علماء اور عوام نے ایک عمر رسیدہ سیاستدان ابن جہور کو حکومت کی مسند پر بٹھا دیا۔ کچھ عرصہ علماء کی مجلس شوریٰ کے صلاح و مشورے سے حکومت کا کاروبار چلتا رہا لیکن جب ابن جہور کے بیٹے عبد الملک نے اپنے باپ کو سلطنت کے معاملات سے بے دخل کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تو سلطنت کے جمہوری خصائص ختم ہو گئے۔

گئے۔ انہر میں اقتدار کی جو کرسیاں خالی ہوں گی وہ مامون اور اس کے خود غرض
اسراء کے نہیں بلکہ الفانسو اور اس کے سپاہیوں کے حصے میں آئیں گی جو گروہیں
مامون کے سامنے جھکیں گی ان پر کسی دن الفانسو کی تلوار نکل رہی ہوگی چاری
جو بستیوں اور شہر مامون کے قبضہ میں چلے جائیں گے، جو ہاتھ مامون کی غلامی کی
زنجیریں پہنیں گے وہ کسی دن الفانسو کے حکم سے کاٹ دیے جائیں گے جو لوگ
اس مسجد میں جمع ہو کر مامون کی بیعت کریں گے وہ کسی دن اس منبر سے الفانسو
کی بادشاہت کا اعلان سنیں گے!

مسلمانوں میں مامون کا راستہ رد کیا جاتا تھا۔ اس لیے نہیں کہ میں
جدا الملک کی حکومت سے مطمئن ہوں۔ اگر اس جنگ کے نتائج صرف فوکرانوں
تک محدود رہتے تو مجھے اس کی طاقت آزمائی سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ میں
قوم کو ان دونوں سے نجات دلانے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرتا۔
لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تباہی کے جس گڑھے کی طرف ہمیں مامون دھکیلا
چاہتا ہے، وہ اس قدر جو ناک ہے کہ ہم شاید دوبارہ کبھی نہ اٹھ سکیں، مجھے یہ
گوارا نہیں کہ یہ شہر جسے ہم اسلام کا آخری حصار بنانا چاہتے ہیں، عیسائی
حملہ آوروں کی بیرونی چوکی بن جائے۔ میں جی جوہر کے اقتدار کے لیے نہیں
بلکہ اپنی بقا کے لیے لڑنا چاہتا ہوں۔ مسلمانو! آج تک ملوک الطوائف کی خانہ
جنگی تماشاخیوں کی حیثیت میں دیکھتے رہے ہو لیکن آج تم مامون کے نیام
میں تو تلوار دیکھ رہے ہو اس کا قبضہ الفانسو کے ہاتھ میں ہے اور اس تلوار
کا ہر وار اُن لوگوں پر ہوگا جو مسلمانوں کی حیثیت میں زندہ رہنا چاہتے
ہیں مامون نے الفانسو کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی سلطنت کی
کئی بستیاں اس کے حوالے کر دی ہیں۔ ان بستیوں کے مسلمانوں کو بھیڑ

عبد المنعم کا یہ اعلان قرطبہ کے ہر کپچے، ہر ملسے، ہر درس گاہ اور مسجد میں دہرایا
جانے لگا اور عوام کا یہ نعرہ بلند ہوتا گیا کہ "قرطبہ ہمارا ہے!"

ایک دن جب قرطبہ کے ایک سرحدی قلعہ پر مامون کے حملے کی خبر مشہور ہو چکی
تھی۔ قرطبہ کے عوام جامعہ قرطبہ میں عبد المنعم کی دُعا پر تھریریں رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا:
"مسلمانو! یہ وہ مسجد ہے جہاں تمہارے اسلاف عبدالرحمان، المنعم اور المنصور
جیسے مجاہدوں کا اعلان جہاد سننے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کے فرش
پر خدا کے ان بندوں کے سجدوں کے نشان ہیں، جن کے پاؤں تلے مغرور نصرانی
بادشاہوں کے تاج روندے جاتے تھے۔ لیکن آج ہم اس لیے یہاں جمع ہوئے
ہیں کہ تباہی کا سیلاب جو ہمارے گھروں تک پہنچ چکا ہے اسے کس طرح روکا
جائے۔ آج ہمارے تیروں کی ہدف کھرنی پناہ گاہیں نہیں بلکہ ہمارے سامنے یہ
مسئلہ ہے کہ ہم اپنی آزادی اور بقا کے لیے دشمنوں کی یلغار کو کیونکر روک سکتے
ہیں۔ تم سب چکے ہو کہ طلیطلہ سے مامون ذائقہ قرطبہ کی طرف پیش قدمی کر رہا
ہے۔ تم میں سے بعض لوگ شاید یہ خیال کرتے ہوں گے کہ مامون اور دوسرے
ملوک الطوائف میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اگر آئے گا تو زیادہ سے زیادہ عبد الملک
کو قرطبہ کی مسجد حکومت سے اتار کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے گا اور عوام کے لیے
کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن میری بات کان کھول کر سن لو۔ عبد الملک کو
تمہاری بے حسی اور تمہارے اسراء کی خود غرضی نے جنم دیا ہے۔ لیکن مامون اسلام
کے بدترین دشمنوں کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ اس کی آمد کے بعد طلیطلہ اور قرطبہ
کے درمیان جو نیارا ستہ تیار ہوگا، وہ نصرانی حملہ آوروں کے لیے ایک شاہراہ
کا کام دے گا۔ مامون ہمارے لیے الفانسو کی غلامی کی زنجیریں لے کر آ رہا ہے۔
قرطبہ میں جو جھنڈ اس کے ہاتھوں نصب ہوگا، اس پر تم صلیب کا نشان دیکھو

(۲)

عوام کو تیار کر کے موقع دینے کے لیے عبدالملک کی فوج نے قرطبہ سے پیش قدمی کر کے امون ذالنون کے لشکر کو سرحد پر روکنے کی کوشش کی۔ کئی دن فریقین کے درمیان معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ مامون برسون کی تیاری کے بعد میدان میں آیا تھا، اس کی فوج اسلحہ کی برتری اور تعداد کے لحاظ سے قرطبہ کی فوج کے مقابلے میں کہیں زیادہ طاقتور تھی اس کے علاوہ افسانہ اور شمالی کے عیسائی امراء جو اس کے زیر اثر تھے۔ مامون کی پشت پر تھے۔

بالآخر ایک فیصلہ کن معرکہ میں قرطبہ کی افواج کو شکست ہوئی اور امون ان کا نائب کرنا ہوا قرطبہ کی چار دیواری تک پہنچ گیا۔ اس عرصے میں قرطبہ کے عوام کو تیار کر کے موقع مل چکا تھا۔ علماء کی کوششوں سے مختلف شہروں سے رضا کاروں کی ٹولیاں قرطبہ کی حفاظت کے لیے پہنچ رہی تھیں قرطبہ کا عقبہ دادمی الکبیر کے باعث محفوظ تھا اور الزہرہ کی عمارات دادمی الکبیر کے دوسرے کنارے پر تھیں، اس لیے وہ خطرے کی زد سے باہر تھیں۔ قرطبہ اور الزہرہ کے درمیان آمدورفت کے لیے دریا کے راستے محفوظ تھے۔

مامون کے لشکر نے تین اطراف سے شہر کا محاصرہ کر لیا کئی بار طلیطلہ کی افواج یلغار کرتی

ہوئی قرطبہ کے دروازوں تک پہنچ گئیں لیکن اہل قرطبہ کی شدید مزاحمت کے باعث انہیں جہاز پیچھے ہٹنا پڑا تاہم مامون نے شدید نقصانات اٹھانے کے باوجود قرطبہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ اسے یہ امید تھی کہ افسانہ اس کی مدد کے لیے پہنچ جائے گا لیکن اس کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی

افسانہ کو مامون کی فتح یا اہل قرطبہ کی شکست سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ صرف ان دو فریقوں میں جنگ کا خواہشمند تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آپس کی زور آزمائی سے طلیطلہ اور قرطبہ اس قدر

لے یہ وہ مشہور دریا ہے جس کے کنارے قرطبہ اور وبارہ سے کچھ فاصلے پر دینہ الزہرا ہے اور اندلس کا دوسرا عظیم الشان شہر اشبیلیہ بھی اسی دریا کے کنارے آباد ہے۔

بکریاں سمجھ کر عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تم اس سے یہ توقع نہ رکھو کہ وہ تمہیں عیسائیوں کے پاس فروخت کرنے سے دریغ کرے گا۔ اگر وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو تو یہ کامیابی درحقیقت افسانہ کی کامیابی ہوگی اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ تم میں سے کسی کو افسانہ کے عزائم کے متعلق غلط فہمی ہے۔ اگر تم اس خطرے کو قرطبہ کی چار دیواری سے باہر نہ روک سکتے تو اندلس کے مسلمان آہستہ آہستہ بحیرہ روم کی طرف دھکیل دیے جائیں گے۔

ہمارے پیچھے بیڑیوں کے لشکر ہوں گے اور سامنے سمندر کی لہریں لیکن اگر ہم خود کشتی کا روبرو نہیں کر چکے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس خطرہ عظیم کو روک سکتے ہیں۔ آج بھی مسلمان قرطبہ میں اتنی ہمت ہے کہ وہ بٹے سے بڑے طوفان کا رن بلل سکیں۔ مامون اور اس کے نصرانی حلیفوں کا رخ پھرنے کے لیے صرف پچاس ہزار رضا کاروں کو میدان میں لایا جاسکتا ہے اور جبکہ اہل قرطبہ میدان میں آئیں گے تو باقی اندلس کے مسلمان ان کی پشت پر ہوں گے اور ہم نہ صرف قرطبہ کو بچا سکیں گے بلکہ سارے اندلس کو ان لوگ اطوائف سے بچا سکیں گے جن کا وجود مسلمانان اندلس کے مستقبل کے لیے ایک دائمی خطرہ ہے۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی کو اسلام کا مستقبل عزیز ہوگا تو وہ ہمارا ساتھ دے گا، ورنہ ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو بخت کے غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مسلمانو! اب تقریروں کا وقت نہیں اب مورچے بنانے اور خندقیں کھودنے کا وقت ہے، تم سُن چکے ہو کہ دشمن قرطبہ سے دور نہیں وقت کا نقیب تم سے صرف ایک سوال پوچھتا ہے اور وہ یہ سوال ہے کہ کیا تم تیار ہو؟

سامعین جوش و خروش کے ساتھ یہ نعرہ بلند کر رہے تھے، تم تیار ہیں ہم سب تیار ہیں!!!

گمزد ہو جائیں کہ وہ کسی مزامت کا سامنا کیے بغیر دونوں کو مغلوب کر سکے۔ اس نے قرطبہ پر حملہ کرنے کے لیے مامون کی بیڑہ ٹھونکی تھی لیکن جب مامون قرطبہ کی چار دیواری تک پہنچ گیا تو اس نے اپنے وعدوں کے باوجود اس کی اعانت کے لیے فوج نہ بھیجی۔ وہ مامون کے ایک حلیف کی حیثیت سے میدان میں آنے کی بجائے ایک تماشائی کی حیثیت میں قرطبہ کی جنگ کے نتائج کا انتظار کر رہا تھا۔

اب انبیلیہ کے حکمران معتد کی باری تھی، وہ اپنی فراست سے یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ انفا مامون کا دوست نہیں بلکہ وہ جنوب کی طرف پاؤں پھیلانے سے طلیطلہ کو مرہط کرنا ضرور سمجھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے مامون کی فوجی قوت زائل کرنے کے لیے اُسے قرطبہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

(۳)

جب قرطبہ کے محاصرے نے طول کھینچا اور انفا سو کی طرف سے مامون کو کوئی کمک نہ پہنچی تو اس کا یہ یقین اور بھی پختہ ہو گیا کہ انفا سو کو اس کی فتح کی بجائے اس کی شکست کے ساتھ زیادہ دلچسپی ہے۔ معتد ہر میدان میں مامون کی شکست کو اپنی فتح سمجھتا تھا۔ اس کے جاسوس اسے قرطبہ کے حالات سے ہر وقت باخبر رکھتے تھے اور اُسے یہ اطلاع مان ہو چکا تھا، کہ مامون دیر تک محاصرہ جاری نہیں رکھ سکتا۔

لیکن قرطبہ میں جو حالات پیدا ہوئے تھے وہ اس کے لیے پریشان کن تھے۔ اس کے جاسوس اسے بتا چکے تھے کہ قرطبہ آہستہ آہستہ اندلس کے تمام علماء کی توجہ کا مرکز بن رہا ہے۔ ان کی تبلیغ سے مختلف شہروں سے رضا کاروں کی جماعتیں قرطبہ میں جمع ہو رہی ہیں، اور اندلس کے بعض علماء کی یہ تحریک زور پکڑ رہی ہے کہ قرطبہ کو مرکز بنا کر سائے اندلس پر اسلامی حکومت نافذ کی جائے اور عامۃ المسلمین کو ان ملوک الطوائف کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے جو مسلمانوں کی عزت اور آزادی کو اپنے ذاتی اقتدار کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں

معتد کے جاسوس اُسے یہ اطلاع بھی دے چکے تھے کہ طلیطلہ کو اس حکمران عمر المتوکل کے

ابو یوسف کی مدد کے لیے پہنچ چکا ہے اور وہ بھی علماء کی اس تحریک کا حامی بن چکا ہے۔ مامون کو یقیناً شکست ہوگی لیکن اس کی شکست کے بعد قرطبہ میں علمائے دین کا اقتدار اس قدر بڑھ جائے گا کہ وہ بڑی سے بڑی طاقت کے ساتھ نگرینے سے دریغ نہیں کریں گے جو اب ان کے اشاروں پر چلے گا، ورنہ علماء کی مجلس شورٰی اسے کان سے پکڑ کر مسند حکومت سے اتار دے گی۔ ان حالات میں قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لیے معتد جس موقع کا منتظر ہے وہ کبھی نہیں آئے گا۔ بلکہ اندلس میں اسلام کے احیاء کی یہ تحریک انبیلیہ میں اس کے اقتدار کے لیے خطرے کا باعث ہوگی۔ اس کے شاعروں و فزیروں امیروں اور اس کی ملکہ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ اسلام کے نام لیا کسی دن ان کے عشرت کدوں میں گھس آئیں اور ان کی عیش و نشاط کی محفلیں درہم برہم کر ڈالیں بلکہ وہ قرطبہ اور الزہرہ کے ایوانوں کو بھی اپنی تیاشی کے اڈے بنانا چاہتے تھے۔

عبد المنعم کی بیوی صبح کی نماز کے بعد ماٹھا اٹھا کر دعا کر رہی تھی کہ معین میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سن کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ "اللہ تیرا شکر ہے!" اس نے تشکر کے آئینوں کے ساتھ دعا ختم کی اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس کا شوہر زہرہ میں ملبوس تھا۔ برآمدے کے قریب پہنچ کر اس نے اپنا گلہا ہوا خود سے اتارا۔ اس کے گلے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر بیوی تمام گفتیں بھول گئی۔

عبد المنعم برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیوی نے جھک کر اس کا موزہ اتارنا چاہا لیکن عبد المنعم نے اُسے منع کرتے ہوئے کہا: "نہیں بیگم میں صرف ایک ساعت کے لیے آیا ہوں بیٹھ جاؤ!"

بیوی نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا: "جنگ کی حالت ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ رات کو دشمن کا حملہ بہت شدید تھا لیکن ہم نے انہیں بہت بڑی شکست دی ہے۔ اب ہم فیصلہ کن حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ بیکے کہاں ہیں؟"

”سعد نماز پڑھتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر الزہرا چلا گیا تھا اور احمد اور حسن باہر صحن میں
ہیں۔ کل شام آپ نے سعد کو کچھ اجازت دے دی تھی۔ درجن میں نے اُسے منع کر دیا تھا۔
عبد المنعم نے کہا: ”آج رات لڑائی میں عبد الجبار میرے ساتھ تھا۔ وہ سعد سے بہت
خوش معلوم ہوتا تھا۔“

”عبد الجبار کون! اور یس کا باپ؟“

”ہاں! وہ کہتا تھا کہ سعد نے اور یس اور اس کے تمام دوستوں کو اچھے خاصے تیر انداز بنایا
عبد المنعم کی بیوی نے کہا: ”سعد کہتا ہے کہ مامون کی فوجوں نے قرطبہ کی کئی بستیاں
جلا دی ہیں۔ میں بچوں کی ایک فوج تیار کر رہا ہوں۔ بڑے ہو کر ہم طلیطلہ پر حملہ کریں گے
اور مامون سے انتقام لیں گے۔“

احمد اور حسن صحن میں داخل ہوئے اور بھاگتے ہوئے اپنے باپ کے ساتھ لپٹ گئے۔
احمد نے سوال کیا: ”ابا جان! اشبیلیہ کی فوج کب آئے گی؟“
”یہاں اشبیلیہ کی فوج شاید آج پہنچ جائے گی۔“

عبد المنعم کی بیوی نے کہا: ”شہر کے لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔“

عبد المنعم نے سنجیدہ ہو کر کہا: ”اب مامون کو شکست دینے کے لیے ہمیں معتد کی
کی ضرورت نہ تھی۔“

اس کی بیوی نے کہا: ”واقعی اشبیلیہ کا لشکر بہت دیر سے آیا ہے۔ پھر بھی یہ اچھا لوگوں
ہے۔ میرے خیال میں اشبیلیہ کی فوج دیکھتے ہی مامون کا رہاسا حوصلہ ٹوٹ جائے گا۔“

عبد المنعم لولاہ مامون کا حوصلہ پیلے ہی ٹوٹ چکا ہے۔ اب خدا کرے، معتد کی فوج
کی آمد ہمارے لیے کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو۔ اگر وہ غلوص دل سے قرطبہ کی
مدد کرنا چاہتے تھے، تو انہیں کئی دن پہلے یہاں پہنچنا چاہیے تھا۔ اب بھی وہ ایک ہفتہ سے
قرطبہ سے بیس میل دور براؤڈال کر مشاعرے کر رہے ہیں۔ کل ہمیں اطلاع ملی تھی کہ وہاں

سے کوچ کر چکے ہیں اور شام تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ شام کے وقت فوج ان کے استقبال
کے لیے الزہرا میں جمع ہو گئی تھی اور کئی رضا کار بھی بزدلوں کو سجانے میں مصروف ہو گئے
تھے۔ غشا کی نماز کے بعد ہمیں اطلاع ملی کہ اشبیلیہ کی فوج یہاں سے آٹھ میل کے فاصلے پر رک
گئی ہے اور وہ صبح تشریف لائیں گے۔ دشمن کو شاید ان واقعات کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے
رات کے وقت پوری قوت کے ساتھ تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ اگر بطلیس کے سپاہی ڈٹ
کر مقابلہ نہ کرتے تو اس وقت شہر پر مامون کا قبضہ ہو چکا ہوتا۔ دشمن کو رات کے تیسرے پہر
شہر برباد سے پہچھے بٹانے کے بعد میری یہ کہش تھی کہ ہم فیصلہ کن حملہ کریں لیکن بد قسمتی
سے لوگوں میں وہ پھلاسا جوش و خروش باقی نہیں رہا، قرطبہ کی فوج کے اکثر رضا کار بھی یہ
مُٹوس کر رہے ہیں کہ دشمن پر آخری ضرب لگانے کے لیے صرف اشبیلیہ کی فوج کافی ہوگی
اگر ان کے سر پر علماء کا پیرانہ ہو تو وہ اپنے اپنے مورچے چھوڑ کر گھروں کی طرف بھاگ آئیں۔
خادم نے اگر بتایا کہ کھانا تیار ہے اور عبد المنعم آٹھ کر اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ
کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔

(۴)

اور یس تیرکان ہاتھ میں لیے اپنے مکان کے سامنے وسیع باغ میں کھڑا دھڑا دھڑ
دیکھ رہا تھا۔ ایک کبوتر فضا میں اڑتا ہوا آیا۔ اس نے جلدی سے نشانہ باندھ کر تیر چلا دیا۔

لیکن کبوتر بچ کر نکل گیا۔ پیچھے سے اسے ایک تھقہ سنائی دیا۔ اور یس نے غصے کی حالت
میں سر کو دیکھا تو اس کی چھوٹی ہنر میمونہ ہاتھ میں ایک گڑیلے کھڑی تھی۔

”تم کس بات پر ہنسی ہو؟“ اور یس نے برہم ہو کر کہا۔

میمونہ اُسے جواب دیے بغیر بھاگی اور زمین پر گر گئی تو تیر اٹھالائی یہ لہو اُس نے
شرارت آمیز ہنسنے سے اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور یس نے تیر پکڑنے کی بجائے
میمونہ کے دوسرے ہاتھ سے گڑیا چھین لی اور اسے پاس ہی ایک درخت پر پھینک دیا۔

”کیا ہے میمونہ؟“ سعد نے اس کے قریب جا کر سوال کیا۔
 ”ادریس نے درخت پر میری گڑیا درخت پر پھینک دی ہے۔“ میمونہ نے شکایت کے
 لہجے میں جواب دیا۔

”ٹھہر میں اتار دیتا ہوں۔“ سعد نے کان میں تیر چڑھاتے ہوئے کہا۔
 ”میمونہ نے احتجاج کیا۔“ نہیں نہیں۔ دیکھو میری گڑیا!“
 ”تم فکر نہ کرو۔ میرا تیر تمہاری گڑیا کو نہیں لگے گا۔“ سعد نے یہ کہہ کر تیر چھوڑ دیا۔
 ”تیر لگنے سے گڑیا بچے گر پڑی اور میمونہ نے اٹھا کر اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔
 ”اگر بھائی ادریس نشانہ کرتا تو اس کا تیر ضرور اس کی ہانک میں لگتا۔“
 ”ادریس کا نشانہ ایسا بُرا تو نہیں۔“

”یونہی برا نہیں۔ اس نے ابھی اڑتے ہوئے کو تو پر نشانہ کیا تھا تو تیر زمین پر آگرا تھا۔“
 سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”تیر تو میرا بھی زمین پر آگرا ہے۔“
 ”کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ اچانک میمونہ نے سوال کیا۔“ تم میری گڑیا کا نام
 کیا کہتے ہو؟“

”نہیں۔ گڑیوں کے نام بھی ہوتے ہیں؟“
 ”کیوں نہیں ہوتے؟“

”اچھا بتاؤ کیا نام ہے تمہاری گڑیا کا؟“

”اس کا نام ہے سلطانہ رمیکہ۔ جانتے ہو سلطانہ رمیکہ کون ہے؟“

”تم نے ابھی تو کہا ہے کہ یہ تمہاری گڑیا کا نام ہے۔“

”نہیں امی جان کتنی تھیں کہ سلطانہ رمیکہ رمیکہ کی ملک ہے۔“

”سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔“ تو تمہاری گڑیا اشبیلیہ کی ملک ہے۔“

میمونہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

گڑیا درخت کی ایک شاخ پر اٹک کر رہ گئی۔ میمونہ نے تیر پھینک دیا اور کچھ دیر منہ زور سے
 کے بعد درخت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں اتار لوں گی!“
 ”کیسے اتار دوں گی؟“

”میمونہ پاس ہی ایک کیاراں سے مٹی کے ڈھیلا اٹھا کر درخت پر پھینکنے لگی!“
 ”تم سے نہیں اترے گی۔ دیکھو میں تیر کے ساتھ نشانہ کرتا ہوں۔ ابھی نیچے آجائے گی
 یہ کہتے ہوئے ادریس نے گڑیا کا نشانہ کرنے کی کوشش کی لیکن میمونہ بھاگ کر اس کے
 اڑکے ساتھ لپٹ گئی۔“ نہیں نہیں میری گڑیا پر تیر مت چلاؤ۔“

ادریس نے کہا۔ ”اچھا، چھوڑ دو۔ میں ڈھیلا مار کر اتار دیتا ہوں۔“
 میمونہ نے ادریس کا ہاتھ پھینک دیا۔ ادریس ڈھیلا اٹھانے کے لیے بڑھا لیکن اتنی دیر
 میں باہر چانک پر سعد خود اتر چلا اور ادریس گڑیا کا خیال چھوڑ کر اس کی طرف بڑھا۔
 ”آج باقی لڑکے نہیں آئے؟“ سعد نے گھوڑے سے اترتے ہوئے سوال کیا۔
 ”نہیں وہ آج نہیں آئے، وہ سب اشبیلیہ کے لشکر کا جلوس دیکھنے چلے گئے ہیں۔“
 لیکن ابھی تو اشبیلیہ کا لشکر نہیں آیا۔“

”وہ کہتے تھے کہ وہ یہاں سے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں۔ آج الزہرا کو بہت سجاایا گیا
 ہے کہتے ہیں محمد کا وزیر ابن عمار بھی فوج کے ساتھ ہے۔“

سعد نے کہا۔ ”اچھا، الماس کتنا تھا کہ وہ صرف شعر کہتا اور شطرنج کھیلتا جانتا ہے۔“
 ”میرے ابا جان بھی کہتے تھے کہ وہ آٹھ دن سے بیس میل کے فاصلے پر پرواڈا لے
 ہوئے ہیں۔ شاید راستے میں شطرنج کھیلتے ہوں گے!“

ادریس سعد کا گھوڑا لے کر اصطبل کی طرف چلا گیا۔

میمونہ کچھ دیر چند قدم دوڑ کھڑی رہی اور پھر درخت کے قریب پہنچ کر اوپر ڈھیلا

پھینکنے لگی۔

دقت مامون کی فوج شکست کھا کر بھاگ گئی تھی۔ شام کے وقت جب عبدالملک اور اس کے ساتھی دشمن کے تعاقب میں قرطبہ سے چند کوس دور جا چکے تھے تو انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ ایشیلیہ کے بیشتر سپاہیوں نے یا تو تعاقب میں حصہ ہی نہیں لیا اور اگر حصہ لیا ہے تو وہ واپس لوٹ گئے ہیں۔ ابن عمار اور عباد بھی پیچھے رہ گئے تھے۔ ایشیلیہ کے سات ہزار سپاہیوں میں سے صرف دو ہزار ان کے ساتھ تھے۔

رات کے وقت جب تھکے ہوئے سپاہیوں نے ایک چھوٹے سے شہر میں قیام کیا، تو عبدالملک نے قرطبہ کے لیڈروں کی ایک خفیہ مجلس بلائی۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ایشیلیہ کی فوج اپنی بزدلی اور تساہل کے باعث پیچھے رہ گئی ہے۔ عبدالمنعم بھی اس مجلس میں شریک تھا اور وہ ان لوگوں کا ہم خیال تھا جو ابن عمار کا پیچھے رہنا خطرناک سمجھتے تھے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ عبدالملک پانچ سو سواروں کے ساتھ فوراً واپس چلا جائے اور باقی فوج یہیں ٹھہر کر قرطبہ کی اطلاعات کا انتظار کرے۔

جب یہ لوگ اس قسم کی باتیں کر رہے تھے قرطبہ کی اسٹیج پر نیا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ ابن عمار بظاہر تین ہفتوں سے مامون پر فیصلہ کن حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھا لیکن دراصل اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ ایشیلیہ سے اپنے ساتھ سونے اور چاندی کے انبار لے کر آیا تھا اور تحائف اور انعامات کے عوض ان خود غرض لوگوں کے فحیم خرید چکا تھا جنہیں عبدالملک نے مجلس شوریٰ کے مطالبے پر ملازمتوں سے برطرف کر دیا تھا۔ عیش پسند لوگ ایک گروہ اس جنگ کے باعث علمائے دین کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ یہ لوگ پہلے ہی معتمد کے ساتھ ساز باز کر چکے تھے۔ خوشامی شاہی سحر جو یہ سمجھتے تھے کہ قرطبہ میں اسلامی نظام حکومت کے بعد ان کے فضاہی سن کر انعام دینے والے مرتبہ ختم ہو جائیں گے۔ سب سے زیادہ پریشان تھے۔

ابن عمار ان سب کو یقین دلایا کہ تھاکر معتمد تمہارا نجات دہندہ ہے۔ یہ لوگ قرطبہ کے

سعد نے کہا: تمہاری گریا کے لیے دیکھو کچھ اچھا نام نہیں۔ اس لیے تم اسکا کوئی اور نام رکھو۔
میمون نے پریشان ہو کر سوال کیا: اچھا تم بتاؤ کیا نام رکھوں اس کا؟
”تم اسے میمونہ کہا کرو۔ یہ نام بہت اچھا ہے۔“

میمونہ نے پھر ہنستے ہوئے کہا: میمونہ تو میرا اپنا نام ہے۔
اتنی دیر میں اور ایسے گھوڑا باندھ کر واپس آگیا اور دونوں تیر اندازی کی مشق کے لیے باغ کی طرف چل دیے۔ میمونہ ان کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔

ایشیلیہ کی فوج نے قرطبہ اور الزہرہ کے درمیان وادی الکیر کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ معتمد کا بیٹا عباد اور اس کا بھائی ابن عمار اس فوج کے ساتھ آئے تھے۔ اہل قرطبہ نے ان کے استقبال میں بے پناہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ اب عوام نہ صرف اپنی فوج کے متعلق پراسید تھے بلکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ دشمن کو شکست دینے کے بعد وہ طیلطہ تک اس کا تعاقب جاری رکھ سکیں گے۔ تاہم بطلوس کا حکمران عمر المتوکل جو ایک ہزار سواروں کے ساتھ اہل قرطبہ کی مدد کے لیے آیا تھا۔ اس صورت حال سے خوش نہ تھا۔ اس نے عبدالملک کو سمجھایا کہ تم ایشیلیہ والوں کے غلوں پر بھروسہ کر کے غلطی کر رہے ہو لیکن عبدالملک کے صلہ کاروں کے سامنے اس کی پیش نہ گئی۔ عبدالمنعم اور اس کے چند ہم خیال ہتھیار کے سوا کوئی ایشیلیہ والوں کی نیت پر شبہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ عمر المتوکل نے آرزو ظاہر ہو کر اپنے سپاہیوں کو ایسی کا حکم دیا۔ عوام نے ان کی آمد پر خوشی کے نعرے لگاتے تھے لیکن اپنے نئے مددگاروں کی تعداد دیکھ کر انہوں نے ایک ہزار سواروں کے بڑا کر واپس چلے جانے کو کوئی اہمیت نہ دی۔

عبدالملک، ابن عمار اور قرطبہ کے رہنماؤں کے درمیان یہ فیصلہ ہوا کہ مامون کو شکست دینے کے بعد پوری قوت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا جائے۔ چنانچہ تین ہفتوں کی تیاری کے بعد ایک دن علی الصباح اچانک شہر کے دروازے کھول دیے گئے، اور قرطبہ اور ایشیلیہ افواج اور رضا کاروں کی جماعتوں نے شہر سے باہر نکل کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ دونوں کے

میں داخل ہوا تو اس وقت بھی بعض بازاروں اور کوچوں میں لوگوں کی چہل پھل تھی عبدالملک اور اس کے ساتھیوں کو اطمینان ہوا کہ ان کے خدشات بے بنیاد تھے۔ اس نے قصر زہرا کا رخ کر لیا لیکن وہاں سے تھوڑی دور ایشیلیہ کی فوج کے ایک دستے نے اس کا راستہ روک لیا اور اس دستے کے سالار نے آگے بڑھ کر کہا ”مٹھریے! آپ آگے نہیں جا سکتے!“

عبدالملک کے ایک ساتھی نے کہا ”تم ہمارا راستہ روکنے والے کون ہو؟“

”ہمیں حکم ہے کہ شہر کے کسی آدمی کو مدینہ الزہرا کی طرف نہ جانے دیا جائے۔“

”یہ سلطان عبدالملک ہیں اور تم ان کا راستہ نہیں روک سکتے!“

”آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ سلطان عبدالملک ہیں؟ نہ تو دشمن کے تعاقب میں گئے ہوئے ہیں؟“

عبدالملک کی فوج کے ایک اور افسر نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر دینی زبان میں اس سے کہا ”یہ کوئی سازش ہے۔ ہمارے لیے شہر جانا بہتر ہوگا۔“

عبدالملک نے بلند آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا ”ہم واپس جا کر شہر میں قیام کریں گے لیکن جب وہ واپس مڑ کر شہر کا رخ کر رہے تھے تو اچانک رات کی تاریکی میں انھیں گھوڑوں کی ٹاپ مٹائی دی اور ایشیلیہ کے سواروں نے جو سڑک کے آس پاس موقع کے منتظر تھے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ عبدالملک کے بعض ساتھی حملہ آوروں کا گھیرا توڑ کر ادھر ادھر نکل گئے اور دوسروں نے معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔

صبح کے وقت عبدالملک اپنے محل کے قریب ایک قید خانے میں پڑا ہوا تھا اس کا باپ ابن ہور اور اس کے خاندان کے باقی افراد اور الزہرا کے بااثر امراء پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے عبدالملک کو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ابن عمار نے قرطبہ کے بعض غداروں اور الزہرا کے پیروکاروں کے ساتھ ساز باز کے عشا کی نماز سے تھوڑی دیر بعد ہی الزہرا پر قبضہ کر لیا تھا۔

بازاروں میں معتاد ابن عمار کا کلام پڑھ کر لوگوں کو سنا تے تھے اور ان کی سخاوت اور ذریا دلی کی داستانیں سنا کر لوگوں پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کرتے تھے کہ عبدالرحمن اعظم (ثالث) کے بعد اندلس کے مسلمان اگر کسی کی ذات پر فخر کر سکتے ہیں تو وہ معتد بہ حربیں لوگوں کی نگاہ میں ابن عمار کے سونے اور چاندی سے خیرہ ہو رہی تھیں جاد پسندوں کو خوش کن وعدوں کے ساتھ خریداجا چکا تھا۔ الزہرا کے محافظ اور خواجہ سراؤں کو تحائف اور انعامات دیے جا چکے تھے۔

اہل قرطبہ صرف معتد کے وزیر کے فیاض ہاتھوں کو دیکھ کر متاثر ہو رہے تھے کسی کو یہ خیال تک نہ تھا کہ ان ہاتھوں میں ایک زہر آلود نشتر بھی چھپا ہوا ہے۔ ابن عمار نے اپنی سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کمال رزق داری سے کام لیا تھا۔

قرطبہ کے عمار اپنے اپنے مورچوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ابن عمار بار بار یہ اعلان کر چکا تھا کہ اس کا منزل طلیطلہ ہے اور قرطبہ کے بے حد محتاد لوگ بھی اس کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے جب فیصلہ کن حکم کیا گیا تو ابن عمار نے اپنے دو ہزار سپاہی الزہرا اور قرطبہ کے دریاں اپنے پڑاؤ ہی میں روک لیے۔ پانچ ہزار سپاہیوں نے اہل قرطبہ کا ساتھ دیا لیکن مامون کو شکست دے کر چند میل ان کا تعاقب کرنے کے بعد ان میں سے تین ہزار ایک طرف سے پھر کاٹ کر واپس آگئے۔ عوام فتح کی خوشی میں مست تھے۔ اس لیے کسی ذی شعور لیڈر نے ان کے واپس آنے پر اعتراض بھی کیا تو انھوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی معتد کا بیٹا حماد مسجد قرطبہ کے دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا فتح کی خوشی میں لوگوں پر سونے اور چاندی کے بٹکے پھینک رہا تھا اور لوگ اس پر بھول نچھاور کر رہے تھے شہر کے ہر چوک میں قرطبہ اور ایشیلیہ کے مشور شاہ اپنے سپاہیوں کے ہمارا نہ کارنامے بیان کر رہے تھے۔ رات کو شہر میں چرلے گاں کیا گیا۔

عبدالملک اپنی فوج کے پانچ سو سواروں کے ساتھ رات کے تیرے سے یہ شہر

قرطبہ کی جو فوج مامون کے تعاقب میں گئی تھی اُسے بھی ایک غیر متوقع صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ عبدالملک کی روانگی سے تھوڑی دیر بعد اشبیلیہ کی فوج کے سالار نے بھی اپنے دو ہزار سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا۔

عبدالمنعم نے اشبیلیہ کے سالار کو رد کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب دیا ہم قرطبہ جا کر اپنی باقی فوج کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالمنعم نے اسے سمجھایا کہ اس مقصد کے لیے چند سواروں کو بھیج دیں۔ وہ کل تک تمام حالات معلوم کر کے واپس آجائیں گے لیکن اشبیلیہ کے سپہ سالار نے یہ کہہ کر بحث ختم کر دی کہ ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے! اشبیلیہ کے سالار کے اس طرز عمل کے بعد قرطبہ کے سپاہیوں کے یہ شکوک اور بھی بڑھتے ہو گئے کہ قرطبہ میں کوئی خطرناک سازش ہو رہی ہے۔

قرطبہ کے سالار نے رضا کاروں کے قائد عبدالمنعم سے مشورہ کرنے کے بعد اسی رات کو یہ فیصلہ کیا کہ ان حالات میں ہمیں یہاں ٹھہرنے کی بجائے قرطبہ کا رخ کرنا چاہیے۔ یہ فوج اگلے دن قرطبہ میں داخل ہوئی تو قرطبہ کی عمارات پر متحدہ کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔

(۴)

عبدالمنعم نے شہر میں داخل ہوتے ہی سیدھا اپنے مکان کا رخ کیا۔ دروازے پر شہر کا نیا کو تو ال، اشبیلیہ کی فوج کے دو افسر اور چند سپاہی اس کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ نیا کو تو ال قرطبہ کے ان فوجی افسروں میں سے تھا جو کچھ عرصہ قبل علمائے قرطبہ کے مٹوے سے معزول کیے جا چکے تھے۔ عبدالمنعم نے اپنا گھوڑا روکا تو کو تو ال نے کسی تنہید کے بغیر کہا: "آپ فوراً ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ تھریزہ! میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے!"

"کیا یہ حکم ہے؟" عبدالمنعم نے اطمینان سے سوال کیا۔ کو تو ال کے بجائے اشبیلیہ کے افسر نے جواب دیا: "اگر آپ حکم کے بغیر بٹنے کے عادی نہیں تو یہی سمجھ لیجیے!"

"کس کا حکم ہے؟"

"یہ قرطبہ کے گورنر عبدالابن مسعد کا حکم ہے۔"

عبدالمنعم نے کہا: "تو توڑی اپنا حال کچھا چکی ہے؟"

اشبیلیہ کے فوجی گورنر کا چہرہ غصے سے تپتا اٹھا لیکن کو تو ال نے اسے بولنے کا موقع

نہ دینا مناسب سمجھتے ہوئے کہا: "ہم آپ کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں حکم ہے کہ اگر

آپ مزاحمت نہ کریں تو آپ کو عزت کے ساتھ لایا جائے ورنہ گرفتار کر کے وہاں پہنچایا جائے۔"

اگر آپ وعدہ کریں کہ بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گے تو ہم آپ کو تھوڑی دیر کے لیے گھر

بجائے کا موقع دینے کے لیے تیار ہیں۔"

عبدالمنعم نے اپنے ایک نوکر کو اشارہ کیا اور نیچے اتر کر گھوڑا اس کے حوالے کرتے ہوئے

کو تو ال سے کہا: "اگر کسی کے گھر میں چو گھس آئیں تو وہ گھر چھوڑ کر بھاگ نہیں جاتا میں ابھی

آتا ہوں۔" یہ کہہ کر عبدالمنعم گھر میں داخل ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے مکان کے صحن میں اپنے بیوی اور بچوں کے ساتھ کھڑا تھا

بیوی نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا: "آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ قرطبہ میں معتد کی

بادشاہت کا اعلان ہو چکا ہے۔"

"ہاں! عبدالمنعم نے اپنے چہرے پر غم و مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

بیوی نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا: "آپ کے بہت سے دوست جنہوں

نے معتد کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا گرفتار کر لیے گئے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

عبدالمنعم یہ کہہ کر سعد کی طرف متوجہ ہوا: "سعد بیٹا! تم باہر جاؤ، اپنے بھائیوں کو بھی

لے جاؤ۔ میں تمہیں ابھی بلاتا ہوں۔"

سعد احمد اور حسن ڈیوڑھی میں چلے گئے۔ تو عبدالمنعم نے اپنی بیوی سے کہا: "انھوں نے

اگر ضرورت پڑے، تو کواٹھوٹے فروخت کروادیں۔“

بیوی نے کہا: ”کل جب آپ دشمن کے تعاقب میں جا چکے تھے، عبدالجبار کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ مجھے فتح کی مبارکباد دینے آئی تھی، وہ کہتی تھی اس کے خاوند نے فتح کے بعد اُسے حج پر لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ عبدالجبار کے زخم زیادہ تشویشناک تو نہیں؟“

”طیب اس کے متعلق بہت پریشان تھے۔ وہ قرطبہ سے تھوڑی دُور زحی ہو گیا تھا لیکن ہمیں اس کے زخمی ہونے کا اس وقت علم ہوا۔ جب وہ بیہوش ہو کر گھوٹے سے گر پڑا تھا۔“

عبدالنعم نے بچوں کو آواز دی اور وہ بھاگتے ہوئے اس کے پاس آگئے۔ عبدالنعم نے ان کے بعد دیگرے اٹھا کر گلے لگایا اور پھر سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ”سعد بیٹا! میں ایک سواری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں اپنے بھائیوں کا خیال رکھنا اور اپنی جائیداد کو تنگ نہ کرنا۔“

حسن نے اپنے باپ کی ٹانگوں سے پلٹتے ہوئے کہا: ”ابا جان مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ، آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب لڑائی ختم ہوگی آپ مجھے ساتھ لے جایا کریں گے۔“

”ابھی لڑائی ختم نہیں ہوئی بیٹا!“ عبدالنعم نے حسن کو دوبارہ گلے لگاتے ہوئے کہا۔ پھر ایک لمحے کے لیے سعد احمد اور اپنی بیوی کی طرف دیکھنے کے بعد اس نے حسن کو اپنے

آگے لے کر دیا اور خدا حافظ کہہ کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ بچے اپنی ماں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سعد کی پریم آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ

دوسروں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔

(۷۸)

عبدالنعم کو قصر زہر کے دارالامراء میں عباد اور ابن عمار کے سامنے پیش کیا گیا۔ عبدالنعم نے گورنر کی حیثیت سے مسند حکومت پر رونق افروز تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ ابن عمار اور بائیں طرف اشبیلہ کا قاضی بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے اشبیلہ کے فوجی افسروں کی

مجھے بلانے کے لیے سپاہی بھیجے ہیں۔“

بیوی نے جواب دیا: ”مجھے معلوم ہے۔ وہ دیر سے ہمارے مکان پر پہنچے رہے ہیں۔“

عبدالنعم نے کہا: ”دیکھو اگر مجھے واپس آنے میں دیر لگے تو بہتر ہوگا کہ تم بچوں کو غرناطہ سے لے کر نہیں۔ نہیں۔“ بیوی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا:

”اس وقت تم شاید نہ سمجھ سکتی ہو۔ کچھ عرصے کے بعد تم یہ محسوس کرو گی کہ قرطبہ کا ماحول ان بچوں کی تربیت کے لیے سازگار نہیں۔ یہاں ان کے سینوں سے غیرت کی چنگاریاں بجھ جائیں گی۔“

معتد کی بادشاہت میں اپنے ساتھ قیاری، مکاری اور فحاشی کا سیلاب لے کر آئے گی۔ یہاں زندگی کی قدیں یکسر بدل دی جائیں گی۔ ان بچوں کو میرا دھوا کام پورا کرنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ

غرناطہ قرطبہ سے بہت بہتر ہے۔ لیکن وہاں ان کی نگرانی اور تربیت کے لیے ان کے خالو موجود ہیں۔ بیوی نے کہا: ”اگر یہ آپ کا حکم ہے تو مجھے انکار کی مجال نہیں لیکن کیا آپ ہمارے

ساتھ نہیں جاسکتے؟“

”نہیں ابھی نہیں۔ میں ڈوبتی ہوئی کشتی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ طوفان عاری ہے۔ ہم ایک چھوٹے سے مقصد کے لیے لڑ رہے تھے۔ خدا ہمیں ایک بڑے

مقصد کی طرف بلا رہا ہے۔ اگر میں یہ سمجھتا کہ اس مقصد کے لیے تمہارا بھی یہاں رہنا ضروری ہے تو میں تمہیں غرناطہ جانے کا مشورہ نہ دیتا۔ ممکن ہے کہ میں آج واپس لوٹ آؤں۔ ممکن

ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو لیکن میں تم سے توقع رکھتا ہوں کہ ان بچوں کو تمہارا چھوٹا اور آخری سبق یہ ہوگا کہ ایک مسلمان کا مقصد اس کی زندگی سے بڑا ہے۔“

بیوی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: ”میرے آٹا! اس سبق کی مجھے بھی ضرورت تھی۔“ عبدالنعم نے کہا: ”عبدالجبار رات کے وقت دشمن کے تعاقب میں زخمی ہو گیا تھا۔

اس کی حالت بہت خراب تھی۔ میں الماس کو اس کی حفاظت کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ اگر اسے گھر پہنچا کر شام تک یہاں آجائے گا۔ آپ گھر کا سارا احترام اس کے سپرد کردیں۔“

تھے کہ اشبیلیہ سے چوروں کا ایک گروہ ان کی دوستی کا لہادہ اڑھ کر آیا۔ انھوں نے ان چوروں کو اپنی عزت اور آزادی کا محافظ سمجھ کر اپنے گھروں میں جگہ دی اور خود ڈاکوؤں کے ساتھ فیصلہ جنگ لانے کے لیے گھروں سے نکل گئے۔ انھوں نے ڈاکوؤں کو بھگادیا لیکن جب وہ واپس آئے تو چوروں کا گروہ ان کے گھروں پر قابض ہو چکا تھا۔ تم لوگوں نے دوستی کا نقاب اڑھ کر چھادی بیٹھ میں ایک زہر آلود خنجر گھونپا ہے اور میں یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں کہ قرطبہ میں ایسے لوگ ہیں جن پر اس زہر کا اثر ہو چکا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اپنی مرضی سے تمہاری غلامی کی ذلت قبول کر لی ہے۔ انھوں نے اپنی گردنوں پر تمہاری تلواریں دیکھ کر اپنی کمزوری اور بے بسی کا اعتراف کیا ہے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اہل قرطبہ تمہاری غلامی پر قانع ہیں تو ایک بار اپنی فوجوں کو قرطبہ کی چار دیواری سے باہر لے جاؤ، پھر دیکھو کہ اہل قرطبہ تمہارے لیے الزہرہ کے دروازے کھولتے ہیں یا اشبیلیہ کی دیواروں تک تمہارا نقاب کرتے ہیں۔ تم نے اشبیلیہ سے یہاں تک پہنچتے پہنچتے ایک میدانہ لگا دیا تھا لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اہل قرطبہ تمہیں ایک ہی دن میں اشبیلیہ پہنچا دیں گے۔

ابن عمار نے میز پر پڑے ہوئے کاغذات اٹھائے اور انھیں لپیٹ کر عبد المنعم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "میں آپ کی اخلاقی جرأت کا اعتراف کرتا ہوں لیکن یہ دیکھیے یہ ان علماء کے فتوے ہیں جو سلطان معتد کی بیعت کر چکے ہیں۔"

عبد المنعم نے جواب دیا: "میں ان کاغذوں کو دیکھ بھیر ان نام و ناماد علماء کے نام بتا سکتا ہوں۔ میرے نزدیک ان سب کے ایمان کی قیمت اس سیاہی سے بھی کم ہے جو ان کاغذوں کو سیاہ کرنے کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ جس جگہ میں شیر رہتے ہیں۔ اس میں وٹریاں بھی ہوتی ہیں، بلکہ وٹریوں کی تعداد شیروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ ان فتوہ برائے علماء کے دستخط ہوں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تم قرطبہ کی لاش نوچتے ہوئے انھیں بھی اپنے ساتھ جسد درباد گئے لیکن میں تمہیں ایسے علماء کا نام بتا سکتا ہوں جنہوں نے اس

لڑیاں تھیں۔ مسند سے نیچے قرطبہ کے ان امراء کی کرسیاں تھیں جو معتد کی بادشاہت تسلیم کر چکے تھے۔ ان کرسیوں کے پیچھے پیریدار اور سپاہی صف بستہ کھڑے تھے۔ مسند کے پاس دونوں طرف چند کرسیاں کسی خاص مقصد کے لیے خالی رکھی گئی تھیں۔

عبد المنعم سپاہیانہ وقار کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ اس نے ایک حقارت آمیز تہنہ کے ساتھ ان امراء کی طرف دیکھا جو ان کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے قرطبہ کی عزت اور آزادی کا سودا کر چکے تھے۔ کسی کو اس کے ساتھ آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی ابن عمار کے اشارے سے اشبیلیہ کا ایک فوجی اسنر اٹھا اور اس نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبد المنعم کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ لیکن عبد المنعم نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔

ابن عمار نے کہا: "ہم نے آپ کو ایک دوست کی حیثیت میں یہاں آنے کی تکلیف دی ہے۔ تشریف رکھیے؟"

عبد المنعم نے جواب دیا: "میں اس کرسی کی خاطر آپ کی دوستی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میں کھڑا رہنے کو ترجیح دیتا ہوں۔"

ابن عمار نے کہا: "آپ کو معلوم ہے کہ اہل قرطبہ کی اکثریت شہنشاہ اشبیلیہ کی حکومت کو تسلیم کر چکی ہے۔"

"میں اس سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"اور وہ کیا ہے؟"

"وہ ایک لمبی داستان ہے جسے سننا آپ لوگوں کو پسند نہیں ہوگا۔"

"آپ کو بولنے کی اجازت ہے۔"

"بولنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ جب تک میرے منہ میں زبان ہے میں حق کی آواز بلند کر سکتا ہوں۔ قرطبہ کی آزادی اور عزت پر چھاپے ہوئے کے لیے طلبہ سے ڈاکوؤں کا ایک گروہ آیا تھا۔ اہل قرطبہ ان ڈاکوؤں کے ساتھ اڑے

ایوان کی کرسیوں کی بجائے تمہارے قید خانے کو ترجیح دی ہے۔“
اشبیلیہ کے قاضی نے کہا: ”میرا خیال تھا کہ آپ اندلس میں انتشار اور لاسرگزیت کا دور ختم کرنے میں ہمارا ساتھ دیں گے۔ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ معتد کے سوا کوئی اور حکمران اندلس کے مسلمانوں کو لوگ الطوائف سے نجات دلا سکتا ہے؟“

عبد المنعم نے کہا: ”آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ خود غرضی، عیاری، مکاری اور عیاشی کا زمانہ ہے، اس لیے اندلس کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ لوگ الطوائف میں سے اس شخص کی غلامی قبول کر لیں جو سب سے زیادہ عیاش۔ سب سے زیادہ خود غرض اور عیاری ہے۔ تم اہل قرطبہ سے معتد کی بیعت لینے آئے ہو، کیا اس لیے کہ وہ عیاسیوں کا باجگزار ہے اور الفانسو کے خیرے کا نقاب ہے۔ تم اسے مسلمانان اندلس کا نجات دہندہ کہتے ہو۔ کیا اس لیے کہ اس نے مسلمانوں میں انتشار کا بیج بونے میں سب سے بڑھ کر پڑھ دیا ہے؟“
حاضرین محل کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ معتد کا نو عمر بیٹا جس نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی، اضطراب کی حالت میں اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ اشبیلیہ کے فوجی افسر اٹھ اٹھ کر احتجاج کر رہے تھے۔ ابن عمار نے گرج کر کہا: ”خاموش! تم اپنے آپ کو بدترین سزا کے مستحق ثابت کر چکے ہو۔“

لیکن عبد المنعم نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ قرطبہ کے غلام بھی شور مچا رہے تھے لیکن عبد المنعم کی آواز سب سے بلند تھی۔

بالآخر ابن عمار چلایا: ”اس بد نیت کو لے جاؤ۔“

پندرہویں پیریدار عبد المنعم پر جھپٹ پڑے اور اسے دھکیلتے ہوئے باہر لے گئے۔
قرطبہ کا ایک با اثر امیر جو تھوڑی دیر پہلے معتد کے ساتھ وفاداری کا اعلان کر چکا تھا اچانک اٹھ کر بولا: ”ابن عمار! عبد المنعم نے جو کچھ کہا ہے۔ میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔“
اور ابن عمار کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ عبد المنعم کے پیچھے ہو گیا۔

رات کے وقت حسن نے سونے سے پہلے اپنی ماں سے حسب معمول کمائی رنانے کی درخواست کی، لیکن ماں نے کہا: ”یقیناً آج تمہیں سعد کمائی سنائے گا۔“

سیکنہ سعد کو کمائی رنانے کا حکم دے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ دینک اپنی کرسی پر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر دوسرے کمرے سے ایک کتاب اٹھا لائی اور گڑبڑ سی جھسکا کر شل کے قریب بیٹھ گئی۔ یہ کتاب عبدالرحمن الداخل کی سوانح حیات تھی۔ چند صفحات پڑھنے کے بعد اس نے کتاب بند کر دی اور اٹھ کر بستر پر لیٹ گئی۔

سعد دبے پاؤں اس کے کمرے میں داخل ہوا: ”امی جان! اس نے جھجکتے ہوئے کہا: ”کیا یہ بیٹا؟“ ماں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا: ”تم ابھی تک سوئے نہیں؟“
سعد نے کہا: ”امی جان مجھے معلوم ہے کہ ابا جان قید ہو چکے ہیں۔“

سیکنہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا: ”تمہیں کس نے بتایا؟“
میں مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تھا تو وہاں لوگ ان کا ذکر کر رہے تھے۔“
تم نے اپنے بھائیوں کو بھی بتا دیا ہے؟“

”اتنی جان مسجد میں احمد بھی میرے ساتھ تھا، اسے بھی معلوم ہو چکا ہے، لیکن ہم نے حسن کو نہیں بتایا۔ اتنی جان میں بڑا ہو کر ابا جان کو قید سے چھڑاؤں گا۔“

سیکنہ نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا: ”سعد تمہارے ابا جان کا حکم ہے کہ تم غرناطہ چلے جاؤ۔“
سعد نے بدحواس ہو کر کہا: ”لیکن ابا جان کو قید خانے میں چھوڑ کر ہم کیسے جاسکتے ہیں ماں نے کہا: ”بیٹا قید خانے کے دروازے کو ٹوڑنے کے لیے طاقت کی ضرورت ہے۔ تمہارے باپ کی یہ خواہش ہے کہ تم غرناطہ سے ایک مجاہدین کے نکلو۔ غرناطہ میں تمہارے خالو اور ان کے دوست تمہیں وہ تعلیم دے سکتے ہیں جو ایک مجاہد کے لیے ضروری ہے۔“

سعد کچھ کہنا چاہتا تھا، کہ غلامہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا: ”الاس آگیا ہے۔“

ادوہ پوچھتا ہے میرے لیے کیا حکم ہے؟

سیکرنے نے کہا: ”اسے بلاؤں دروازے پر خود اس کے ساتھ بات کرتی ہوں۔“ خادم چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد کمرے سے باہر الماس کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ سیکرنہ دروازے کے
پر دے کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور سعد نے باہر نکل کر سوال کیا: ”چچا الماس ادیس کے کیا کیسے ہیں؟“
الماس نے جواب دیا: ”میں نے انہیں گھر پہنچا دیا ہے۔ ان کی حالت اچھی نہیں۔“

سیکرنے نے کہا: ”تم ان کے علاج کے لیے یہاں سے کسی تجربہ کار طبیب کو لے جاتے!“
الماس نے کہا: ”قرطبہ میں ابوالفتح سے بہتر طبیب کون ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی زیادہ
پر امید نہیں۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آقا میرے متعلق کیا حکم دے گئے ہیں!!“
مجھے الزہراءؑ میں ان کے متعلق علم ہو گیا تھا اور نبیؐ وہ جہ کہ میں نے یہاں حاضر ہونے میں دیر
لگائی میں شہر میں ان کے بعض دوستوں سے مشورہ کرنے کے لیے چلا گیا تھا لیکن جس سے
مجھے شک مشورے کی امید تھی، وہ یا تو قرطبہ سے بھاگ گئے ہیں یا قید ہو چکے ہیں۔“

سیکرنے نے کہا: ”سر دست تمہاری بھاگ دوڑ ٹھیک نہیں۔ وہ تمہارے لیے جو حکم چھوڑ
گئے ہیں۔ وہ تمہیں بتا دیا جائے گا۔ اب تم جا کر آرام کرو اور اعلیٰ الصباح جا کر معلوم کر دو کہ عبدالجبار
کی حالت کیسی ہے۔ سعد کے ابا تمہیں اپنا بھائی سمجھتے تھے اور میں بھی تمہیں توکر نہیں بلکہ اپن
بھائی سمجھتی ہوں لیکن اگر اسمیلیہ والوں کو یہ شک ہو گیا، کہ تم ایک بھائی اور دوست کی
میتیت میں ان کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہو تو ممکن ہے وہ تمہیں بھی گرفتار کر لیں۔“

”آپ کیا کہتی ہیں۔ ان کی خاطر اگر وہ میری بویاں بھی نوچ ڈالیں تو یہ مجھ نہیں کروں گا۔“
”الماس! میں تمہیں جانتی ہوں۔ لیکن ان کی خاطر تمہارا قید سے باہر رہنا ضروری ہے۔“
ب جا کر آرام کرو۔“

سعد نے اندر آکر کہا: ”امی جان میں بھی صبح الماس کے ساتھ جاؤں گا۔“

”بہت اچھا بیٹا چلے جانا۔“

الماس چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں سعد اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گیا۔ لو مختلف
خیالات اس کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔ کبھی وہ قید خانے پر حملہ کر رہا تھا۔ کبھی وہ اسمیلیہ کی
کی فوج کے ساتھ جنگ کر رہا تھا اور کبھی یہ کہہ کر ادیس اور اس کی بہن میمونہ کو تسلی دے رہا
تھا۔ گھبراؤ نہیں تمہارے ابا ٹھیک ہو جائیں گے۔ آدھی رات کے وقت اُسے نیند آگئی اور
جب صبح کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو ماں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھی: ”سعد! سعد!
تھوڑا نماز کا وقت جا رہا ہے۔“

سعد نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا: ”امی جان چچا الماس چلا گیا؟“

”ہاں بیٹا! وہ تمہیں بلانے آیا تھا لیکن تم سو رہے تھے۔ اب تم نماز پڑھو۔ وہ تھوڑی دیر
بک داپس آجائے گا۔“

نماز پڑھنے اور ناشتہ کرنے کے بعد سعد کچھ دیر الماس کا انتظار کرتا رہا۔ جب وہ نہ آیا
تو اس نے ماں سے اجازت لے کر گھوڑے پر زین ڈالی اور الزہراءؑ کا رخ کیا۔

ادیس کے مکان پر اُسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ فوت ہو چکا ہے اور لوگ اس کا جنازہ
قبرستان لے جا چکے ہیں۔ سعد کچھ دیر سکے کے عالم میں مکان کے دروازے پر کھڑا رہا اور کچھ
قبرستان کی طرف چل دیا۔

لوگ قبرستان لے نکل رہے تھے۔ سعد نے چار دیواری کے قریب ایک درخت کے
ساتھ گھوڑا باندھا اور اندر داخل ہوا۔ عبدالجبار کی قبر پر مٹی ڈالی جا چکی تھی اور چند آدمی
قبر کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ الماس اور ادیس بھی وہیں تھے۔ سعد نے فاتحہ پڑھی
اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا ادیس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ اپنی انتہائی کوشش کے
باوجود اپنے دوست کے ساتھ اطمینان سے رہ رہی کے لیے موزوں الفاظ تلاش نہ کر سکا۔ جب
وہ قبرستان سے باہر نکل رہے تھے تو سعد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ”ادیس! ا
ادیس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ سعد اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آنکھوں میں

حالات بگڑتے گئے

غمرناطہ میں عبدالمنعم کی بیوی اپنی رہائش کے لیے ایک مکان خرید چکی تھی۔ قرطبہ کی جائداد سے اس کی سالانہ آمدنی اس کی ضروریات کے لیے کافی تھی۔ عبدالمنعم نے قید ہونے سے پہلے جن تئیموں اور بیوادوں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے اس کی بیوی نے انھیں بند کرنا گوارا نہ کیا۔ قرطبہ میں متعدد کے حکام کچھ اپنے حکمران کی عیاشیوں کا سامان دینا کرنے اور الفانسو کا خرچہ پورا کرنے کے لیے خوشحال لوگوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگا رہے تھے۔ الماس نے ایسے حکام کی ایک فہرست تیار کر رکھی تھی جو ہر سال اس سے نئے اضافوں کے ساتھ حکومت کا ٹیکس وصول کرنے کے علاوہ اس اپنے لیے بھی کچھ وصول کر لیا کرتے تھے، وہ ہر سال غمرناطہ آتا اور زمین اور باغات کی ساری آمدنی عبدالمنعم کی بیوی کے سامنے پیش کرنے کے بعد اس بات پر اصرار کرتا کہ اس سے حساب لیا جائے۔ عبدالمنعم کی بیوی کہتی: "نہیں الماس تمہیں حساب دینے کی ضرورت نہیں۔" وہ پریشان ہو کر سعد سے شکایت کرتا: "دیکھو سعد! اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ اب تم مجھ سے حساب لیا کرو!"

سعد اتنا "نہیں چچا۔ تم سے تو اب جان بھی حساب نہیں لیا کرتے تھے۔"

الماس کہتا: "بیٹا! وہ زمانہ اور تھا۔ اب ہر سال ایسی باتیں ہوتی ہیں، جو میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ سنو! اور نہ میں خفا ہو جاؤں گا۔ احمد، حسن، تم بھی بیٹھو!"

وہ مجبوراً اس کے سامنے بیٹھ جاتے۔ ان کی ماں اور حلالہ پر جسے کے پیچھے کھڑی ہو کر اس کی باتیں سنتیں۔ بعض اوقات ابو صالح بھی اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے۔ الماس آمدنی کی

بھلکتے ہوئے آنسوؤں کے احساسات کی ترجمانی کر رہے تھے اور میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اگلے دن سعد اپنی ماں اور بھائیوں کے ساتھ ادیس کے گھر آیا اور اس نے ادیس کو بتایا کہ ہم پرسوں غمرناطہ جا رہے ہیں۔

ادیس نے پوچھا: "واپس کب آؤ گے؟"

سعد نے ابدیدہ ہو کر جواب دیا: "مجھے معلوم نہیں۔ اتنی جان کہتی ہیں کہ اب ہم قرطبہ میں نہیں رہیں گے۔"

میمونہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ سسکیاں بھرتے ہوئی بولی: "ہم بھی یہاں نہیں رہیں گے۔ سعد نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سعد کی ماں نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لیا اور پیار کرتے ہوئے کہا: "ہم بہت جلد واپس آئیں گے اور ہر روز تمہارے پاس آیا کریں گے۔"

جب وہ رخصت ہو رہے تھے تو ادیس اور میمونہ مکان سے باہر ان کی نگھی کے قریب کھڑے تھے۔

سعد کی ماں نے نگھی پر سوار ہونے سے پہلے ایک بار پھر میمونہ کو پیار کیا اور پھر ادیس کے سر پر ہاتھ پھرتے ہوئے کہا: "بیٹا! تم مرد ہو، اپنی ماں اور بہن کو تسلی دیا کرو!"

نگھی روانہ ہوئی تو ادیس اور میمونہ دیر تک باہر کھڑے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

تیسرے دن الماس عبدالمنعم کے مکان کے دروازے پر کھڑا اسی نگھی کو غمرناطہ کا رخ کرتے دیکھ رہا تھا۔ سعد کھڑکی سے سر نکال کر کہہ رہا تھا: "چچا الماس! ادیس کے پاس غمرناطہ جانا!"

کے قید خانے میں ہے۔

سعد احمد حسن کی زندگیوں پر اپنے باپ کی قید اور قریبہ سے ہجرت کے واقعات کا گہرا اثر تھا۔ ان کی تربیت نے انھیں بچپن میں ہی قوم کے مافی، حال اور مستقبل کے متعلق غور و فکر کرنے کا عادی بنادیا تھا۔ ان کے خاوند نے انھیں غرناطہ کے فوجی مکتب میں داخل کروادیا۔ یہ فوجی مکتب کسی زمانے میں ایک عظیم الشان ادارہ تھا۔ جہاں حکومت کے ترقی پر یوں کو فونی سپہنگری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن اب نااہل حکمرانوں کی بے توجہی کے باعث اس کی اہمیت بہت کم ہو چکی تھی۔ ایک طویل مدت حکومت کی اعانت سے محروم ہونے کے باعث یہ مکتب بند ہوا۔ اس کے بعد غرناطہ کے چند خیر رو سائے اس کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ایک سال گزارتا جرنے اپنی جائداد کا بیشتر حصہ اس مدرسے کے لیے وقف کر دیا۔ پھر علماء کی ایک جماعت نے غرناطہ کے حکمران پر زور ڈالا اور شاہی خزانہ سے ایک معقول رقم اسل کی اعانت کے لیے منظور کروائی۔

اس سیکڑے جس مشن کے لیے ان بچوں کو تیار کرنا چاہا، جی تھی، اس کے لیے فوجی مکتب کی تعلیم کافی نہ سمجھی ہوئے اس نے ایک انالیق کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ تمامین غرناطہ کے علماء کی صف اول میں شمار ہوتا تھا۔ عبدالمنعم کے بیٹے مکتب کے علاوہ گھر پر اپنے انالیق سے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، جغرافیہ اور ریاضی کی تعلیم لیا کرتے تھے۔

مکتب کے تمام استاد ان لوگوں کی خداداد صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے۔ غرناطہ کے نو عمر لڑکوں کی محنتوں میں جب تیر اندازی اور شہسوار کی کے متعلق باتیں ہوتی تھیں، تو عبدالمنعم کے بیٹوں کا ذکر ضرور آجاتا۔

احمد کو اپنے بھائیوں کی نسبت مطالعے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ تیغ البوصالح کے ذاتی کتب خانے میں سینکڑوں کتابیں موجود تھیں۔ احمد ہر دوسرے تیسویں دن اس کتب خانے میں ملا جاتا اور ایک نئی کتاب اٹھا لیتا۔ سعد اور حسن زیادہ تر اپنی دوسری کتابیں

تفصیلات سمجھانے کے بعد اخراجات کا حساب دیتا اور سنے والوں کے لیے اس کی گفتگو دلچسپ بناتی دیکھو سعد! کچھ سال مغربہ قریب میں چار دربار، چالیس ضیافتیں اور شاعروں کی پچاس مجلسیں منعقد کی تھیں۔ اس لیے رعایا پر اس قدر زائد ٹیکس لگایا گیا تھا۔ معتمد نے کچھ سال کی نسبت اس سال الفاسو کو خراج کی رقم ڈیڑھ گنا زائد دی تھی۔ اس لیے ہم پر جو ایک خاص ٹیکس لگایا گیا تھا، اس کی رقم اتنی تھی۔ قریبہ کے گورنر نے اپنے منکر خانے کے زائد اخراجات بڑھ کرنے کے بہانے ایک اور خاص ٹیکس وصول کیا ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ یہ رقم فرانس سے شراب منگوانے پر صرف ہوئی ہے۔ مجھ سے لاتے دینار وصول کیے گئے۔ کچھ سال ملکہ دیکھنے قریبہ میں ایک ماہ قیام کیا تھا۔ اس سال انھوں نے تین ماہ قیام کیا ہے، اس لیے میں مجرمی مالیر کے ہر دینار کے ساتھ اتنے خراج زائد ادا کرنے پڑے۔ اب ایک افواہ یہ بھی ہے کہ مکمل شاید مستقل طور پر یہاں تشریف لے آئے۔ اس لیے قریبہ کے بہت سے لوگ اپنی جائدادیں چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں ہیں۔

اخراجات کی تفصیل سنانے کے بعد الماس اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر سعد کو دیتے ہوئے کہتا: ”ادبیہ کاغذ منبھال کہ اپنے پاس رکھو، اس پر ان عہدہ داروں کے نام جنہوں نے مجھ سے زبردستی پیسے چورے ہیں۔ ان رشوت خوردوں اور بددیانتوں کا یوم حساب دوزخ میں لکھی اگر میں اس سے پرہیز کرتا تو تمہارا فرض ہوگا کہ ان لوگوں سے پانی پانی وصول کروں۔“ (۲)

قریبہ کے قید خانے میں عبدالمنعم کے ساتھ اس کے کسی دوست یا عزیز کو ملنے کی اجازت نہ تھی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اُسے شاہی خاندان کے قیدیوں کے ساتھ کسی جزییرے میں چنچا دیا گیا ہے اور بعض محنتوں میں اس قسم کی افواہیں مشہور تھیں کہ اُسے اور اس کے ساتھیوں کو پردہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ دو سال بعد عبدالمنعم کا ایک ساتھی کسی طرح قید خانے سے فرار ہوا اور غرناطہ پہنچ کر اس نے البوصالح کو بتایا کہ عبدالمنعم ابھی تک زندہ

مقدمہ اور دیگر ہر سال کچھ عرصہ قہر زہرا میں گزارتے تھے اور باقی سارا سال ان کے حکام اور ہمدردوں کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف رہتے تھے۔

محمّد کا بیٹا عباد قرطبہ کا گورنر تھا۔ وہ والدین کی تربیت اور ابن ہلہ کی صحبت کے باعث کم سن ہی میں پرے درجہ کا عیاش بن چکا تھا۔ اہل قرطبہ کو الزہرا میں عیش و نشاط کی محفلوں کے اصرار جاتا۔ پورے کسے کے لیے جلدی ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔ اشیائے کھانسی حکام رعایا سے سرکاری لگان وصول کرنے کے علاوہ اپنے لیے رشوتیں اور ہڈانے بھی لیا کرتے تھے۔ اس لیے جو لوگ محمّد کی ضیافتوں کی دعائیں منگاتے تھے، اب یہ محسوس کر لیتے تھے کہ ان فیاضوں کا سارا بوجھ ان کی گردن پر ڈالا جاتا ہے۔

آہستہ آہستہ اہل قرطبہ کے دلوں میں محمّد کے خلاف نفرت کا دبا ہوا جذبہ ابھرنے لگا۔ قرطبہ کی مساجد کے دروازوں پر آنے والے اس قسم کے اشتہارات دیکھے جاتے تھے کہ کیا فرماتے ہیں اس مکران کے متعلق جو رعایا کا خون چوس کر اپنے عیش و عشرت کا سامان اور دشمنان اسلام کے لیے حراج مہیا کرتا ہے۔ جس کی نگاہ اسلام کے ہر اصول کا مذاق اڑاتا ہے؟

قرطبہ کے لوگو! تمہارا مکران الفاسق کا بائگن ہے اور تمہارا مستقبل ایک ایسی لاش کی خواہشات پر قربان کیا جا رہا ہے جس نے الزہرا کے ایوانوں کو عیاشی اور فحاشی کے اڈوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ اٹھو اور ان لوگوں کی حکومت کا تختہ الٹ دو جو خدا اور رسول کے باغی ہیں۔

بعض اوقات قرطبہ کے بازاروں میں ان فقہاء کے فتوے کو مشتہر کیا جاتا تھا جو دوسرے شہروں میں محمّد کی دست درازی سے محفوظ تھے۔ ان فتووں میں دیکھ کر خاص طور پر بد مذہب ملامت برپا کیا جاتا تھا۔

چند سال کے بعد قرطبہ میں وہ مواد پھوٹ نکلا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ عوام نے اہل اشیائے عیش و نشاط کی محفلوں پر جان دیتی تھی۔ محمّد کی ملکہ کی حیثیت سے قصر زہرا میں داخل ہونا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

ابن عکاشہ کسی زمانے میں ایک مشہور قزاق تھا۔ اس نے حالات سے فائدہ اٹھا کر اور باغیوں

بڑھنے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ انھیں سپاہیہ کھیلوں کے ساتھ زیادہ دلچسپی تھی۔ سنو سال کی عمر میں سداہی جھماکی اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے غزالی کے ہزاروں نوجوانوں کے لیے باعث رشک تھا۔ یہ فوجی کتب میں اس کی تعلیم کا آخری سال تھا۔

(۳)

اہل قرطبہ کے لیے اشیائے اول کی بے عمدی ناقابل برداشت تھی لیکن ابن ہلہ کی سازش اس قدر کامیاب تھی کہ وہ بروقت کوئی قدم نہ اٹھا سکے۔ وہ علماء اور راہبوں جن سے بغاوت کی توقع ہو سکتی تھی، اچانک حراست میں لے لیے گئے تھے اور ان کا اثر و اقتدار مائل کر کے لیے ضمیمہ فروشوں کی غلامت حاصل کر لی گئی تھیں۔ کسی کو دولت اور کسی کو عہدے کا لالچ دے کر خرید لیا گیا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی دن بعض مساجد کے خطیب محمّد کے عدل و انصاف اور فیاضی کی داستانیں سناتے تھے۔ عوام اہل طیلطلہ کے ساتھ ایک طویل جنگ سے تنگ آ چکے تھے۔ اس لیے ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ محمّد بہر حال ایک مسلمان ہے بعض یہ کہتے تھے کہ وہ عبدالملک سے یقیناً بہتر ہے اور جو لوگ اس صورت حال سے نالاں تھے، وہ اشیائے اول کی کٹاریوں کے خوف سے کسی کھلی بغاوت کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کے جواہر ہنر ابھی تک قید خانوں سے باہر تھے، وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ سر دست ان کی طرف سے کوئی فوری اقدام تو سگوار تاج پیدا نہیں کرے گا۔ اس لیے وہ وقت انتظار کر رہے تھے۔

محمّد شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ قرطبہ میں آیا۔ الزہرا میں اس کے دربار کی شان و شوکت دیکھ کر بعض سادہ دل لوگ بے حد مرعوب ہوئے۔ لیکن سنجیدہ لوگوں کو اس کی ظاہری نمائش متاثر نہ کر سکی۔

محمّد سے کہیں زیادہ اس کی ملکہ دیکھ کر ظاہری شان و شوکت، نمائشی دھڑکوں اور عیش و نشاط کی محفلوں پر جان دیتی تھی۔ محمّد کی ملکہ کی حیثیت سے قصر زہرا میں داخل ہونا اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔

تھوڑی دیر بعد سعد اپنی ماں اور بھائیوں کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے اس نے احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "امجد اب تم بڑے ہو گئے ہو۔ میں گھر میں اپنے صفے کی ذمہ داریاں تمہیں سونپ کر جا رہا ہوں۔"

(۵)

قرطبہ میں آمدورفت کے تمام راستوں پر اپنی عکاشہ کے سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ شہر میں جانے والوں کو بیر دینی چوکیوں اور دروازوں پر روکا جا رہا تھا۔ معتد کے ان اہل کاروں کو جنہوں نے مزاحمت کے بغیر اپنی عکاشہ کے سامنے ہتھیا ڈال دیے تھے۔ اشبیلیہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت تھی۔ اشبیلیہ کے جو سپاہی مڑائی میں مارے جا چکے تھے، یا قید ہو چکے تھے، ان کے بال بچوں کو بھی قرطبہ چھوڑنے کی اجازت تھی تاہم چوکیوں پر اس بات کی پوری چھان بین کی جاتی تھی کہ ہجرت کرنے والوں کے ساتھ قرطبہ کے بااثر لوگ فرار نہ ہو سکیں۔ اپنی عکاشہ کے حملے کی رات قرطبہ کے چند بااثر لوگ شہر سے فرار ہو کر قرطبہ و جوار کی بستیوں کے لوگوں کو اس کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے اور اس صورت حال سے باخبر ہوتے ہی اس نے یہ حکم دے دیا تھا کہ گورتوں اور بچوں کے سوا جو لوگ شہر سے ہجرت کرنا چاہیں وہ پہلے تحریری اجازت نامہ حاصل کریں۔ ان لوگوں کے لیے صرف شہر کا مغربی دروازہ کھلا تھا۔

سعد جنوب اور مشرق کے دروازوں سے شہر میں داخل ہونے کی ناکام کوشش کے بعد مغربی دروازے پر پہنچا۔ وہاں دروازے سے باہر کھلے میدان میں کوئی پانچ سو آدمی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر قرطبہ کے وہ باشندے تھے، جو کسی نہ کسی وجہ سے علو کے دن قرطبہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ چند ایسے بھی تھے، جو اشبیلیہ اور دوسرے شہروں سے اپنے عزیزوں، دوستوں اور رشتہ داروں کی خبر لینے آئے تھے، ان سب کے لیے ایک ہی حکم تھا کہ وہ دس دن تک انتظار کریں۔ بعض لوگ شہر کے آس پاس سراؤں، کسانوں اور ماہی فروشوں کی بستیوں میں پناہ لے چکے تھے۔

کارہنجان گیا۔

ایک رات جب الزہرا میں عباد اور اس کے افسر رقص و سرور سے لطف اندوز ہو رہے تھے، اپنی عکاشہ باغیوں کے ساتھ اچانک علی میں داخل ہوا۔ عباد لڑتا ہوا مارا گیا۔ صبح تک قلعہ اور الزہرا پر اپنی عکاشہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔

(۶)

ایک دن سعد اور اس کے بھائی مکتب میں جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ یہاں عباد شہر پر کسی نے دستک دی، سعد نے باہر نکلا تاکہ دیکھتا تو باہر اس کا تالیق کھڑا تھا۔ تالیق نے اسے دیکھتے ہی کہا: "سعد! میں نے ابھی قرطبہ کے متعلق ایک اہم خبر سنی ہے۔" باغیوں کی کسی جماعت نے حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔ مجھے اس خبر کی تفصیلات معلوم نہیں ہوئیں۔ صرف یہ پتہ چلا ہے کہ معتد کا بیٹا جو قرطبہ کا گورنر تھا، قتل ہو چکا ہے اور بغاوت کرنے والوں کے ایما کا نام اپنی عکاشہ ہے۔

یہ خبر مکتب کے تھوڑی دیر کے لیے سعد کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ بالآخر اس نے سوال کیا "آپ نے یہ خبر کس سے سنی ہے؟"

تالیق نے جواب دیا: "تھوڑی دیر ہوئی، مجھے شہر کا کووال ملا تھا اور اس نے یہ بتایا کہ قرطبہ کے چند آدمی آدھی رات کے وقت یہاں پہنچے اور انھوں نے ہیریلاروں کو یہ خبر سنائی۔ ہیریلاروں نے انھیں مشکوک سمجھ کر شہر میں اپنے رشتہ داروں کے پاس جانے کی اجازت دینے کی بجائے صبح تک چوکی میں بٹھائے رکھا۔ صبح کے وقت ان کے رشتہ دار چوکی میں بلانے گئے اور انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ واقعی ان کے عزیز ہیں۔ کووال نے مجھے بتایا تھا کہ وہ خود اس خبر کی تصدیق کر چکا ہے۔ تاہم میں ان میں سے ایک کے رشتہ داروں کے گھر کا پتہ پوچھ آیا ہوں اگر تم مناسب سمجھو تو ہم وہاں پہنچ کر تصدیق کر سکتے ہیں۔"

سعد نے کہا: "میں ابھی سیدھا قرطبہ جاؤں گا۔"

سعد کے دو دو دانے پر کھڑا ان لوگوں کے چھوٹے چھوٹے خانے دیکھتا رہا، جو لوہے اور لکڑی کے انصروں کو اپنے اپنے اجلات نامے دکھانے کے بعد شہر سے نکل رہے تھے۔ بالآخر اس نے قلعہ جرات سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھ کر ایک فوجی انصر سے کہا: "میں غرات سے آیا ہوں۔ قریب میں میرے عزیز ہیں اور میں ان کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

انصر نے دو دانے سے باہر لوگوں کے جھوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ادھر دیکھو ان میں سے اکثر قریطہ کے باشندے ہیں احسان سب کا کوئی کھٹی عزیز اس شہر میں ہے۔ آپ یا تو وہاں قیام فرمائیں یا دس دن کے بعد شریف لائیں۔"

سعد نے اس انصر کی رسمی ملاقات سے اس کی شرافت کا غلط اندازہ لگایا۔ اس نے کہا: "اگر آپ کو مجھ پر کوئی شبہ ہے تو آپ اپنے کسی سپاہی کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ میں تھوڑی دیر میں اس کے ساتھ ہی واپس آ جاؤں گا۔"

انصر نے اپنا بھروسہ لے لیا۔ "نوجوان تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔" سعد کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں اپنے باپ کا نام لوں تو ممکن ہے کہ انصر اپنے طرز عمل میں تبدیلی ضرورت محسوس کرے، لیکن اب تک لوگوں کی نفاذی قریطہ کے انقلاب کے مستحق جو کچھ سن چکا تھا اس کے پیش نظر اس نے اپنے باپ کا ذکر کرنا محکمات کے خلاف سمجھا۔ ایک اور نوجوان نے آگے بڑھ کر انصر سے کہا: "دیکھیے میری بیوی سخت بیمار ہے۔ آپ میرے متعلق قریطہ کے ہر شریف آدمی سے دریافت کر سکتے ہیں کہ میں ایک قابلین باف ہوا اور میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔"

فوجی انصر نے اسے دکھانے کے لیے بھیجے ہٹاتے ہوئے: "بھاگ جاؤ یہاں سے!" سعد اچھی دو دانے کے سامنے تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔ انصر تالین بان کو چننے لگا۔ دینے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟"

سعد نے اپنا گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا: "مجھے معلوم نہیں تھا، کہ قریطہ غی عباد سے بچتا

ماصل کرنے کے بعد بحیرہ لوں کے ایک نئے گڑھ کی شکل گاہ بن چکا ہے۔ صحنہ میں تین پریشان کردار فوجی انصر نے انتہائی غصہ کی حالت میں یکے بعد دیگرے سعد کو دو کوٹے رسید کر دیے۔ ایک کوڑا سعد نے اپنے بازو پر روک لیا اور دوسرا اچھلے ہوئے گھوڑے کے منہ پر لگا۔ گھوڑا سرخ پا ہو کر ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ چھتے چلاتے لوگ اس کا راستہ چھوڑ کر اوڑھوڑھا جاکر رہے تھے۔ انصر نے غصے کی حالت میں دو دانے کے آس پاس جمع ہوئے چند آدمیوں کو بھی کوٹے سے پینا شروع کر دیا۔

سعد نے چند گڑھ گھوڑے کو روکا۔ نیام سے تھوڑا نکالی اور گھوڑے کی گردن پر چند تھپکیاں دینے کے بعد دو دانے کی طرف باگ موڑ لی لیکن ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پر کھڑے ہوئے کہا: "یہ قوت مت۔ خود ایسے موقعوں پر تو ان نیام میں رکھنا بھی بہادری ہے۔ تم نے صرف ایک بھیڑ یاد دیکھا ہے لیکن اس وقت بحیرہ لوں کا ایک پورا لشکر قریطہ پر مسلط ہو چکا ہے۔ سعد نے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک بربری چرواہے کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ تاہم سعد کے دل کی پہلی آواز یہ تھی کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ نوجوان مسکرایا اور سعد کو اس کی مسکراہٹ میں ایک جانی بچانی صورت کے دھندلے نقوش دکھائی دینے لگے۔

لوگ سعد کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ نوجوان نے کہا: "اگر تم غرات سے آئے ہو اور تمہارا نام سعد بن عبدالنعم ہے تو دنیا کے کدے تمہارا ایک دوست انتظار کر رہا ہو گا یہاں تائیں کرنا ٹھیک نہیں۔" نوجوان اس کے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر دنیا کی طرف چل دیا۔ اتنی دیر میں لوگ سعد کے گرد جمع ہو کر فوجی انصر کے طرز عمل کے خلاف غم و غصے کا اظہار کرنے لگے۔ سعد نے ان کی باتوں پر توجہ دینے کی بجائے اپنی نیام میں ڈالی اور گھوڑے کو دنیا کی طرف موڑ دیا۔ وہ غصے کی بجائے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ — دیا سے تھوڑی دیر بعد نوجوان کے ساتھ جا ملا اور گھوڑے سے کود کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے بولا: "اگر تمہارے لباس کی طرح تمہارے چہرے کی رنگت بھی مصنوعی ہے تو میں اپنے دوست سے یہیں ملنا چاہتا ہوں۔"

نوجوان بے اختیار اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ یہ ادیس بن عبدالجبار تھا۔

سعد نے کہا: ”تم یہاں کیا کر رہے ہو اور تمہیں اس غلط فہمی میں کس نے مبتلا کر دیا ہے کہ تم چرسے پر سیاہی ملنے اور چر داہے کا لباس پہننے سے اپنے دوستوں کو دھوکا دے سکتے ہو؟“
ادیس نے جواب دیا: ”واہ! تم اس بات کی داد نہیں دیتے، کہ جب تک میں نے خود تمہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کیا۔ تمہیں میرے متعلق شبہ بھی نہیں ہوا!“

(۶)

دیا کے کنارے پہنچ کر سعد نے ایک درخت کے ساتھ گھوڑا باندھا اور ادیس کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔

سعد نے کہا: ”اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری والدہ اور ہمیشہ کیسی ہیں؟“

ادیس نے جواب دیا: ”جب میں قرطبہ سے فرار ہوا تھا تو وہ بکیرت تھیں، اب خدا بہتر جانتا ہے۔ تمہاری والدہ اور بھائی کیسے ہیں؟“

”وہ سب خوش ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ غرناطہ ابھی تک ایسے ہنگاموں سے محفوظ ہے، اچھا یہ بتاؤ کہ تم قرطبہ سے کسوں فرار ہوئے تھے؟“

ادیس نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد سعد کو اپنی سرگزشت سنائی:

”بات یہ ہوئی کہ مجھے آج سے دو چلتے قبل اس شرمناک سازش کا علم ہو گیا تھا۔ قرطبہ میں معتمد کی حکومت کا تختہ الٹنے کی تحریک جن لوگوں نے شروع کی تھی ان کے مقاصد بڑے نہ تھے لیکن آہستہ آہستہ منافقوں اور اقتدار پرستوں کا ایک گروہ باغیوں کی خفیہ جماعت میں شامل ہو گیا۔ ایک دن شہر میں میرے ایک ہم کتب کے بڑے بھائی کی شادی تھی رات کے وقت میں دعوت میں شریک تھا اور مجھے وہاں دیر لگ گئی۔ میرے ماموں بھی اس دعوت میں شریک تھے، انھوں نے مجھ سے کہا: ”اب دیر ہو گئی ہے۔ تم ہمارے پاس ظہر و صبح چلے جانا۔“ لیکن میں نے گھر سے باہر ہونا مناسب نہ سمجھا۔ آدمی رات کے وقت میں گھوڑے پر سوار ہو کر

اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ وادی الکبیر کے پل سے آگے میں نے کوئی نصف میل طے کیا تو گھوڑے نے مجھے گھوڑوں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے اپنا گھوڑا ایک طرف کر لیا۔ ایک تیز رفتار گلی مجھ سے آگے گزر گئی۔ گلی کے گزرتے ہی مجھے چند اور گھوڑوں کی آہٹ سنائی دی اور مجھے دوبارہ اپنا گھوڑا سڑک سے ایک طرف ہٹانا پڑا۔ اثنیہ کے اہرام کی گلیوں کے ساتھ سوار مزدبختے ہیں اور گلیوں کو معمولی رفتار سے چلانا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس لیے مجھے یہ شک نہ ہوا کہ سوار گلی کے تعاقب میں جا رہے ہیں لیکن ایک میل دور چلنے کے بعد مجھے چند سوار شہر کی طرف آتے ہوئے ملے۔ ان کی تعداد سے مجھے شک ہوا کہ یہ وہی ہیں جو تھوڑی دیر پہلے گلی کے پیچھے جا رہے تھے۔ میں نے مصلحتاً اپنا گھوڑا ایک طرف ہٹا لیا اور سڑک کے پاس درختوں کے پیچھے چھپ گیا۔ ایک سوار اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا: ”اب ہمیں سڑک چھوڑ کر کھرجانا چاہیے۔“ وہ گزر گئے تو میں نے دوبارہ سڑک پر آ کر گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دور اور چلنے کے بعد میں نے دیکھا کہ گلی سڑک کے ساتھ ہی ایک گھڑی میں اٹھی پڑی ہوئی ہے۔ میں نے قریب آ کر دیکھا تو گلی کے پاس مجھے زمین پر دو لاشیں نظر آئیں۔ اچانک مجھے گلی کے اندر کسی کے کہنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے بڑی مشکل سے ایک آدمی کو باہر نکالا، وہ بُری طرح زخمی تھا، شہیدانہ تارکی میں اُسے پہچان نہ سکا۔ اس نے ہوش میں آتے ہی مجھ سے سوال کیا: ”تم کون ہو؟“ میں نے اُسے تسلی دی کہ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: ”اب مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم چاہو تو قرطبہ کو بتا ہی سے بچا سکتے ہو، میں تمہیں چند آدمیوں کے نام بتاتا ہوں، تم فوراً قرطبہ کی حکومت کے کسی ذمہ دار و عہدار سے ملو، ہر تہہ کہ گورنر سے ملنے کی کوشش کرو۔ وہ یقیناً قوت ہے لیکن ممکن ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے قرطبہ کی حفاظت کرنے پر مجبور ہو جائے۔“
نفاہت کے باوجود اس شخص کی آواز میرے کانوں کے لیے نامانوس نہ تھی میں نے اُس کی بات کاٹ کر کہا: ”میرے خیال میں آپ عبدالرحمان ہیں۔ میں آپ کو گھر پہنچا دیتا ہوں۔“
اس نے کہا: ”ہاں میں میرا وقت آچکا ہے۔“

میں نے چند اہل امر کیا لیکن اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا: "ادھر دیکھو، میں صرف چند سانس لینے کے لیے زندہ ہوں اور مرنے سے پہلے کسی کو یہ باتیں بتانا مردی سمجھتا ہوں۔"

ایک خیر قطعہ تک اس کے سینے میں اُترا ہوا تھا۔ میں نے کہا: اگر آپ کو اس بات سے تسکین ہو سکتی ہے تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی وصیت پر عمل کروں گا۔"

اس کے بعد اس نے مجھے جو اوقات سنائے وہ غمخوارانہ تھے کہ وہ قرطبہ کی حکومت کے باغیوں کی جماعت کا کون تھا۔ رات کے وقت اسے قرطبہ کی خفیہ جماعت کے اجتماع میں حشر لینے کے لیے بلایا گیا تھا۔ اس جلسے میں اسے معلوم ہوا کہ ان کے ساتھی اپنی عکاشہ کی وساطت سے ماموں دانوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ اپنی عکاشہ ایک تاجر کے عہس میں اس اجتماع میں شریک ہوا تھا اور اس اجتماع سے پہلے ہی جماعت کی اکثریت اسے اپنا رہنما تسلیم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ حاضرین کے بعد دیگرے ان عکاشے و دھنداری کا حلف اٹھانے لگے تو عبدالرحمن نے انہیں ملامت کی اور کہا کہ اگر تم ایک ڈاکو کو اپنا رہنما بناتے ہو تو میرا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ دو اور آدمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ ان تینوں کو جماعت کے ساتھ خطاری کرنے کا جرم عطا کیا گیا۔ یہ لوگ غصے کی حالت میں اٹھ کر مجلس سے نکل آتے۔ بد مصاشوں کی ایک ٹولی باہر کھڑی اپنی عکاشہ کے حکم کا انتظار کر رہی تھی وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ دونوں جوانوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور عبدالرحمن کو تارکی میں مکان سے باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔ شرک پر اس کی گہمی کھڑی تھی وہ بھاگ کر اس پر سوار ہو گیا۔ جب تک اپنی عکاشہ کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں نکلے وہ کافی فاصلہ طے کر چکا تھا۔ لیکن انہیں ہر اسے تھوڑی دور آنھوں نے اسے گھیر لیا اور اس کے کوچوان اور لوگوں کو قتل کرنے اور اسے گھٹائی کرنے کے بعد یہ سمجھ کر کہ وہ بچ چکا ہے واپس پھرتے گئے۔

یہ واقعات سننے کے بعد میں نے کہا کہ اب اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ میں قرطبہ کی حکومت

کسی بات سے آگاہ کر دوں تو میں اس بات کے لیے تیار ہوں لیکن اس وقت میرا فرض آپ کو آپ کے گھر پہنچانا ہے لیکن اس نے کہا: پہلے ان لوگوں کے نام سن لو جو قرطبہ کو اپنی عکاشہ اور ماموں کے پاس فروخت کرنا چاہتے ہیں، اگر یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو کیا وہ قرطبہ کی کسی بیڑوں کی شکار گاہ بن جائے گا میں بنی عباد کا بدترین دشمن ہوں لیکن اگر میں زندہ رہوں تو قرطبہ کے ان نئے دشمنوں کی ہولناکیوں سے بچانے کے لیے خاندانی عباد کے جھنڈے لے کر لڑنا ہی اپنے لیے سعادت کا باعث سمجھوں گا۔ پھر اس نے مجھے کوئی بیس آدمیوں کے نام بتائے جن میں سے اکثر قرطبہ کے بااثر امراء تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو حکومت کے اہم عہدوں پر فائز تھے۔

اس کے بعد میں نے عبدالرحمان کو اپنے گھوڑے پر لا دیا۔ اس کا مکان ہمارے مکان سے زیادہ دور تھا۔ راستے میں وہ کبھی بیہوش ہو جاتا اور کبھی ہوش میں آ کر میرے ساتھ باتیں کرتا تھا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو وہ بالکل بیہوش تھا اور میں سمجھتا تھا کہ وہ اپنا سفر حیات ختم کر چکا ہے۔ مجھے ان ناموں کے بھول جانے کا اندیشہ تھا جو اس نے بتائے تھے۔ اُسے گھر پہنچا ہی میں نے غمخوار اس کی بیوی، ماں اور لوگوں کے سوالات کے جواب دینے کے بعد ایک کافی لیا۔ ملاشت کے لیے یہ نام لکھ لیے۔ تاہم چند ناموں کے متعلق میرے ذہن میں کچھ الجھن تھی تھوڑی دیر بعد اُسے ہوش آیا تو اس نے میری طرف دیکھتے ہی سوال کیا: "دیکھو اپنا وعدہ پورا کرنا وہ نام لکھ لو!"

میں نے لکھے ہوئے نام اُسے سنائے تین نام غلط تھے اور اُس نے ان کی اصلاح کرنے کے مجھے آٹھ اور آدمیوں کے نام بھی لکھو دیے۔ پھر اس نے مجھ سے سوال کیا: "تم یہیں رہتے ہو؟"

میں نے جواب دیا: "ہاں میرا گھر یہاں سے تھوڑی دور ہے۔ میں عبدالرحمان کا بیٹا ہوں۔"

اس نے کہا: "تم ایک بہادر کے بیٹے ہو۔ اب مجھے اطمینان ہے۔"

صبح کی اذان سے کچھ دیر پہلے وہ چل بسا۔ میں نے گھر جا کر قرطبہ کے گورنر کے نام ایک خط لکھا جس میں تمام واقعات درج تھے۔ اس کے بعد میں دوسرے گورنر کے محل کا

طواف کرتا رہا لیکن وہاں تک میری رسائی ممکن نہ تھی۔ تیسرے پر میں قہر زہرا کے ناظم کے پاس پہنچے میں کامیاب ہوا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں اپنی معروضات پیش کروں اور اس کے جواب کا انتظار کروں۔

مجبوراً میں نے اپنا مراسلہ پیش کر دیا اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ اگر آج ہی آپ گورنر کو میرا مراسلہ پیش کر سکیں تو ممکن ہے کہ آپ قریب کو تباہی سے بچا سکیں۔

شام کے وقت کو تو ال کا لڑکا جو میرا ہم کتب تھا، مجھ سے گھرا آیا اور اس نے کہا "اور تم تمہیں میرے ابا گھر پر لاتے ہیں۔" میں اس کے ساتھ کو تو ال کے گھر پہنچا، وہ میرے والد کو جانتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا "اور میں تم کوئی بہت بڑی حماقت کر چکے ہو مجھے تھوڑی دیر پہلے گورنر کا حکم ملا ہے کہ تمہیں گرفتار کر لیا جائے اور ناظم ثانی تہائی کی قید میں رکھا جائے جانتے ہو اس کا مطلب کیا ہے؟"

میں نے بدحواس ہو کر کہا "آپ مذاق کرتے ہیں؟"

"میں مذاق نہیں کرتا ناظم ثانی قید کا مطلب یہ ہے کہ تم پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا اور تمہیں شاید ہمیشہ کے لیے ایسی کوٹھری میں پھینک دیا جائے گا۔ جہاں سے تمہاری فریاد باہر نہیں آسکے گی۔ اب بتاؤ تم نے کیا جرم کیا ہے؟"

میں نے اس سوال کے جواب میں اُسے تمام واقعات بتا دیے۔

کو تو ال کچھ دیر حیرت و استعجاب کے عالم میں میری طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے مجھ سے کہا "اچھا اب مجھے ان لوگوں کے نام بتاؤ۔"

کاغذ کے ایک پُرزے پر ان ناموں کی ایک نقل اچھی تک میری حسیب میں تھی۔ میں نے حسیب پر سے کاغذ نکالا اور تمام نام پڑھ کر سُنا دیے۔

کو تو ال ایک نام سن کر اچانک چونک پڑا اور اُس نے کہا "اسے بدبختی تم نے کر لی ہے۔"

کی جھیل میں جہانگ نگادی تھیں یہ بھی خیال نہیں آیا کہ جن لوگوں کے خلاف تم شکایت کر

کر رہے ہو۔ ان میں ناظم زہرا کا بھائی بھی ہے۔ ناظم زہرا نے تمہارا مراسلہ پڑھ لیا ہو گا اور وہ تمہاری گرفتاری کے حکم پر دستخط کر دینا اس کے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔ اب تمہاری قید موت سے بھی بدتر ہوگی، باقی آدمیوں میں سے بھی اکثر ایسے ہیں جن کے ہاتھوں میں گورنر کی کلچر ہے۔ میں نے کہا "مجھے آپ ایک بار گورنر تک جانے کا موقع دیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں اسے سمجھا سکوں گا۔"

تم یقیناً ہو تمہارا خیال ہے کہ وہ لوگ تمہیں گورنر تک پہنچنے دیں گے اور اگر پہنچ بھی جاؤ تو ان کے مقابلے میں تمہاری بات سنی جائے گی۔ دیکھو اب تمہارے لیے یہی راستہ ہے کہ تم یہاں سے فرار ہو جاؤ۔ اگر تم قریب کو بچانا چاہتے تو ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ تم سیدے اٹھ بیٹھو اور سیدے مل کر یہ تمام واقعات بتاؤ۔ اگر اس تک پہنچ سکو تو اس کے اہل کاروں سے ملو۔

مراسلہ کے خطیبوں سے ملو چڑھو میں کھڑے ہو کر چلاؤ، وہاں کوئی نہ کوئی تمہاری بات بدحواس نہ کرے گا۔ اگر کوئی تو جبر نہ بھی دے تو بھی کم از کم تم اپنی جان بچا سکو گے۔ یہاں اگر میں تمہیں گرفتار نہ کروں تو شام تک وہ مجھے معزول کر کے دوسرے کو تو ال سے یہ کام لے سکتے ہیں۔ ناظم نے مجھ کو بھجوا دیا کہ میں تمہیں گرفتار کرتے ہی اسے اطلاع دوں۔ وہ یقیناً بہت پریشان ہوگا۔

مکن ہے کہ اب تک وہ خود تمہارے گھر کا حمامہ کر چکا ہو۔ اب باتوں کا وقت نہیں بھرے۔ میں میل دودا اٹھیلیر کی سڑک پر ایک چھوٹی سی سرائے ہے، تم وہاں پہنچ کر انتظار کرو۔ شام کی نماز کے بعد میں تمہارے لیے گھوڑا اور اخراجات کے علاوہ معتمد کے نام اپنی طرف سے ایک خط بھیج دوں گا لیکن اسے یہ ضرور بتانا ہو گا کہ تمہارا اٹھیلیر پنچا میری کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اب تم گھر نہیں جا سکتے ہیں تمہاری والدہ کو تمام واقعات بتا دوں گا۔

اس کے بعد کو تو ال نے اپنے لڑکے کو آواز دی اور اس سے کہا کہ مجھے بھی پرچھا کر اٹھیلیر کی سڑک پر سرائے میں چھوڑ آئے۔

کو تو ال کا لڑکا مجھے سرائے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ شام کی نماز کے بعد کو تو ال کا ایک نوکر

میرے لیے گھوڑا، چند دیہاد اور کوئل کا مراسلہ کر پہنچ گیا اور میں نے اشیائے کار تجارت کیا۔
 اشیائے شہابی ایران میں خیا فٹوں، شاعروں، گویوں اور نقاشوں کی مجلسوں کا زور تھا
 دس دن کی ذلت و خواری کے بعد ایک مسجد کے خلیفہ کی کوششوں کے باعث مجھے معذور
 دیہات میں بایا بی کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن جس وقت میں دیہات میں کھڑا اپنی سرگزشت سنا رہا
 تھا اسی وقت قریب سے ایک قاصد پہنچا اور اس نے خبر سنائی کہ معذور کا قتل ہو چکا ہے اور
 اس کا جھکا شے قریب پر قبضہ کر لیا ہے۔

معذور نے بلا حکم یہ دیا کہ تمام پہرے دار اور افسر گرفتار کر لیے جائیں، جنہوں نے اتنے
 دن اس کو جہان کو تارے پاس آنے سے روک رکھا تھا، میرے متعلق یہ حکم ہو گا کہ شہید میں میری
 جانش کا انتقام کیا جائے۔ اب میں اپنی ماں اور بہن کا حال معلوم کرنے آیا ہوں اور یہ جانتا
 ہوں کہ قریب میں ابی حکاشہ کے سامنے سب سے زیادہ میری تلاش کر رہے ہیں گے۔

میں علی الصباح یہاں پہنچا تھا۔ مدینہ الزہراء کی ناکبندی شہر کی نسبت کہیں زیادہ شدید
 ہے۔ اندر میرا وہ راستہ وہاں جانے کی کوشش کرنا بھی خطرناک تھا۔ کیونکہ مجھے وہاں پہچاننے
 والوں کی تعداد شہر کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے میں نے یہ سوچا ہے، کہ پہلے قریب پہنچ کر
 اپنے عزیزوں اور دوستوں سے اپنے گھر کے حالات معلوم کروں، ممکن ہے کہ والدہ اور میری
 شہر میں میرے ماموں کے پاس آ چکی ہوں، علی الصباح باہر سے پھل، سبزیاں، اناج، ایندھن
 اور چندہ وغیرہ لے جاتے وہ لوگ کو قریب کے مشرقی اور جنوبی دروازوں سے شہر میں داخل
 ہونے کی اجازت دی جاتی ہے اور میں ایک گھڑا ہارے کے بغیر میں قسمت آزمائی کرنا چاہتا
 ہوں۔ میں یہاں سے تھوڑی دور اشیائے شہر کی طرح کے کناسے ایک ہستی میں اپنا گھوڑا چھوڑ آیا
 ہوں۔ وہاں ایک کسان کچھ مدت پہلے ہندسے باج لگائی تھا اور یہ لباس بھی میں نے وہیں تبدیل
 کیا ہے۔ یہاں دروازے پر کڑا میں یہ دیکھ رہا تھا کہ شہر سے باہر نکلنے والوں میں سے اگر کوئی
 میری زبان چنانچہ وہاں تو اس سے اپنے گھر کا حال پوچھوں۔ اب تم بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے؟

معذور نے جواب دیا: میں اب جان کا حال معلوم کرنے آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ باغیوں نے
 سب سے پہلے انہیں آزاد کر دیا ہو گا۔ لیکن ان حالات کے پیش نظر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ
 اب جان ابی حکاشہ جیسے آدمی کی اطاعت قبول کر کے آزادی حاصل کرنے پر قید کو ترجیح دیں
 گے اور تمہاری سرگزشت سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمہیں ہرگز شہر میں داخل
 نہیں ہونا چاہیے۔ شہر میں جس کام کے لیے تم اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو وہ میں
 با آسانی کر سکتا ہوں۔ اگر تم اپنی والدہ اور بہن کو اشیائے شہر لے جانا چاہتے ہو تو میں انہیں تمہارے پاس
 پہنچا دوں گا۔ میرے لیے صرف شہر میں داخل ہونے کی ایک مسئلہ ہے اس کے بعد میں ہرگز قریب
 کے ساتھ پھر سکوں گا۔ لیکن تمہارے لیے وہاں کوئی جگہ محفوظ نہیں ہوگی۔ وہ یقیناً تمہاری تلاش میں
 ہوں گے اور مدینہ الزہراء میں تمہارے مکان اور قریب میں تمہارے رشتہ داروں کے گھروں پر ان کا
 پہرہ ہو گا اور اس بات کا کیا وہ امکان ہے کہ تم ان کی مدد کرنے کی بجائے ان کے لیے مصیبت کا
 باعث بن جاؤ۔

اور میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: اگر قدرت نے تمہیں میری مدد کے لیے بھیجا ہے
 تو میں خود کو خطرہ مول نہیں لیتا چاہتا۔

شام ہو رہی تھی۔ سعدا اور میں نے دیا کے کناسے نماز پڑھی اور بتی کی طرف چل بیٹے
 لات کے وقت انہوں نے کسان کے گھر قیام کیا۔ علی الصباح معذور نے اپنا گھوڑا وہیں چھوڑا
 اور ایک گدے پر جھانے کی گڑیاں لا کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔

اسے رخصت کرتے وقت اور میں نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا: سعدا
 میں نے کبھی اتنا خوش وضع گھڑا ہار نہیں دیکھا۔ تم ہر لباس میں ایک سپاہی نظر آتے ہو۔
 مجھے ڈر ہے کہ تم پر سے داروں کو دھوکا نہیں دے سکو گے۔

معذور نے جواب دیا: ”امیدمان رکھو، پہرے دار مجھے تمہاری آنکھوں سے نہیں
 دیکھیں گے۔“

ایک فردی کام کے لیے جاما ہے۔

الماس نے کہا: آج کے متعلق میں ان کے ہر دست سے پوچھ چکا ہوں۔ وہ سب کہتے ہیں کہ ابن عکاشہ قیدیوں کو رہا کرنے سے پہلے ان سے طیلطہ کے حکمران مامون کی بیعت لے گا۔ مامون شاید آج یا کل یہاں پہنچ جائے۔

لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ اہل قرطبہ مامون کی غلامی قبول کر لیں گے؟

الماس نے جواب دیا: اہل قرطبہ اب بکریوں کا ریوڑ بن چکے ہیں جنہیں ہر وہ شخص جس

کے پاس پھڑی ہو ہانک سکتا ہے۔ امراء کے ایک گروہ نے انہیں ایشیلیہ والوں کے ہاتھ فروخت

الماس کے بعد امراء کا دوسرا گروہ اٹھا اور انھوں نے ان بکریوں کو طیلطہ والوں کے ہاتھ فروخت

کے لیے جس رات ابن عکاشہ نے گورنر کے محل پر قبضہ کیا تھا ہم بہت خوش تھے۔ مجھے یقین تھا

کہ قدرت نے اُسے اہل قرطبہ کو ایشیلیہ والوں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لیے بھیجا ہے لیکن

مگر وہ یقیناً نہیں یہ تہ پہلا کہ وہ قرطبہ کے بااثر آدمیوں سے مامون کی بیعت لے رہا ہے اور جو

وہ اس کی بیعت سے انکار کرتے ہیں انہیں پھانسی یا قید کی سزا دی جا رہی ہے۔ گلے سے

ایک ہفتہ پہلے ہی باہر سے کئی لوگ شہر میں جمع ہو رہے تھے اور اہل قرطبہ یہ سمجھ کر انہیں اپنے

گھروں میں جگہ دے رہے تھے کہ یہ لوگ قرطبہ کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کے لیے آئے

ہیں لیکن یہ مامون کے سپاہی تھے میں نے بھی چار دن تک پندرہ آدمیوں کو اس مکان میں

پھنسنے کے لیے جگہ دی تھی۔

سعد نے سوال کیا: تمہیں ادیس کے خاندان کا کچھ علم ہے؟

الماس نے جواب دیا: میں تمہیں یہ بتانے ہی والا تھا۔ ادیس اس انقلاب سے کئی

روز پہلے نائب ہو گیا تھا چند دن پولیس اس کی تلاش میں بہت سرگرداں رہی۔ شہر کے سب

امراء جواب ابن عکاشہ کے طرفدار ہیں ان دنوں ادیس کی تلاش میں عباد کے سپاہیوں کی

نسبت کہیں زیادہ مضطرب تھے۔ میں حیران ہوں کہ اس نے کس جرم کے عوض ایک وقت

الماس اپنے اصل کے سامنے لکڑی کے ایک ٹکڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ

میں تھا۔ اچانک پیچھے سے کسی نے آکر بلند آواز میں کہا: آپ لکڑیاں خریدیں گے؟

الماس نے چونک کر پیچھے دیکھتے ہوئے نو عمر لکڑہارے سے کہا: بھاگ جاؤ، یہیں لکڑیوں

کی فروخت نہیں۔ لیکن اچانک اس کی توجہ لکڑیوں سے لے کر اپنے گھر کی طرف مبذول ہو گئی

جو اصل کی تازہ گھاس کے ڈھیر پر چڑھ کر اپنی بھوک کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

الماس آگ بگولا ہو کر اٹھا اور لکڑہارے کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین کر گدے پر ٹوٹ پڑا

لکڑہارے نے ڈنڈے کھانے کے بعد باغ کی طرف بھاگ نکلا۔ لکڑہارے نے آگے بڑھ کر الماس

کا بازو پکڑتے ہوئے کہا: بیچو الماس یہ گدھا بڑا ہے؟

الماس نے ٹھٹھے کی حالت میں اپنا بازو پھرنے کی کوشش کی لیکن لکڑہارے کے ہاتھ کی

گرفت اس کی توقع سے کہیں زیادہ سخت تھی۔ اس نے پہلی بار لکڑہارے کی طرف فوراً دیکھا

اور اس کا غصہ مسرت میں تبدیل ہو گیا: "سعد اتم؟" اس نے لکڑہارے کو گلے لگاتے ہوئے کہا

سعد نے سوال کیا: پہلے مجھے باجان کے متعلق بتاؤ؟

الماس نے منموں بچے میں جواب: "ان کا کچھ پتا نہیں چلا۔ ابھی تک ان کا کوئی ہادر سامنے

بھی رہا نہیں ہوا۔"

الماس سعد سے کئی سوالات پوچھنے کے لیے بے قرار تھا لیکن باقی نو کردوں کو اس کے

گرد جمع ہوتے دیکھ کر اس نے سعد کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے مکان کی طرف کھینچے ہوئے کہا: اگر

کوئی خطرناک بات ہے تو تمہارا یہاں کھڑا رہنا ٹھیک نہیں۔"

مکان کے ایک کمرے میں داخل ہو کر الماس نے کہا: تم یہاں بیٹھو میں نو کردوں کو کچھ

ہدایات دے آؤں؟

سعد نے کہا: "بیچا الماس گھبراؤ نہیں۔ میں نے یہ بھیس صرف شہر میں داخل ہونے کے

لیے تبدیل کیا تھا۔ اب میرے لیے ایک طالب علم کے لباس کا انتظام کرو۔ مجھے شہر میں

(۸)

رات کے وقت ادریس کی بہن میمونہ ایک کرسی پر بیٹھی شیخ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس کی ماں دوسرے کمرے میں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد حسب معمول کوئی وظیفہ پڑھ رہی تھی کہ کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

میمونہ چونکہ کراچی اور پاس ہی اپنے بستر کے پیچھے چھپا ہوا خزانہ نکال کر جبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ میمونہ کچھ دیر دروازے کے ساتھ کان لگا کر کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کون ہے؟ میمونہ نے پوچھا۔

باہر سے کسی نے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا: ”درو نہیں میں سعد ہوں اور ادریس کا بیٹا لایا ہوں۔“

ادریس میں میمونہ کی ماں بھی برابر کے کمرے سے نکلی کراچی بیٹی کے قریب پہنچ گئی اور اس نے خورہ ہو کر کہا: ”کیا ہے میمونہ؟“

میمونہ کی بجائے باہر سے سعد نے جواب دیا: ”میں سعد بن عبد النعم ہوں، مجھے ادریس نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“

میمونہ کی ماں نے قدرے وقف کے بعد دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر داخل ہوا سعد ایک سپاہی کے لباس میں تھا اور میمونہ ادریس کی ماں تذبذب اور پریشانی کی حالت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

سعد نے اپنی جیب سے ایک کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر ادریس کی ماں کے ہاتھ میں دے دیا۔ ”مجھے ڈر تھا کہ آپ شاید مجھے پہچان نہ سکیں۔ اس لیے ادریس سے یہ رقعہ لے آیا ہوں۔ ادریس کی ماں دروازے کو بند کر کے کنڈی لگانے کے بعد شمع کے قریب جا کر رقعہ پڑھنے لگی۔ اچانک مکان کے ایک کونے سے کسی کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا۔ آہٹ سنائی دی اور کسی نے

اشبیلیہ کے حکمرانوں اور قریبہ کے بااثر لوگوں کی دشمنی مول لے لی تھی۔ شہر میں اُس کے ہر عزیز اور شہرہ دار کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ اس کے ماموں نے اس کی ماں اور بہن کو غریزہ انگریز سے شہر میں لانے کی کوشش کی لیکن انھیں وہاں سے گھر چھوڑنے کی اجازت نہیں ملی۔ اس انقلاب کے بعد میرزا یہ خیال تھا کہ ان کے ساتھ ابن عکاشہ کا رویہ عباد کے طرز عمل سے مختلف ہوگا لیکن کل شام مجھے مسجد میں ادریس کا ماموں ملا تھا اس نے بتایا کہ اب ادریس کے مکان پر ابن عکاشہ کی پولیس کا پھرہ اور زیادہ سخت ہے۔ ادریس کا ماموں زاد بھائی جس کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہیں ان کی خیر لینے کے لیے گیا تھا۔ سپاہیوں کو شک گذرا کہ وہ شاید ادریس کا اچھی بن گیا ہے۔ چنانچہ اسے سخت جسمانی امتحان پھینکا اور ادریس کا پتہ دینے پر مجبور کیا گیا لیکن اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ ادریس کہاں ہے۔“

سعد نے سوال کیا: ”کسی نے اُس کی ماں اور بہن کے ساتھ سختی تو نہیں کی؟“

”اشبیلیہ والے تو پولیس کو عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن اب ایک ڈاکو کی حکومت ہے اور ہر بات ممکن ہے۔“

سعد نے کہا: ”میں انھیں فوراً ادریس کے پاس پہنچانا چاہتا ہوں۔ وہ شہر سے باہر ان کا مکان کد ہے۔“

”وہ تمہیں کب ملا؟“

”کل۔“

”تم نے پوچھا کہ اس نے کیا جرم کیا ہے؟“

”اس نے حکومت کو بد وقت ابن عکاشہ کی سازش سے باخبر کرنے کی کوشش کی تھی۔“

انہوں نے حیران ہو کر سوال کیا: ”اگر یہ بات سچی تو اشبیلیہ کے حکام اسے کس لیے گرفتار کرنا چاہتے تھے؟“

اس سوال کے جواب میں سعد نے مختصر ادریس کی سرگزشت بیان کر دی:

نسوانی آواز میں کہا "میمونہ! میمونہ!!"

میمونہ بدتر اس ہو کر اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

برآمدے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور میمونہ کی ماں نے قدرے خوفزدہ ہو کر کہا "بیٹا تم کچھ کرے میں چھپ جاؤ۔ یہ بیماری اتنی خاد مہ ہے۔ جسے ناظم زہرا نے ہم جاسوسی کیے مقرر کیا ہے۔"

سعد بھاگ کر کمرے کے عقب میں ایک کوٹھڑی کے اندر چلا گیا۔ میمونہ اپنی ماں کے اشارے سے بستر پر لیٹ گئی۔ وہاں نے جلدی سے کاغذ فیرہ اس کے تکیے کے نیچے چھپا دیا۔

خادم نے دروازے کے قریب پہنچ کر کہا "ابھی باہر سے اس طرف کوئی آیا ہے؟"

"اس وقت کون آسکا ہے؟"

مجھے ابھی دروازہ کھلنے کی آہٹ سنائی دی تھی۔

"میمونہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا میں نے ابھی بند کیا ہے۔"

مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ یہاں کوئی باتیں کر رہا ہے۔

"میں میمونہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔"

"نہیں آپ کی آواز برآمدے میں نہیں پہنچ سکتی۔ شاید کوئی برآمدے میں بول رہا تھا۔"

ادریس کی ماں نے دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل کر کہا "تمہیں مغالطہ ہوا ہے ابھی ڈیوٹی میں نوکروں کو مچا ہے۔"

خادم نے اندر بھاگتے ہوئے کہا "کیوں میمونہ تم نے بھی کسی کی آواز نہیں سنی؟"

میمونہ نے قدرے بڑکھڑکیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم کسی طبیب سے اپنے کانوں کا معائنہ کرواؤ۔"

خادم کے دل میں جو شبہات ادریس کی ماں کی گھبراہٹ کے باعث پیدا ہوئے تھے، وہ میمونہ کی خود اعتمادی نے دور کر دیے اور وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ادریس کی ماں نے دوبارہ دروازہ بند کر دیا اور کچھ دیر خادمہ کے واپس لوٹتے ہوئے قدموں

کی آواز سنتی رہی۔ بالآخر جب اس کے کمرے کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

سعد عقب کی کوٹھڑی سے نکل کر کمرے میں آگیا۔ ادریس کی ماں نے میمونہ سے کہا "بیٹی تمہیں اس کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آنا چاہیے۔ وہ اگر نوکروں کو بلا کر مکان کی تلاشی دیتی تو پھر کیا ہوتا؟"

میمونہ نے کہا "میں اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیتی۔"

سعد نے کہا "میرے خیال میں اگر میمونہ کا طرز عمل اس سے مختلف ہوتا تو اس کے شکوک اتنی جلدی دور نہ ہوتے۔"

"بیٹا! تم اُسے نہیں جانتے، وہ سوئے سے پہلے ایک بار نوکروں کو باجیر ہونے کے لیے ضرور دیکھے گی۔ یہاں یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ میں خیران ہوں کہ تم مکان میں کیسے داخل ہوئے؟"

سعد نے جواب دیا "میں باغ کی طرف سے دیوار پھانڈ کر آیا ہوں۔"

"چلو اسی کمرے میں۔" یہ کہتے ہوئے میمونہ کی ماں نے شمع اٹھالی اور سعد اس کے نیچے عقب کے کمرے میں داخل ہوئے۔

میمونہ کی ماں کے استفسار پر سعد نے مختصر ادریس کے ساتھ اپنی ملاقات کے واقعہ

بیان کر دیے۔ اختتام پر جب اس نے انہیں یہ کہا کہ آپ تھوڑی دیر تک یہاں سے چلنے کے

لیے تیار ہو جائیں تو میمونہ کی ماں نے کہا "بیٹا! تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ہمارے تمام پرانے

نوکر دوں کو یہاں سے نکال دیا گیا ہے۔ دو نوکر جس وقت ڈیوٹی میں ہیں وہ پولیس کے آدمی ہیں۔

یہ خادم بھی ان کے ساتھ ہے۔ پرسوں میزے بھائی کا کس لڑکا ہجاری خبر لینے کے لیے آیا تھا۔

ان نوکروں نے پولیس کو خبر پہنچا دی اور وہ اُسے پکڑ کر چوکی میں لے گئے۔ ہمیں یہ خبر بھی نہیں

کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے۔"

سعد نے کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسے زد و کوب کر کے ادریس کا پتہ معلوم کرنے کی

کوشش کی گئی تھی۔ اب وہ اپنے گھر میں ہے۔

ان حالات میں تم خود سمجھ سکتے ہو کہ ہمارا یہاں سے نکلا کتنا مشکل ہے۔

”آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں سارا انتظام کر چکا ہوں۔“

میمونہ کی ماں نے کہا: ”مجھے ڈسپہ کہ ہماری وجہ سے ادیس گھر فارغ ہو جائے۔ کاش تم اُسے واپس اٹیلیئر چلے جانے کا مشورہ دیتے اور ہم حالات کے اعتدال پر آتے ہی وہاں روانہ ہو جاتیں۔“

سعد نے کہا: ”وہ قریب سے باہر ایک محفوظ جگہ پر ہے۔ آپ اس کے متعلق پریشان نہ ہوں میں تھوڑی دیر کے لیے باہر جاتا ہوں، اتنے عرصے میں آپ تیار ہو جائیں۔“

میمونہ نے پریشان ہو کر کہا: ”آپ ڈیوری میں پہرہ داروں کے ساتھ الجھنے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دو ہیں، اور ممکن ہے کہ سڑک پر گشت لگانے والے سپاہیوں کی کوئی ٹولی بھی ان کی مدد کے لیے پہنچ جائے۔“

سعد نے جواب دیا: ”آج میں لڑنے کے ارادے سے نہیں آیا، تاہم اگر لڑائی کی ضرورت پڑی تو میں اکیلا نہیں ہوں۔“

سعد نے دوسرے کمرے میں آکر آہستہ سے دروازہ کھولا اور دبے پاؤں باہر نکل گیا۔

ماں اور بیٹی ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔

(۹)

تھوڑی دیر بعد میمونہ ادیس کی ماں سفر کی تیاری کرنے کے بعد اپنے سونے کے کمرے میں سعد کا انتظار کر رہی تھیں۔ میمونہ کی ماں اپنے زیورات کے علاوہ چند ضروری کپڑے ایک چھوٹی سی گٹھری میں باندھ چکی تھی۔

میمونہ نے اپنے سیکے کے نیچے سے ادیس کا رقعہ نکالتے ہوئے اپنی ماں سے کہا: ”ابی اویجیے اگر ہم یہ رقعہ یہاں چھوڑ جاتے تو غضب ہو جاتا۔“

ماں نے رقعہ اس کے ہاتھ سے لے کر شمع کی لو پر رکھ کر جلاتے ہوئے کہا: ”خدا کا شکر ہے کہ تمہیں اس کا خیال آ گیا۔ ورنہ میں تو بھول چکی تھی۔“

ایک ساعت اور گزرنے کے بعد انھیں ڈیوری کی طرف کچھ شور سنا دیا۔ میمونہ نے اپنا خنجر منبھاتے ہوئے کہا: ”امی وہ شاید لڑ رہے ہیں۔“

میمونہ نے باہر نکلنا چاہا لیکن اس کی ماں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا: ”عشر و! ایسے موقع پر ذرا اسی غلطی میں مصیبت میں ڈال دے گی۔“

میمونہ کو پیچھے ہٹا کر وہ خود دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن ڈیوری کی طرف سے اب کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اچانک خادمہ پھر ”میمونہ! میمونہ!“ کہتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ میمونہ نے اپنی ماں کو دروازے سے ایک طرف ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: ”امی اسے اندر آئے دو، ورنہ وہ شور مچائے گی۔“

خادمہ نے کمرے کے قریب پہنچتے ہوئے پھر کہا: ”میمونہ یہ شور کیسا تھا؟ میمونہ! میمونہ! بولتی کیوں نہیں۔ دروازہ کھولو!“

”دروازہ کھلا ہے۔ لیکن تم چاہتی کیا ہو؟“ خادمہ نے اندر داخل ہو کر کہا: ”تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔ اس وقت ادیس آیا تھا اور تم نے اُسے اندر چھپا رکھا ہے۔“

میمونہ نے اچانک اس کی طرف اپنا خنجر سیدھا کر دیا۔ خادمہ نے بدحواس ہو کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن میمونہ نے اُس کا راستہ روکے ہوئے کہا: ”اگر تم نے شور مچایا تو میں خنجر تمہارے پیٹ میں گھونپ دوں گی!“

”نہیں نہیں۔ میں نے تمہارے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی۔ دیکھو یہ خنجر بہت تیز ہے ایسا طاق اچھا نہیں ہوتا۔ بیگم آپ اسے منع کریں!“

”دیکھو میں تمہیں کہتی ہوں، شور نہ مچاؤ اگر اپنی جان کی خیر چاہتی ہو تو اس کو گٹھری

محموس کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا: "اب آپ سب آرام کریں۔ صرف ایک آدمی اس کوٹھری کا پرہ دینے کے لیے کافی ہے۔"

(۱۰)

سعد کے ساتھ دوسرا نقاب پوش الماس تھا۔ اسی رات کے قریب وہ میمونہ اور اس کی ماں کے ساتھ دبے پاؤں مکان کا صحن عبور کرنے کے بعد دیوڑھی میں پیچھے سے ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر ادھر ادھر دیکھا۔ سڑک پر تھوڑی دور اُسے چند آدمیوں کے پاؤں کی آہٹ سنا دی اور وہ بھاگ کر دیوڑھی کے اندر آ گیا۔

الماس نے کہا: "اگر ہم مکان کے عقب سے دیوار چھانک کر باغ میں داخل ہو جاتے تو بہتر ہوتا۔"

"بھڑوا! سعد یہ کہتے ہوئے کوڑوں کی درز سے باہر بھاگنے لگا۔"

جب پاؤں کی آہٹ قریب آگئی تو الماس نے کہا: "دروازہ بند کر دو۔ یہ پیر یا دیوں کی ٹولی معلوم ہوتی ہے۔"

سعد نے قدرے توقف کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ جب گشت لگانے والے پیر یا رگزر گئے تو اس نے دوبارہ دروازہ کھول کر باہر بھاگتے ہوئے کہا: "اب جلدی سے نکل آؤ!"

چند قدم چلنے کے بعد وہ سڑک چھوڑ کر ایک گھنے باغ میں داخل ہو گئے اور سعد نے مڑا اپنے راتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "بیچا الماس! اب تم رہنمائی کرو! الماس ان کے گائے ہو گیا۔"

مدینہ الزہراء کے شاہی ایوان اور سرکاری عمارات کی چار دیواری سے باہر مغرب کی طرف باغات کا سلسلہ دوڑ نک پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں گہرے کھڑبو برسات کے دفوں میں تیز رفتار پہاڑی ندیوں اور نالوں میں تبدیل ہو جاتے تھے اور باغات کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتے تھے۔ گزشتہ چند ماہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ ندیاں قریباً خشک تھیں۔

باغات کو سیراب کرنے والی بعض نہروں میں گھٹنے گھٹنے پانی تھا۔

رات کے پچھلے پیر یہ ایک نسا سا چکر کاٹ کوئی اڑھائی تین میل نیچے کی طرف

میں چلی جاؤ۔ ورنہ! میمونہ نے خنجر کو ذرا جنبش دی اور خادمہ خوف سے کانپتی ہوئی کوٹھری کے اندر چلی گئی۔ میمونہ نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور پھر کنڈی چڑھاتے ہوئے کہا: "بدطینت اور منافق لوگ ہمیشہ ڈر لوگ ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر تم نے اندر سے شور مچایا تو ہم اس مکان کو آگ لگا کر باہر نکل جائیں گے۔"

صحن میں سعد کو کسی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اس کر میمونہ اور اس کی ماں باہر نکل آئیں۔ اب سعد کے چہرے پر نقاب تھا اور اس کے پیچھے ایک اور نقاب پوش کسی کو اپنے کندھے پر اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ قریب آ کر سعد نے کہا: "میمونہ تمہاری خادمہ کون سے کمرے میں ہے؟"

میمونہ نے جواب دیا: "میں اُسے کوٹھری میں بند کر دیا ہے۔"

"بہت اچھا کیا اب تمہارے نوکرؤں کے لیے بھی ایک کوٹھری کی ضرورت ہے۔"

"ان کے لیے ہمارے غسل خانے بہت رہیں گے۔"

"بہت اچھا تم راستہ دکھاؤ!"

میمونہ نے شمع اٹھا کر اس کی رہنمائی کی اور قوی ہیکل نقاب پوش نے رسیوں میں جھولنے ہوئے نوکر کو غسل خانے کے اندر ڈال دیا۔ اس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا اور میمونہ کو اس کی حالت دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آ رہی تھی۔

سعد نے کہا: "اچھا اب دوسرے کو بھی لے آؤ!"

تھوڑی دیر میں سعد کے ساتھی نے دوسرے نوکر کو بھی غسل خانے میں پہنچایا۔ غسل خانے کا دروازہ بند کرنے کے بعد وہ خادمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ سعد نے اس کی کوٹھری کا دروازہ کھول کر کہا: "دیکھو تم ایک عورت ہو۔ ہم تم پر سختی نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو تمہارا گلا گھونٹ دیا جائے گا۔"

میمونہ نے کہا: "آپ اس کی فکر نہ کریں اگر اس نے شور مچایا تو میں مکان کو آگ لگا دوں گی۔"

سعد نے دوبارہ دروازہ بند کرنے کے بعد خادمہ پر اور زیادہ اثر ڈالنے کی ضرورت

”تمہارے ابا جان! تین کا کچھ پتہ چلایا نہیں؟“

”وہ ابھی تک قید میں ہیں۔“

میمونہ یہ گفت گو سن کر ان کے قریب آگئی۔ اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا: ”آپ

بھی مجھے ساتھ ایشیلیہ جائیں گے؟“

”نہیں میں تمہیں ادریس کے ساتھ روانہ کرنے کے بعد میں واپس قرطبہ جاؤں گا میں نا

جان کے متعلق معلوم کرنے آیا تھا۔“

میمونہ کی ماں نے کہا: ”بیٹا! ان کا پتہ لگانے کے بعد ہمیں ضرور اطلاع دینا اور اگر خدا نخواستہ

میرے آواز نہ بھی ہوں تو بھی تمہارا قرطبہ رہنا ٹھیک نہیں ہو گا۔ ابن حکاشہ ہر نیک انسان کو

خدا دشمن سمجھتا ہے۔“

سعد نے جواب دیا: ”ادیس کی زمین اب ہر جگہ خدا کا نام لینے والوں کے لیے تنگ ہو رہی

”خدا معلوم ہمارا انجام کیا ہو گا؟“

دور سے الماس کی آواز آئی: ”سعد! آؤ!!“

سعد، میمونہ اور اس کی ماں دنیا کے اوپر کی طرف چل پڑے۔ الماس کے قریب پہنچ کر

سعد نے سوال کیا: ”ماہی گیر کہاں ہے؟“

”وہ کشتی دریا کے کنارے لگا کر سو رہا تھا، اب اس طرف آ رہا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد ماہی گیر کشتی نے کراہنے لگا اور وہ سب اس پر سوار ہو گئے۔

طالع نے کہا: ”دیکھیے آپ باتیں نہ کریں۔ اگر دوسرے کنارے کسی سپاہی نے مجھے اس

وقت کشتی چلاتے دیکھ لیا تو کشتی ضبط کر لی جائے گی اور میں قید خانے بھیج دیا جاؤں گا۔ رات

کے وقت ہمیں کسی کشتی پر بٹھانے کی اجازت نہیں۔ آپ دوسرے کنارے پہنچ کر کسی سے

اس بات کا ذکر بھی نہ کریں۔“

دوسرے کنارے پہنچ کر کشتی سے اترنے کے بعد الماس نے اپنی جیب سے ایک گھوٹی

دیر بے ادبی الگبیر کے کنارے پہنچ چکے تھے۔

الماس نے کہا: ”اب آپ یہاں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر الماس نے چھوٹی

سی گھڑی زمین پر رکھ دی اور تاریکی میں غائب ہو گیا۔ میمونہ کی ماں جو تھکاوٹ سے چور ہو

چکی تھی، زمین پر بیٹھ گئی۔

سعد نے کہا: ”آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ میں نے پہلے سوچا تھا کہ آپ کے لیے گھوڑا

کا انتظام کروں۔ لیکن اس میں بہت سے خطرات تھے۔“

”بیٹا میری تھکاوٹ ادریس تو دیتے ہی دور ہو جائے گی۔ وہ یہاں سے کتنی دور ہے؟“

”بس دریا کو عبور کرنے کے بعد ہمیں نیا دہ سے زیادہ کوئی آدھ میل اور چلنا پڑے گا۔ خدا

کے کشتی والا ماہی گیر پہنچ گیا ہو؟“

”اور اگر وہ نہ آیا تو؟“

”پھر ہم یہ کوشش کریں گے کہ آس پاس کی لہیروں سے کسی اور ماہی گیر کی کشتی مل

جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو میں تیر کر دریا عبور کروں گا اور ادریس کو یہاں بلالادوں گا۔ ایک

گھوڑا ادریس کا اپنا ہے اور ایک میں اس کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ ہم گھوڑے بھی اس پار

لے آئیں گے۔ یہاں سے چند میل اور نیچے کی طرف ایک پل ہے۔ اس پل کو عبور کرنے کے بعد

آپ ایشیلیہ کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچ سکیں گی، لیکن مجھے یقین ہے وہ ماہی گیر ضرور

آئے گا۔ الماس نے جس آدمی کے سپرد یہ کام کیا تھا، وہ بہت ہوشیار ہے۔“

(۱۱)

میمونہ دریا کے کنارے کھڑی سنگریزے اٹھا اٹھا کر پانی میں بھینک رہی تھی۔ اچانک

اس کی ماں کے دل میں کوئی خیال آیا اور اس نے کہا: ”بیٹا مجھے معاف کرنا! میں اس قدر

پریشان تھی کہ تمہاری ماں کی خیریت پوچھنا بھول گئی۔ ان کا کیا حال ہے؟“

”وہ بخیریت ہیں۔ امی جان نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں قرطبہ پہنچ کر آپ کا حال ضرور معلوم کروں

ہے کہ دوسری بار ہم کب اور کون سے بھیس میں ملیں گے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم کسی وقت کے بغیر ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔

میمونہ سعد کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی عمر کے اس حصے میں تھی جہاں لمبی اور جوانی کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔ اس عمر کی لڑکیوں کے تاثرات عام طور گہرے اور پریا نہیں ہوتے۔ مگر شہتہ چند گفتگوں میں اس نے سعد کے متعلق اس سے زیادہ نہ سوچا تھا کہ وہ اس کے بھائی کا دوست ہے۔ اس لیے اُسے ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔ وہ رحمت اور ہلاکت ہے اور انھیں مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ ایک دفعہ اس نے تیر چلا کر اس کی گڑیا درخت کے اتاری تھی اور وہ اپنی سیلیوں سے کہا کرتی تھی کہ اس کے بھائی کا ایک دوست فرطیہ سترین تیر انداز ہے اور اب جب کہ اس سے یاچ سال کے بعد اُسے ایک سپاہی کے لباس میں دیکھا تھا تو وہ یہ سوچ رہی تھی کہ میں ایشیلیہ بن اپنی نئی سیلیوں کو یہ دانتا بتایا کروں گا۔ سعد نے اچانک اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا یہ یوں میمونہ تم بھی مجھے پہچان لو گی نا؟

میمونہ نے ایک خفیف سی مسکراہٹ کے بعد انھیں بھکالیں۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہو گئے تو میمونہ کچھ دور تک مسرت کر سعد کی طرف دیکھتی رہی۔ سعد کے الفاظ بار بار اس کے گانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ تصورات کی ایک نئی دنیا میں تھی مستقبل کی کسی موہم شاہراہ کے کوراہ پر کوئی اجنبی اُسے کہہ رہا تھا۔ "میمونہ! تم مجھے پہچانتی ہو نا؟" اور وہ ماضی کے دھندلے سے آئینے میں اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے دل کی معصوم لطف اور خوشگوار دھڑکنیں کہہ رہی تھیں کاش یہ اجنبی سعد کے سوا کوئی اور نہ ہو!۔

ادریس کے روانہ ہونے سے تھوڑی دیر بعد سعد اور الماس دیہاتی کاشتکاروں کے کھ میں شہر کا رخ کر رہے تھے۔ سعد اپنے سر پر سیب اور الماس مرغیوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے تھا۔

(۱۲)

سعد قرطہ میں تین پتے رہا۔ اس عرصے میں مامونہ والنون ایک فاتح کی حیثیت سے شہر

سی پھیلی نکال کر طاح کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "اس پھیلی میں دس دینار ہیں۔ تمہارے ساتھ آٹھ کا وعدہ کیا تھا۔ میں دو دینار تمہیں بطور انعام دے رہا ہوں۔"

علی الصباح میمونہ اور اس کی ماں بستی کے ایک تنگ مکان کے صحن میں ادریس کے سامنے کھڑی تھیں۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹیں اور آنکھوں میں شکر کے آنسو تھے۔

گھوڑے تیار کرنے کے بعد سعد نے کہا "ادریس اب باتوں کا وقت نہیں تم فوراً سواری ہو جاؤ مکان سے باہر نکل کر وہ گھوڑوں پر سواری ہو گئے۔ ادریس نے میمونہ کو اپنے ساتھ بٹھالیا اور اس کی ماں دوسرے گھوڑے پر سواری ہو گئی۔ سعد نے اپنی جیب سے ایک پھیلی نکال کر ادریس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہیں راستے میں ضرورت پڑے گی؟"

ادریس نے احسان مندی اور محبت کے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا "سعد! راستے کی ضرورت کے لیے میرے پاس بہت ہے۔ اگر ضرورت ہوتی تو میں خود مانگ لیتا۔" سعد نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تم ایشیلیہ کی سڑک میں داخل ہوتے ہی ایک اور گھوڑا خرید لو تا کہ میمونہ کو تکلیف نہ ہو۔"

"مجھے گھوڑا خریدنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ معتمد کے وزیر نے مجھے قرطبہ کی سڑکی چوکی کے افسر کے نام مراسلہ دیا تھا وہ مجھے ہر ممکن سہولت جیسا کہے گا۔"

ادریس کی ماں نے کہا "سعد! میں بھی گھر سے خالی ہاتھ نہیں آئی۔ میں نے گھڑی میں تمام نقدی اور جواہرات باندھ لیے تھے۔"

سعد نے کہا "بہت اچھا۔ میں آپ کو مجبور نہیں کرتا۔ دیکھو ادریس جب تم ایشیلیہ پہنچو تو غرناطہ میں ہمارے گھر ضرور اطلاع دے دینا۔ شاید میں بھی چند دن تک وہاں پہنچ جاؤں۔" "تم کبھی ایشیلیہ نہیں آؤ گے؟"

سعد نے قدرے توقع کے بعد جواب دیا "اس وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تاہم میں یہ محسوس کرتا ہوں کسی دن ایشیلیہ میرے راستے کی اہم ترین منزل ہو گا۔ خرابہ نہ جاتا۔"

سے نکال کر قریبہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس کام میں اس قدر احتیاط برتی گئی کہ اہل قریبہ کمان کے منتقل کیے جانے کا علم نہ ہو سکا۔ لوگوں کی رہی سہی بے چینی دور کرنے کے لیے ابن عکاشہ نے یہ اعلان کر دیا کہ شہر پر اس کا قبضہ ہونے سے پہلے ہی عبدالنعم اور اس کے ساتھی قید خانے سے نکلے ہوئے تھے، ان کے متعلق تحقیقات ہو رہی ہے۔ اس اعلان سے دو دن بعد ایک شخص نے جامع قریبہ میں یہ اعلان کیا کہ میں عبدالنعم کے ساتھ قید ہوا تھا، عبدالنعم اب میرے دوسرے ساتھیوں نے ایک رات قید خانے سے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن پہرہ داروں نے انھیں گرفتار کر لیا اور اس کے بعد دروغ نے انھیں خطرناک قیدی سمجھ کر قتل کر دیا۔ میں چونکہ ان دنوں بہادر اور میں نے فرار ہونے کی سازش میں حصہ نہیں لیا تھا اس لیے میں قتل ہونے سے بچ گیا۔ یہ کوئی وہی تھا جس نے قید سے آزاد ہونے کے لیے مامون کی بیعت کر لی تھی اور بعد میں یہ اعلان اس نے ابن عکاشہ کے حکم سے کیا تھا۔

اس کے بعد چند دن تک ابن عکاشہ اپنے زر خرید عمار کی وساطت سے یہ منادی کو فاما کر اہل قریبہ معتقد سے عبدالنعم اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا انتقام لینے بغیر جینے نہیں بیٹھیں۔ پھر ایک دن مامون خود جامع قریبہ میں آیا اور اس نے تقریر کی کہ ہمیں ان بہادروں کے قتل کیے جانے کا بہت دکھ ہے اور ہم اہل قریبہ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اپنے خزانے سے ان کے بال بچوں کی پرورش کا انتظام کریں گے۔

(۱۳)

مسعد کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ الماس اندر داخل ہوا۔ مسعد نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا: ”کو تو ال کیا کستا تھا؟“
”وہ کستا تھا کہ اگر تمہارے آقا کے بال بچے خزانہ سے یہاں نہیں آسکتے تو پر سوں نہیں خود بادشاہ کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔“

”تم نے اسے یہ نہیں کہا کہ ہم سرکاری اعانت کے محتاج نہیں؟“

میں داخل ہو چکا تھا۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ مامون کو دیکھ کر اہل قریبہ کی عزت ملک بابر پھر خوش ماہرے گی لیکن انھیں بالوسی ہوئی۔ جب ابی عکاشہ مامون کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلا تو قریبہ کے بااثر امراء اس کے ساتھ تھے۔ شہر کے تاجروں نے اپنے نئے عسکران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بازاروں کو سجایا اور عوام ابی عکاشہ کی فوج اور پولیس کے احکام کی تعمیل میں سڑکوں پر قطار باندھے کھڑے تھے۔ مامون کا جلوس گزر گیا اور اس کے فوراً بعد شہر کے تمام دروازے کھول دیے گئے کسی نے آواز بلند نہ کی۔ کوئی مظاہرہ نہ ہوا۔ قریبہ کے حریت پسند خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ رات کے وقت چند آدمی شہر کے ایک چوراہے میں کھڑے دعا دہیوں کی بحث میں رہے تھے۔ ایک یہ کہہ رہا تھا کہ معتد کا جلوس زیادہ پر شکوہ تھا اور دوسرا یہ کہہ رہا تھا کہ مامون کا جلوس زیادہ شاندار تھا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی معتدی دیر پہنچ سنا رہا اور پھر یہ کہہ کر کہاں سے چل دیا۔ ”قریبہ میں اگر شیطان آجائے تو بھی یہ لوگ اس کا جلوس نکالنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اب اس قوم کو کوئی معجزہ ہی تباہی سے بچا سکتا ہے۔“

جن عجمان قوم کو پانچ سال قبل معتد کے گورنر اور اس کے ذریعے قید کیا تھا، ان کے سنے ابی عکاشہ نے یہ شرط پیش کی کہ وہ اگر مامون کی بیعت کر لیں تو انھیں رہا کر دیا جائے گا لیکن چند ایک کے سوا کسی نے اس شرط پر ہا ہونا قبول نہ کیا۔ عبدالنعم کو ابی عکاشہ اور مامون کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ابن عمار کے دربار کی طرح ان کے سامنے بھی اسی جرات کا ثبوت پیش ہونے لگا۔ میں نے پانچ سال قبل ایک ڈاکو کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا تھا اور اس نے مجھے قید کر دیا تھا، اب ایک نیا ڈاکو مجھے قید خانے سے باہر نکال کر یہ کہتا ہے کہ تم میری بیعت کر لو، میرے لیے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ میں پھر اسی قید خانے میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤں۔ مامون نے کہا: ”تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی لیکن میرے خیال میں تمہارے لیے اب قریبہ کا قید خانہ موزوں نہیں ہوگا۔“

چند دنوں کے بعد ایک رات عبدالنعم اور اس کے بیس ساتھیوں کو قریبہ کے قید خانے

کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے ہیں۔

”یہ آپ کا حکم ہے کہ میں قرطبہ چھوڑ کر غرناطہ چلا آؤں؟“

”میں تمہیں حکم نہیں دیتا بلکہ تمہارا یہ حق تسلیم کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے خیمہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کسی دن تمہارا ضمیر ان حالات میں قرطبہ کے خلاف بنادیتا کرے گا۔“

”میرا ضمیر یہ کہتا ہے کہ میں ان چوروں اور ڈاکوؤں کو اس گھر سے دور رکھوں۔“

سعد نے کہا: ”جن چوروں اور ڈاکوؤں نے سارے اندس کو اپنی شکاں گانا رکھا ہے

ان پر تم دیر تک اس گھر کا دروازہ بند نہیں کر سکتے۔ الماس! اس وقت قوم کی کشتی دنگنار پر ہے، اگر یہ کشتی ڈوب گئی تو ہم سب ڈوب جائیں گے۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

سعد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد منہم لہجے میں جواب دیا: ”ابھی مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کر دوں گا۔ مجھے اپنے سامنے تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ہم صرف اسلام کا سہارا کر لے سکتے ہیں۔ لیکن آج ہمارا اعلیٰ احیاء اسلام کا بدترین دشمن ہے۔ اگر اسرار کی خود غرضی اور

بہوری بنے سنی گامی عالم رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہم نصرانیوں کے ہاتھوں سعد کی طرف متوجہ دیے جائیں گے۔ اندس کا نجات دہندہ شاید اب تک پیدا نہیں ہوا۔ میں اپنے متعلقین

سے کہتا جاتا ہوں کہ میں چین سے نہیں بیٹھ سکوں گا۔“

رات کے چھل پر سعد بن عبد المنعم جامع قرطبہ میں سرسجود ہو کر یہ دُعا مانگ رہا تھا:

”میرے اللہ میری قوم کو تباہی سے بچا۔ مجھے دین اسلام کا ایک سپاہی بننے کی ہمت دے۔ مجھے ایک غازی کی زندگی اور شہید کی موت کی تمنا دے۔ میرے دل میں یقین اور ایمان کی وہ شعل روشن کر دے جسے گمراہی اور ظلمت کی آندھیاں نہ بجھا سکیں۔“

صبح کی نماز سے تھوڑی دیر بعد وہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر غرناطہ کا رخ کر رہا تھا۔

”میں نے کہا تھا۔ لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ تم یہ وقت ہو۔ مامون کی سرپرستی کوئی معمولی بات نہیں۔ انہیں فرمایاں آنے کے لیے کہو۔“

سعد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: ”بچا الماس میں کل جا رہا ہوں اور میں اس یقین کے ساتھ جا رہا ہوں کہ ابا جان قتل نہیں ہوئے۔ ابی عکاش نے انہیں قرطبہ کے قید خانے سے

کسی اور مقام پر بھیج دیا ہے۔ ورنہ ان کے قتل کے متعلق اعلان کرنے سے کئی دن پہلے اُسے بال مثل کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس نے مامون کی آمد کے بعد ان کے قتل کا ڈھنڈورا

پیٹنا شروع کیا ہے۔ اگر اُسے قیدیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی تو وہ قرطبہ پر قابض ہوتے ہی ان کی خبر لیتا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ابا جان اندان کے ساتھیوں نے مامون کے ہاتھ پر بیعت

کرنے سے انکار کیا ہے، اس لیے انہیں کسی دوسرے قید خانے میں بھیج دیا گیا ہے اور اگر وہ قتل بھی ہوئے ہیں تو ان کے قاتل مامون اور ابی عکاش کے سوا اور کوئی نہیں۔ ہم اس کی افانیت کے

مخالف نہیں، وہ ناپاک ہاتھ جنہوں نے قوم کی شاہرگ پر خنجر ملائے میں چاندی اور سونے کے سکوں کی جھنکار سے ہماری اطاعت نہیں خرید سکتے۔“

”کو تو اب یہ بھی کہتا تھا کہ اگر تمہارے آقا کے بیٹے نہ آئیں تو تمہیں مامون کے سامنے پیش ہونا پڑے گا اور قرطبہ سے ان کی دائمی غیر حاضری کی وجہ بیان کرنی پڑے گی۔“

سعد نے کہا: ”تم یہ کہہ دو کہ عبد المنعم کے بیٹے اس حکومت کے باغی ہیں۔“

الماس بولا: ”لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟“

سعد نے جواب دیا: ”میں جانتا ہوں کہ تم قرطبہ میں نہیں رہ سکو گے، ہماری بیڑی بڑھ چکی ہے۔“

”میں نے کہا تھا کہ تم یہ کہتا تھا کہ تم یہ وقت ہو۔ مامون کی سرپرستی کوئی معمولی بات نہیں۔ انہیں فرمایاں آنے کے لیے کہو۔“

مصنوع کار

غزناط واپس آکر چند ماہ بعد سعد بن عبداللہم فوجی کتب سے فارغ التحصیل ہو گیا۔ کتب کے فارغ التحصیل طلباء عام طور پر فوج میں لے لیے جاتے تھے لیکن سعد نے غزناط ن برائے نام فوج کی ملازمت پسند نہ کی۔ اس کتب میں غزناط کے با اثر روستا اور شاہی خاندان کے کئی لوگ تعلیم پاتے تھے۔ ان کی کوششوں سے سعد کو کتب میں ایک معلم کا عہدہ پیش کیا گیا۔ سعد اس لیے بھی تیار نہ تھا۔ لیکن اپنے خاوا اور غزناط کے با اثر عالم قاضی ابو جعفر کے بھانے پر اسے اپنا ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔ قاضی ابو جعفر اندلس کو اسلامی نظام حکومت کے ماتحت متحد کرنے کی تحریک کے زبردست حامی تھے اور غزناط کے علاوہ کئی اور شہروں کے نوجوان ان کے خیالات سے متاثر تھے۔ وہ ایک مدت سے فوجی کتب میں صحیح انجیال معتمد کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے سعد کو سمجھایا کہ تم اس کتب میں معلم کی حیثیت سے ایک بلند نصب العین کے لیے کام کرنا۔ غزناط میں ہم لوگ جو انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے قلم کے ساتھ ساتھ تلوار کی بھی ضرورت ہے، اب تک جو نوجوان وہاں تعلیم پاتے ہیں وہ غزناط کے شاہی خاندان کی حفاظت کرنا اپنا نصب العین بنالیتے ہیں لیکن تم جیسے معلم ان میں ایک اجتماعی شعور پیدا کر سکتے ہیں۔

سعد نے کہا: ”اگر آپ کی یہی رائے ہے تو میں اس خدمت کے لیے تیار ہوں۔“

قاضی ابو جعفر نے کہا: ”لیکن کتب کے اساتذہ میں سے کسی کو یہ نہ بتانا کہ تم نے میرے مشورے اپنا فیصلہ تبدیل کیا ہے۔ ورنہ وہ تمہارا کتب کی چادر دیواری کے پاس پھٹکا بھی گوارا نہیں کریں گے۔“

Scanned by iqbalmt

۱۱۲
انگلے دن کتب کے طلباء ایک دوسرے کو خوشخبری سناتے تھے کہ کتب کے منتظمین نے انہیں تیج زنی تیر اندازی اور شاہسواری کے فنون سکھانے کے لیے سعد بن عبداللہم کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ کتب کے نوجوانوں کے ساتھ فنون حرب کی مشق کتب خانوں میں کتابوں کی دق گڑانی اور غزناط کے علماء اور فقہاء کی محفلوں کے علمی مباحثوں میں حصہ لینے کے بعد سعادت منائی کے لمحات میں اندلس کے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق سوچا کرتا تھا۔ اس کے ایک کمرے میں اندلس اور دوسرے اسلامی ممالک کے نقشے آویزاں تھے۔ ان نقشوں پر مختلف لکیر دکن کی صورت میں مسلمانوں کے عروج و انحطاط کی داستانیں لکھیں، ہوتی تھیں۔ سعد اس کمرے میں بیٹھ کر ان صحرائیہ مشینوں کے خانقوں کا تصور کرتا جن کی قوت تسمیر کے سامنے دنیا کی دو سعتیں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ ان وجوہات پر غور کرتا جن کے باعث مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ ایک قصہ ماضی بن چکی تھی۔

کبھی کبھی وہ احمد اور حسن کو اپنے پاس بٹھا لیتا اور اندلس کے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق تبصرہ شروع کر دیتا۔ غزناط میں اس کے بھائیوں کے علاوہ کئی اور نوجوان اس کے ہم خیال بن چکے تھے۔ وہ سب موجودہ صورت حال سے پریشان تھے لیکن ان کے سامنے جبریل کا کوئی مہین راستہ نہ تھا۔ یہ لوگ کسی نقیب، کسی راہنما اور کسی مشعل ہر دار کے منتظر تھے۔ سعد سے ایک سال بعد احمد بھی فارغ التحصیل ہو گیا۔ اب وہ اپنا تمام وقت غزناط کے مشہور کتب خانوں میں صرف کیا کرتا تھا۔ مامون دانون قرطبہ میں چھ ماہ زندہ رہ کر مر گیا۔ ابن عکاشہ اس کی زندگی میں ہی تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے جا چکا تھا۔ طلیطلہ کی حکومت مامون کے بیٹے یحییٰ کے حصے میں آئی جس میں اپنے اپنی تمام برائیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

قرطبہ میں ابن عکاشہ کے مظالم بڑھتے گئے۔ دو سال کے بعد الماس قرطبہ چھوڑ کر سعد کے پاس آ گیا اور اس نے بتایا کہ ”اب میرا وہاں رہنا ممکن نہ تھا۔ اس سال قرطبہ کی جائداد سے جو آمدنی

بعض مورخین کا خیال ہے کہ مامون کی موت ابن عکاشہ کی کسی سازش کا نتیجہ تھی۔

ہوتی ہے۔ ابن عکاشہ کے حکام اس سے زیادہ ٹیکس مانگتے ہیں۔ قرطبہ کے عوام کا پختہ صبر نہ رہا ہو چکا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد کھلی بغاوت کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

اگلے سال حسن بھی قانع اُتھیل ہو گیا۔ اپنے خالو کے تجارتی کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے علاوہ سواری اور تیر اندازی اس کی سب سے بڑی دلچسپی تھی کبھی کبھی وہ احمد کے ساتھ کتب خانوں میں بھی جلا جاتا لیکن مطالعے سے اس کی طبیعت تلخ ہی اچاٹ ہو جاتی۔

۱۱۴ھ میں قرطبہ میں ایک اور انقلاب آیا۔ معتد نے قرطبہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی چند نام کو ششوں کے بعد ایک زبردست فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ شہر کے عوام بھی اس کے طرفدار ہو گئے۔ ابن عکاشہ بھاگنے کی کوشش میں مارا گیا اور اشبیلیہ کی فوج قرطبہ پر قابض ہو گئی۔ اہل قرطبہ کو ابن عکاشہ کے خلاف سے نجات مل گئی لیکن اس کے ساتھ ہی معتد کی شاہانہ ضیافتوں، درباروں اور شہر شادوں کی مجلسوں کا نیا دور شروع ہوا۔ رمیکہ کی حیثیتوں کا ساز و سامان مہیا کرنے والے ٹیکس گزار پر محسوس کر رہے تھے کہ انھوں نے ایک وحشی شیرے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں ایک جذرب ڈاکو کو اپنے سر پر مسلط کر لیا ہے۔

سعد الماس کو ساتھ لے کر ایک بار پھر قرطبہ گیا۔ لیکن اُسے اپنے باپ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ قرطبہ کے نئے گورنر نے اس کی تمام جائیداد جیسے اپنی عکاشی حکومت ضبط کر چکی تھی واپس دے دی اور الماس اس کا انتظام اپنے ایک بیلے نوکر کے سپرد کر کے سعد کے ساتھ واپس چلا آیا۔

قرطبہ پر قبضہ کرنے کے بعد معتد نے مرسیہ کی طرف توجہ کی۔ اس کے وزیر ابن عمار نے مرسیہ فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا اور سرحد کے ایک قلعہ دوزن دیشین اور مرسیہ کے چند اور بااثر اُمراء کو طرح طرح کے لالچ دے کر اپنے ساتھ لایا۔ مرسیہ کے عوام اپنے آرام طلب حکمران سے پہلے ہی نالاں تھے۔ چنانچہ ابن عمار نے کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر مرسیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد معتد نے طلبہ میں مامون کے جانشین یحییٰ القادر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وادی الکبیر اور وادی آنہ کے درمیان اس کی سلطنت کے بعض علاقہ بھی چھین لیے۔

بعض لوگ جو اندلس میں طوائف الملوکی سے تنگ آچکے تھے معتد کی کامیابیوں پر خوش تھے لیکن الفاسو معتد کی بڑھتی ہوئی طاقت کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے معتد کو لکھا کہ اب تمہاری سلطنت وسیع ہو گئی ہے، اس لیے ہم خراج بھی پہلے کی نسبت دو گنا زیادہ لیں گے۔

معتد نے الفاسو کو ڈانے کی کوشش کی تو اس نے اشبیلیہ پر لشکر کشی کر دی۔ اب جو مسلمان معتد سے نالاں تھے، انھیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اشبیلیہ عیسائیوں کے قبضہ میں چلا جائے۔

اندلس کے مختلف شہروں کے علماء اور فقہانے فتویٰ دیا کہ اشبیلیہ کی حفاظت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بیغہ کا مشہور عالم قاضی ابو الولید علماء کا ایک وفد لے کر مختلف شہروں میں گیا اور اس کی لیل پر رضا کاروں کی جماعتیں اشبیلیہ پہنچنے لگیں۔ غرناطہ سے قاضی ابو جعفر نے قاضی ابو الولید کی اس تحریک کی حمایت کی۔ انھوں نے غرناطہ کے حکمران پر زور دیا کہ وہ الفاسو کے خلاف اہل اشبیلیہ کی حمایت کا اعلان کرے۔ لیکن جب غرناطہ کا حکمران معتد کے خلاف اپنی پرانی رنجشیں فراموش کرنے کے لیے تیار نہ ہوا تو انھوں نے عوام کی طرف توجہ کی۔

پہلے دن قاضی ابو جعفر نے غرناطہ کی ایک مسجد میں تقریر کی۔ جب وہ حاضرین سے اہل اشبیلیہ کی اعانت کی اپیل کر رہے تھے، تو تین نوجوانوں نے اٹھ کر ان کی آواز پر لبیک کہا۔ ان میں سے ایک سعد بن عبد المنعم اور دوسرے کے بھائی تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی پندرہ بیس اور نوجوان اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ چند دن کی انتھک کوششوں کے بعد قاضی ابو جعفر نے قرطبہ اٹھائی سو رضا کار تیار کر لیے۔ غرناطہ کے حکمران کو یہ بھی گوارا نہ تھا، کہ غرناطہ کا کوئی باشندہ معتد کی اعانت کے لیے تلوار اٹھائے۔ اس لیے اس نے اپنے حکام کے ذریعہ رضا کاروں کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی۔ لیکن نوجوانوں پر ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سعد بن عبد المنعم نے کتب سے نصت لینے کی کوشش کی لیکن اس کی درخواست رد کر دی گئی چنانچہ اس نے لازمت سے استغفار دیا اور روانہ ہونے سے پہلے جب ان رضا کاروں کی قیادت کا مسئلہ پیش آیا تو سب کی نگاہیں سعد بن عبد المنعم پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ الماس بھی سعد اور اس کے بھائیوں کا ساتھ دینا چاہتا تھا۔ لیکن سعد اور

اس کے خالو نے اُسے سمجھا بھگا کر گھر میں رہنے پر رضا مند کر لیا:

(۳)

ایک صبح عبدالمنعم کے تینوں بیٹے سپاہیاں لباس پہنے مکان کے صحن میں ماں کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ تین آیتنے تھے جن میں عبدالمنعم کی بیوی اپنے شوہر کے مختلف عکس دیکھ رہی تھی۔ سعد کے چہرے پر عبدالمنعم کا مردانہ وقار تھا۔ احمد اس کی سنجیدگی اور متانت کی تصویر تھا اور صُسن کے تیکھے نقوش اور تھابی نگاہوں میں وہ اس کے عزم و استقامت کی جھلک دیکھ رہی تھی۔ مکان سے باہر ایک کشادہ چوک میں جمع ہونے والے رضا کاروں کی آوازیں آرہی تھیں۔ سعد کی خالہ نیم دا دروازے سے باہر جھانک رہی تھی۔

سعد نے مسکراتے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "امی وہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" ماں نے کسی گہرے خیال سے چونک کر اس کی طرف دیکھا، اور کہا: "جاؤ بیٹا خدا تمہیں ہر میدان میں فتح دے!"

ماں دروازے تک ان کے ساتھ آئی جب وہ ماں اور خالو کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکلے۔ تھے تو اچانک ماں نے آگے بڑھ کر حسن کو آواز دی۔

حسن نے مڑ کر دیکھا اور کہا: "کیا ہے امی؟"

"یہاں آؤ!" ماں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

حسن نے اس کے قریب آکر دوبارہ "کیا ہے امی جان؟"

کچھ نہیں بنیا! ماں نے اضطراری حالت میں دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے۔

باہر سے احمد کی آواز آئی: "حسن! حسن!"

"آسمانوں بھائی جان! — امی جان اجازت دیجیے!"

ماں نے اس کی پیشانی پر ہوسہ دیتے ہوئے کہا: "جاؤ بیٹا، جاؤ!"

حسن باہر نکل گیا، تو اس کی ماں اپنی بہن کے قریب کھڑی ہو کر باہر جھانکنے لگی، لباس

Scanned by iqbalmt

یوریک نوکر تینوں گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے اور سعد کا خالو شیخ ابو صالح اور قاضی ابو شہر کے ان معززین سے باتیں کر رہے جو جاہلین کو رخصت کرنے کے لیے آتے تھے۔

سعد نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے پہلے لباس اور پھر آگے بڑھ کر خالو اور قاضی ابو جعفر کے ساتھ مصافحہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

احمد اور حسن بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر رضا کاروں کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ سعد نے رضا کاروں کی گرد ایک چکر کاٹنے کے بعد کوچ کا حکم دیا۔

جب تک گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دیتی رہی سعد کی ماں دروازے پر کھڑی رہی اور جب یہ آوازیں فضا میں گم ہو کر رہ گئیں تو اس کی بہن نے کہا: "سیکنہ! تمہیں معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تمہاری فتح کا دن ہے۔ آج اگر عبدالمنعم ان بچوں کو دیکھتا تو وہ یہ سمجھتا کہ اُسے دنیا کی بادشاہت مل گئی ہے۔ چلو اندر چلیں!"

سیکنہ کی بہن اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گئی۔ سعد، احمد اور حسن کے کمروں میں ابھی تک ان کے ہلکے اور میٹھے قہقہے گونج رہے تھے۔

دینی سسکیوں کے ساتھ سعد، احمد اور حسن کا نام پکارنے کے بعد اس نے سجدے میں گر کر دعا مانگی: "سیدہ اللہ! مجھے صبر اور ہمت دے۔"

(۴)

اشیلید کی فوج کی قیادت کے لیے تجویز کار آدمیوں کی کمی نہ تھی لیکن معتمد اور ملکہ میکبہ کو ابن عمار سے زیادہ کسی اور پر اعتماد نہ تھا چنانچہ کئی بااثر اور سنجیدہ مزاج لوگوں کی مخالفت کے باوجود اشیلید کے حکمران نے ابن عمار کو سپہ سالار بنا دیا۔

ابن عمار شمالی سرحد پر پروڈال کر داو عیش دے رہا تھا اور اندلس کے دوسرے مقامات سے رضا کاروں کی ٹولیاں اس کے گرد جمع ہو رہی تھیں۔ پڑاؤ کے درمیان ابن عمار کی قیام گاہ کی آرائش و زیبائش دیکھنے والے یہ محسوس کرتے تھے کہ یہاں کوئی شہنشاہ قیام پذیر ہے۔ وسیع خیرو

میں اس کے لیے سونے بیٹھتے اور کھانے کے کمرے بیش قیمت قالینوں سے آراستہ تھے، لادشئی کے لیے کافی شمعیں اور خوشبو کے لیے مشک اور عنبر استعمال کیا جاتا تھا۔ ہر وقت سینکڑوں آدمی بہرے کے لیے موجود رہتے تھے۔ گویوں، سازندوں خوشامدی شاعروں اور نقالوں کے علاوہ بہت کم لوگ ایسے تھے جنہیں بلا روک ٹوک ابن عمار کے کیمپ میں آنے جانے کی اجازت تھی۔ جو سپاہی اشبیلیہ سے آئے تھے وہ اس صدمت حال سے قطعاً پریشان نہ تھے۔ وہ خند قین کھودنے یا مویچے بنانے سے زیادہ دن بھر شطرنج کھیلنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ صرف وہ رضا کار پریشان تھے جو یہ سمجھ کر یہاں پہنچے تھے کہ اہل اشبیلیہ نصرانی حملہ آوروں کے خلاف جہاد کا علم بند کر چکے ہیں۔ وہ اشبیلیہ کی فوج کے افسروں سے پوچھتے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہم کب تک یہاں بیکار پڑے رہیں گے؟ سپہ سالار کی قیام گاہ میں ان ضیافتوں اور رقص و سرود کی محفولوں کا کیا مطلب ہے؟ اشبیلیہ کے افسر یا تو ان سوالات پر مسکراتے اور یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے کہ تم مجھ سے ایک خوشنبری سنو گے۔ کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن خود انہیں بھی معلوم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

ایک دن علی الصباح سعد بن عبدالنعم پڑاؤ میں داخل ہوا۔ وہ ایک عیسائی راہب کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے سامنے اُسے دیکھتے ہی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ غرناطہ کے ایک نبیوں نے کہا: "آپ نے بہت دیر لگائی۔ ہم بہت پریشان تھے۔ کیسے کیا خبر لائے؟"

سعد نے جواب دیا: "میں سب کچھ دیکھ آیا ہوں۔ الفاسوکا شکر واقعی چار کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ یہاں سے شام کے وقت اشبیلیہ کی فوج کے جو افسر روانہ ہوتے تھے میں نے انہیں دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہوتے اور کافی دیر کے بعد واپس آتے دیکھا ہے۔ ایک عیسائی راہب کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے الفاسوکا کے ساتھ ملاقات کی ہے۔"

احمد نے کہا: "پرسوں جو لوگ یہاں سپہ سالار سے ملنے کے لیے آئے تھے ان کے متعلق سنی میں نے اشبیلیہ کی فوج کے ایک افسر سے پوچھا تھا، وہ یہ کہتا تھا کہ وہ سب قسطلہ کے بڑے بڑے ناشتہ میں اور ان میں دو الفاسوکا قریبی رشتہ دار تھے۔ میرے خیال میں مصالحہ لگانے کا شکر شروع ہو چکا ہے۔"

سعد نے کہا: "میں ان کی تیاریاں دیکھ آیا ہوں، ان سے مصالحت کی توقع کرنا خود فریبی ہے۔ احمد نے کہا: "لیکن اگر یہ شاعر جسے معتدل نے اشبیلیہ کی بربادی کے لیے منتخب کیا ہے خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ مجھے اشبیلیہ کے فوجی افسر نے یہ بھی بتایا تھا کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کچھ ہو رہا ہے۔"

قرطبہ کے ایک رضا کار نے کہا: "قسطلہ کے امرا جب ابن عمار کی قیام گاہ میں داخل ہو رہے تھے تو میں نے انہیں دیکھا تھا۔ جب وہ ملاقات کے بعد باہر آ رہے تھے تو ہر ایک کے گلے میں جواہرات کا ہار پڑا تھا۔ میں نے ان کے ہاتھوں میں تھیلیاں بھی دیکھی تھیں۔ میرے خیال میں ابن عمار لڑنے کی بجائے انہیں رشوت دے کر خوش کرنا چاہتا ہے۔"

سعد نے کہا: "وہ رشوت لے کر بھی لوٹیں گے۔"

حسن جو یہ گفتگو خاموشی کے ساتھ سن رہا تھا، اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر بولا: "بھائی جان! میں تو جب سے یہاں آیا ہوں ہی محسوس کر رہا ہوں کہ اہل اشبیلیہ کسی دسترخوان پر اہل قسطلہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ابن عمار نے الفاسوکا کے پاس اس کے سوا اور کیا پیغام بھیجا ہوگا کہ آؤ کھانے پیئے، لڑو اور شطرنج کھیلنے میں ہمارا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ کاش قاضی ابو جعفر یہاں ہوتے؟"

ایک نوجوان بھانجا ہوا آیا اور اس نے چند قدم دور ہی سے چلاتا شروع کر دیا: "ابن عمار کہیں جا رہا ہے۔ میں نے اُسے پاگی پر سوار ہو کر باہر نکلنے دیکھا ہے۔ اشبیلیہ اور قسطلہ کی فوج کے چند افسر اس کے ساتھ جا رہے ہیں۔ دیکھو اس طرف جا رہا ہے وہ!"

نوجوان کی بدحواسی بلا وجہ نہ تھی۔ مصالکوں میں سے بہت کم ایسے تھے جنہیں ابن عمار کا دیدار حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوتی تھی اس کی ضیافتیں اور مجلسیں سنگین بہرے کے اندر ہوا کرتی تھیں۔ آج اس کا کیمپ سے باہر نکلتا ایک نئی بات تھی۔

حسن نے آگے بڑھتے ہوئے کہا: "بھائی میں تو اس پردہ نشین سپہ سالار کو ضرور دیکھوں گا۔"

تم الفانسو کے پاس جا کر اس کی بے حد تعریف کروں گا وہ اسے دیکھنے کے لیے بیقرار ہو جائے۔ پھر میں اُسے اس شرط پر یہ شرط خراج پیش کرنے کے لیے رضامند ہو جاؤں گا کہ وہ پہلے میرے ساتھ ایک بازی کھیلے۔ اگر میں ہار جاؤں تو شرط خراج اس کی اور اگر وہ ہار جائے تو وہ میری ایک درخواست قبول کرے گا۔ اگر میں جیت جاؤں تو الفانسو سے یہ کہوں گا کہ وہ ایشیلیہ پر حملہ نہ کرے۔“

الفانسو کے امراء نے واپس جا کر اس کے سامنے شرط خراج کی اس حد تعریف کی کہ وہ اُسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ تاہم وہ ابن عمار کے ساتھ شرط لگانے سے کتر تھا۔ امراء نے اسے سمجھایا کہ آپ شرط لگانے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ اگر ہم جیت گئے تو اس کے بدلے ایشیلیہ سے لڑے بغیر ان کے کئی علاقے چھین لیں گے اور اگر وہ جیت گیا اور اس نے آپ سے کوئی ناجائز مطالبہ کر دیا، تو ہم اس کی بات نہیں مانیں گے۔

بالآخر شرط خراج کھیلی گئی۔ ابن عمار جیت گیا اور الفانسو نے پوچھا: اب تم کیا چاہتے ہو؟ ابن عمار نے جواب دیا: میرا مطالبہ یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ جنگ کیے بغیر لوٹ جائیں الفانسو چلایا یہ نہیں برگز نہیں، میں نے وعدہ کیا ہے کہ میں ایشیلیہ فتح کیے بغیر واپس نہیں آؤں گا۔ لیکن آپ شرط ہار چکے ہیں اور وعدہ ہے پھر جانا ایک بادشاہ کی شان کے شایان نہیں۔“

الفانسو نے عیدگی میں اپنے امراء کے ساتھ مشورہ کیا تو انہوں نے سمجھایا کہ شرط خراج میں آپ کا ہار ناجائز شگون ہے۔ ممکن ہے کہ آپ اس سال جنگ کریں تو آپ کو شکست ہو جائے۔ پہلے کی حد کے لیے دوسری سلطنتوں کے بے شمار رضا کار پہنچ رہے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم اگلی بار زیادہ تیاری کے ساتھ حملہ کریں۔ میر دوست آپ ابن عمار سے خراج کی ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ کریں تب مسئلہ کے تو ہم پرست پادریوں نے بھی امراء کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا کہ شرط خراج میں آپ کی ہار ایک برا شگون ہے۔ چنانچہ الفانسو نے مجبور ہو کر لڑائی کا ارادہ تبدیل کر دیا اور ابن عمار نے اس کے بدلے پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

ابن عمار نے الفانسو کے ساتھ شرط خراج کی بازی میں فتح حاصل کرنے کے بعد واپس اپنی قیام گاہ

چند نوجوان ہنستے ہوئے اس کے پیچھے چل دیے۔ سعد احمد اور غرناطہ کے چند اور نوجوان کچھ دیر وہیں کھڑے رہے۔ بالآخر سعد نے کہا: ”چلو بھئی ہم بھی اس کے نیاز حاصل کر لیں۔ ایسی صورتیں دیکھنے کا موقع ہمارا یہ نہیں ملتا۔“ (۵)

آٹھ قوی ہیکل جیسی اپنے کندھوں پر ابن عمار کی پالکی اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ ایک بیش قیمت قبائلی اور جواہرات سے مرصع باشت بھرا اونچی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ ایشیلیہ کے چند جدیدہ جدیدہ فوجی افسر اور قسطلہ کے چار نائٹ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے۔ نقیب سترے کا عصا لیے آگے آگے تھدکیں کھیں پالکی رک جاتی اور نقیب ارد گرد جمع ہونے والے سپاہیوں سے ملنے آواز میں کہتا: ”مسلمو! آج بہت بڑے امتحان کا دن ہے۔ سپہ سالار کی کامیابی کے لیے دُعا کرو!“ اور وہ ہاتھ اٹھا کر دُعا کر رہے تھے۔ حسن بن عبد النعم اپنے ایک ہم عمر رضا کار کے کان میں کہہ رہا تھا: ”بے وقوف کہیں کے، یہ سپہ سالار بے یار و مددگار ہے، کاش میں ایشیلیہ جا کر معتمد کے انتخاب کی داد دے سکتا۔“

ابن عمار کا رخ شمال کی طرف تھا اور لوگوں کو یہ جانتے میں ذہن نہ لگی کہ جس امتحان میں کامیابی کے لیے دُعاتیں کی جا رہی تھیں وہ کیسا تھا۔

ابن عمار نے لڑنے کی بجائے جیلہ جوئی سے دشمن کو ٹاننا زیادہ آسان خیال کیا۔ اس نے الفانسو کی فوج کے بااثر افسروں کو گراں قدر الغامات اور دشمنوں کے سران کے ساتھ راہ رسم میل کی اور پھر ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر تم الفانسو کو جنگ کیے بغیر واپس لوٹ جانے کا مشورہ دو تو میں تمہیں اور بھی بہت کچھ دوں گا۔ قسطلہ کے افسر ابن عمار کی فیاضی سے مرعوب ہو چکے تھے۔ لیکن الفانسو کو جنگ سے باز رکھنے کی کوئی تدبیر ان کے ذہن میں نہ آئی۔

ابن عمار نے انہیں اپنی قیام گاہ پر بلا کر ایک شرط خراج دکھائی جس کے مہرے بیش قیمت بہروں کو تراش کر بنائے گئے اور ان سے کہا کہ یہ شرط خراج دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔

غیر ملکہ کے ایک اور رضا کار ایسا نے کہا: "میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ اب ہم واپس جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ اب ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم معتد کے منہ پر کہیں کہ تمہیں شکست ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں غیرت کی کوئی چٹکاری باقی ہو!"

غیر ملکہ کے تین اور رضا کار سعد کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ سعد نے اپنی ماں کی طرف ایک خط لکھا اور ایک نوجوان کو جو باقی رضا کاروں کے ساتھ واپس جا رہا تھا یہ خط دیتے ہوئے کہا: "یہ ہمارے گھر سے دینا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتہ تک غیر ملکہ پہنچ جائیں گے۔"

میں آیا، تو شیلیہ کی فوج فلک شگاف نعروں سے اس کا استقبال کیا۔ رات کے وقت فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔ پڑاؤ میں چڑاؤں کیا گیا ضیافتیں اڑائی گئیں۔ رقص و سرود کی ٹھیلیں منعقد ہوئیں۔ شاعروں نے اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی اور یہ ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ عبدالرحمنؑ عظم کے بعد اگر کوئی فاتح ہوا ہے تو وہ ابن عمار ہے اور یہی عمار شہر کے نقشے میں سچے سچ یہ غموس کر رہا تھا کہ وہ فاتحین کی صفوں میں پاؤں رکھ چکا ہے۔ وہ رضا کار جو جاد کا عزم لے کر دُور دُور سے آئے تھے انتہائی مایوسی، بے بسی اور ندامت کے آنسوؤں کے ساتھ تیراشر دیکھ رہے تھے۔

پچھلے پہر جب رقص و سرود کے جنگلے کسی حد تک سرد ہو چکے تھے، پڑاؤ کے ایک کونے میں ایک نوجوان سجدے میں سر رکھ کر چٹکیاں لے رہا تھا اور اس کے منہ سے یہ دُعا نکل رہی تھی:

"رب العالمین! سیری قوم کو تباہی سے بچا، ہمیں ان چند آدمیوں

کے اعمال کی سزا نہ ملے جو ملک کے اقتدار پر قابض ہو چکے ہیں۔

مولائے کریم! مجھے ہمت دے کہ میں تباہی کے اس گڑھے کو پاٹ

سکوں جسے یہ لوگ اپنے ہاتھوں کھود رہے ہیں۔ مجھے جرأت دے

کہ میں ان فزوں کے سامنے حق کی آواز بلند کر سکوں!"

یہ نوجوان سعد بن عبدالنعم تھا۔

اگلے دن جب غیر ملکہ کے نصف کار کوچ کی تیاری کر رہے تھے تو سعد نے اپنے بھائیوں سے کہا: "تم ان کے ساتھ جاؤ، میں چند دنوں تک آؤں گا۔"

احمد نے پوچھا: "آپ یہاں کیا کریں گے؟"

سعد نے کہا: "میں اپنا آخری فرض پورا کرنے کے لیے ایشیلیہ جا رہا ہوں۔"

احمد نے پوچھا: "آپ معتد کے پاس جاتے ہیں گے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا تاہم میں یہاں رہ کر چکا ہوں۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا؟"

"اور میں بھی؟ حسن نے کہا۔"

ایک سپاہی شاعروں کی دنیا میں

ایک دن ملکہ رمیکہ معتمد کے ساتھ کشتی پر دریا کی سیر کا لطف اٹھا رہی تھی۔ دریا کے کنارے چند غریب عورتیں اینٹیں بنانے کے لیے پاؤں سے مٹی گوندھ رہی تھیں۔ رمیکہ کے اُٹھنے پر ملاؤں نے کشتی دریا کے کنارے پر لگا دی۔ ملکہ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر غریب عورتیں پریشان سی ہو کر رہ گئیں۔ رمیکہ نے ایک شرارت آمیز ہنس کے ساتھ اپنے خاوند کی طرف دیکھا اور مٹی بھرا شرفیاں کچر کے ڈھیر میں پھینک دیں۔ عورتوں کو رمیکہ کی اس حرکت پر پہلے تو تعجب ہوا لیکن جب معتمد نے بھی طلائی سکوں کی ایک مٹھی ان کی طرف پھینکی تو وہ ہنستی جیبتی اور چلاتی مٹی کے ڈھیر پر ٹوٹ پڑیں۔ سکوں کی تلاش میں ایک دوسری پر گرنے اور آپس میں تقم گتھا ہونے کے باعث وہ سرسے پاؤں تک کچڑ میں لت پت ہو چکی تھیں اور رمیکہ مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ معتمد کو اس بات کا افسوس ہوا ہاتھ کا وہ اپنے ساتھ زیادہ اشرفیاں لے کر نہیں آیا۔ شاہی محل میں رہائش پزیر رمیکہ نے معتمد سے شکایت کی کہ تم نے مجھے ایک قیدی کی طرح اس محل کی چار دیواری میں بند کر رکھا ہے۔ زندگی کی ہزاروں نعمتیں ایسی ہیں جو مجھے میسر نہیں۔ معتمد رمیکہ کی ایک سنکراہٹ کے لیے خزانے لٹا دینے کا عادی تھا۔ اُسے اس شکایت سے بے حد صدمہ ہوا۔ وہ بولا: "ملکہ تمہاری کوئی ایسی خواہش ہے جسے میں نے پورا نہیں کیا؟" رمیکہ نے کہا: "اس وقت میرے دل میں ایک ایسی خواہش ہے جسے تم پورا نہیں کر سکتے۔" معتمد نے کہا: "میرا امتحان لے سکتی ہو۔" مجھے ان عورتوں کی زندگی پر رشک آتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ مجھے بھی ان کی طرح مٹی گوندھنے کی آزادی ہو۔

Scanned by iqbalmt

معتمد نے چند دنوں کے اندر اندر محل میں ششک وغیرہ کا فور کے ڈھیر گنوا دیے۔ پھر ان اشیاء کو کوٹ کر ایک جاکیا گیا اور گلاب کے عرق سے نمی دی گئی۔ جب یہ تیار ہوا تو رمیکہ کو بلایا گیا، وہ شہر کی چیدہ چیدہ خواتین اور اپنی سہیلیوں اور خاندانوں کے جلوس میں تشریف لائی۔ درنگے پاؤں اس ششک وغیرہ اور کا فور کی کچڑ میں کود پڑی، جسے جمع کرنے کے لیے معتمد نے اکھن روپے صرف کر دیے تھے۔ طبقہ اعلیٰ کی بعض سفید مزاج خواتین کو بھی مجبوراً اس کھیل میں اس کا ساتھ دینا پڑا۔

معتمد اور اس کے چند مخصوص احباب اور شاہی گھرانے کے چند نوجوان ایک طرف کھڑے ہو کر تماشہ دیکھ رہے تھے۔ شہر کی بعض خواتین شرم و حیا کے باعث اس کھیل میں حصہ لینے سے انکڑا تھیں، لیکن رمیکہ اور اس کی بچی سہیلیاں انھیں زبردستی کھینچ کھینچ کر اپنے ساتھ شامل کر رہی تھیں۔ معتمد کے قریب ایک لونڈی موتیوں سے بھرا ہوا سنہری پشت اٹھاتے کھڑی تھی۔ اس نے موتیوں کی چند ٹھٹھیاں کچر کے ڈھیر پر پھینک دیں اور بعض عورتوں نے قیمتی موتی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسری کو دھکیلنا اور گرانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں سب ایک دوسری کو گرانا کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے قیمتی لباس کچڑ میں لت پت ہو چکے تھے۔ شروع لڑکایاں ایک دوسری کے منہ پر کچڑ ٹھننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

یہ سب پہلی بار اپنی سہیلیوں کے اصرار پر شاہی محل میں آئی تھی۔ اُسے صرف یہ بتایا گیا تھا کہ رمیکہ نے شہر کے تمام بڑے بڑے حکام اور معززین کی بیویوں کو کھانے کی دعوت دی ہے۔ لیکن یہ تماشوں کی توقع سے بہت زیادہ تھا۔ زندہ دلی میں وہ اپنی عمر کی کسی لڑکی سے کم نہ تھی۔ لیکن مردوں کی موجودگی میں اس کے لیے ایک تماشائی کی حیثیت میں وہاں کھڑا رہنا بھی صبر کا تھا۔ جب یہ کھیل شروع ہوا تو وہ کشادہ صحن سے ایک طرف ہٹ کر ایک برآمدے کے ستون کے نیچے کھڑی ہو گئی، چاکل اس نے محسوس کیا کہ قریب ہی ایک نوجوان کھڑا ہے۔ کھڑے کھڑے دیکھ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے چہرہ پر نقاب ڈال لیا اور خواتین کے اس گردہ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ جڑا بھی ایک کچڑ میں کودنے سے روک رہی تھیں۔ جب رمیکہ اور اس کی سہیلیاں ان کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگیں تو میمونہ نے دوسری سمت ایک اور ستون کی پناہ لینے کی

کوشش کی لیکن تھوڑی دیر میں وہی نوجوان پیچھے سے اس کے قریب آکر بولا: دیکھیے اگر آپ کو یہ کھیل پسند نہیں تو چلیے میں آپ کو باغ کی سیر کرنا ہوں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں؟

میمونہ نے مڑ کر دیکھا اور غصے سے ہونٹ کاٹتی ہوئی دوبارہ عورتوں کے جگمگے پاس آگئی۔ ایک پتھریل لڑکی نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے نقاب کو ایک طرف بھینک دیا۔ دوسری نے اسے بازو سے پکڑ کر کچھڑکے ڈھیر کی طرف کھینچنے کی کوشش کی لیکن میمونہ نے ایک جھٹکے سے پتا بازو پھڑپھڑایا۔ اس کی ایک سیسلی "میمونہ! میمونہ!" کہتی ہوئی آگے بڑھی، لیکن میمونہ نے غصے کی حالت میں اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا اور وہ کچھڑکے ڈھیر میں پیٹھ کے بل گر پڑی۔ وہ اپنے کوشش کر رہی تھی کہ ایک اور لڑکی نے اس کے سر اور منہ پر کچھڑکے پھوپھ دیا۔ تھوڑی دیر میں اس کی چیخوں کے درمیان کسی کو کسی کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ معتد بہ دستور ایک طرف کھڑا موتیوں کی منجیاں بھر بھر کر پھینک رہا تھا۔ میمونہ جھانپتی ہوئی وہاں سے نکل کر کچھ دیر محل کی عیال بھلیوں میں اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا۔ ایک برآمدے کے کونے پر اسے خواہم سرانظر آیا۔ وہ آگے بڑھ کر اس سے باہر نکلنے کا راستہ پوچھ رہی تھی کہ اچانک ایک طرف سے وہی نوجوان نمودار ہوا جس نے تھوڑی دیر پہلے باغ میں سیر کی دھوڑ دی تھی۔ اس نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا: "چلیے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آتا ہوں!"

میمونہ کا چہرہ غصے سے تنہا اٹھا اور وہ کچھ کے بغیر ایک طرف چل پڑی۔ بدحواسی کی حالت میں سنگ مرمر کی سلوں پر سے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ سنہلنے کی کوشش کے باوجود وہ گر پڑی۔ نوجوان آگے بڑھا اور اس نے میمونہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے کے لیے سہارا دیے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: "مجھے افسوس ہے۔ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟"

میمونہ نے اس کا ہاتھ جھٹکے ہوئے کہا: "مجھے معلوم نہ تھا کہ قرطبہ کا شاہی محل بھی تم جیسے بے حیا لوگوں کی دسترس سے محفوظ نہیں!"

خواہم سرانے آگے بڑھ کر کہا: "آپ شہزادہ رشید کے ساتھ کتنا سی سے پیش آرہی ہیں!"

نوجوان نے خواہم سرانے کو ڈانٹ "تم خاموش رہو!"

میمونہ اٹھتی ہی تیزی سے آگے بڑھی۔ جلد قدم طے کے بعد اسے نیچے اترنے کے لیے پتھر

دکھائی دیں۔ ابھی اس نے نصرت میسر حیاں طے کی تھیں کہ شہزادہ رشید تیزی سے اس کی طرف آگیا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ میسر حیاں کا تیز نہ تھیں۔ میمونہ نے کترا کر دوسری طرف سے گزرنے کی کوشش کی لیکن رشید نے پھر اس کا راستہ روک لیا۔ میمونہ نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا: "تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ میرا مطلب ہے آپ کا نام کیا ہے؟ آپ کہاں سے تشریف لاتی ہیں اور کسی کو ایک ہی نگاہ میں گناہ کر دینے کے انداز آپ نے کہاں سے سیکھے ہیں اور ہم سے کیا جرم سرزد ہوا ہے کہ آپ کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا ہے؟" میمونہ نے جواب دیا: "میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور تمہارے تمام سوالات کا میرا پاس ایک ہی جواب ہے۔"

"فریاد ہے!"

میمونہ نے پوری قوت کے ساتھ اس کے منہ پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا: "یہ!"

شہزادہ رشید غصے، عداوت اور پریشانی کی حالت میں خطرناک گال سہارا ہاتھا اور میمونہ میسر حیاں سے نیچے اتر کر دروازے کا رخ کر رہی تھی۔ دروازے سے نکلنے ہی میمونہ نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے آ رہا ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ یہ خواہم سرانے تھا۔ اسے میں لوگوں کی نظر سے بچنے کے لیے میمونہ نے اپنی رفتار کم کر دی۔ خواہم سرانے قریب پہنچ کر کہا: "اشیلیہ میں شاید ہی کوئی لڑکی تم جیسی نادان ہوگی تمہیں معلوم نہیں وہ شہزادہ رشید ہے۔ اشیلیہ میں صرف تم ہی ایسی لڑکی ہو کہ وہ تھپڑ کھا کر سکھ رہا تھا۔" مجھو! میری بات سنو، نادان نہ بنو۔ تمہیں اس پر خفا ہونے کی بجائے اپنی فتح پر ناز کرنا چاہیے۔ تمہیں اس نوجوان نے پسند کیا ہے جس پر اشیلیہ کی ہزاروں لڑکیاں فدا ہیں۔ تم ایسے شخص کو اپنا دشمن بنانے کی غلطی نہ کرو جس کی ایک نگاہ تمہیں اندس کی معززین عورتوں کی صف میں فخر کر سکتی ہے۔ اس کی دشمنی مول لوگی تو تم اپنے خاندان کے لیے بڑا کر دو گی۔"

میمونہ محسوس کر رہی تھی کہ کوئی اس کے سر پر ہاتھ پائی ڈال رہا ہے۔ تاہم اس نے غصے سے کام لیا۔ خواہم سرانے کا اور میمونہ کی رفتار غیر شعوری طور پر تیز ہوتی گئی اپنی بجادی

نہ کے باعث خواجہ سرا کے لیے اس کی رفتار کا ساتھ دینا مشکل تھا اور وہ بڑی طرح بانپ رہا تھا، یہاں تک کہ اس کے لیے بات کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

مکان تک پہنچتے پہنچتے میمونہ خواجہ سرا سے کوئی پچاس قدم آگے نکل چکی تھی۔ مکان میں داخل ہوتے ہی میمونہ بھاگ کر ایک کمرے سے مکان اور ترکش اٹھانانی اور ڈیوڑھی کے نیم دو دروازے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ خواجہ سرا دروازے سے چند قدم دور کھڑا ایک لڑکے سے پوچھ رہا تھا: "یہ کس کا مکان ہے؟"

"اور میں کا"

"وہ کون ہے؟"

"تم نہیں جانتے۔ وہ دار الضرب کے ناظم ہیں"

اچانک میمونہ کی کمان سے ایک تیز نکلا اور خواجہ سرا کی کلاہ سر سے گڑ پڑی۔ وہ ہڑوا کر ہو کر بیچھے پڑا، ایک اور تیر آیا اور اس کے پاؤں کے قریب زمین میں دھنس گیا۔ ایک اور تیر اس کی دان کو چھوتا ہو کر گیا۔ خواجہ سرا الٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہا تھا اور تیر اس کے دائیں بائیں اور سامنے گر رہے تھے۔ وہ چلا رہا تھا: "دیکھو دیکھو ایسا مذاق ٹھیک نہیں!"

ایک نوکر لڑکا اس کی بدحواسی پر ہنس رہا تھا اور میمونہ کے دونوں کمرے پر آکر قہقہے لگا رہے تھے۔ ایک بوڑھا نوکر ڈیوڑھی میں میمونہ کے پاس کھڑا کھڑا تھا: "بیٹی! احتیاط سے یہ شادی محل کا خواجہ سرا معلوم ہوتا ہے۔ کہیں اسے زخمی نہ کر دینا!"

لڑکے نے خواجہ سرا کی کلاہ زمین پر سے اٹھائی اور اس سے تیر نکال کر بھاڑتے ہوئے پھر خواجہ سرا کے سر پر رکھ دی پھر ایک تیر آیا اور کلاہ پھر چند قدم دور جاگری خواجہ سرا نے پھر کمر پوری قوت سے بھاگنے لگا۔ اچانک اس کا پاؤں الجھا اور وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ رات کے وقت وہ محل میں شہزادہ رشید کو سمجھا رہا تھا: "حضور! اگر اس لڑکی کے عاشق کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ساری عمر اپنے جسم پر مٹی خوں پھینا پڑے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی اس کا نشانہ ٹھیک نہیں ورنہ میں پھنی ہو گیا ہوتا۔"

میمونہ اپنے مکان کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں دریا کی طرف کھلنے والے درپکے کے سامنے کھڑی شام کی خوشگوار ہوا سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ہمارے دن تھے اور دنیا کے کناروں پر ایشیلیہ کے امیر طبقوں کے بے فکر لوگوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی کشتیاں جن پر زیادہ تر ایشیلیہ کے امیر طبقے کے لوگ سوار تھے ادھر ادھر گھوم رہی تھیں بعض کشتیوں سے شام کے میٹھے اور دلکش راگ سنا دیے رہے تھے۔ شعر و سخن کے دلدادہ لوگوں نے کنارے کے باغات میں پھولوں کی کھاروں کے آس پاس اپنی مٹھلیں جمادھی تھیں۔ گونوں اور شاعروں کے علاوہ مسخرے، بازی گر اور مداری بھی لوگوں کو اپنے اپنے کمالات دکھا رہے تھے۔

غروب آفتاب کے بعد میمونہ ساتھ والے کمرے میں جا کر نماز مغرب کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نماز کے بعد وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہی تھی، کہ نیچے مکان کے صحن میں اسے چند لڑکیوں کی آواز سنا دیں۔ میمونہ دعا ختم کرنے کے بعد برآمدے میں آکر نیچے بھاگنے لگی۔ اس کی چار سیلیاں غلام سے باتیں کر رہی تھیں۔ ایک لڑکی میمونہ کو دیکھتے ہی چلائی: "میمونہ آؤ! دیر ہو رہی ہے، ابھی تم نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا!"

دوسری لڑکی نے کہا: "نہیں نہیں، میمونہ کو لباس تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھو وہ اس سیدے ساوے لباس میں بھی ایک ملکہ معلوم ہوتی ہے۔ تمام لڑکیوں کی نگاہیں میمونہ کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور وہ اپنے گالوں پر ایک خوشگوار حرارت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ایک ثانیر تو وقت کے بعد وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی اور نیچے اتارنے لگی۔

ایک لڑکی نے کہا: "ہمارا خیال تھا کہ تم جا چکی ہو گی۔ اچھا اب تیاری کرو!"

"کہاں؟" میمونہ نے بے اعتنائی سے کہا۔

دوسری لڑکی نے کہا: "قربان جادوں اس بے نیازی پر۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ سلطان بڑے خود آپ کو لینے کے لیے آئیں گی؟"

کی بجائے کوئی عذر پیش کر دیں۔

”تم مطمئن رہو۔ میں اُسے بواب دے سکوں گی۔“

لڑکیاں ایک دوسری کے ساتھ کاناپھوسی کرتی ہوئی مکان سے باہر نکل گئیں۔ سڑک پر ان کی کبھی کبھری تھی۔ جب وہ گلی پر سوار ہو گئیں تو ایک لڑکی نے سرگوشی کے انداز میں کہا ”مجھے معلوم تھا کہ میمونہ جشن میں حصہ نہیں لے گی۔“

دوسری لڑکی نے سوال کیا ”آخر اس کی وجہ؟“

”تم نہیں جانتیں۔ بات یہ ہے کہ شہزادہ رشید میمونہ کے ساتھ شادی کرنے پر بضد ہے۔“

”اگر میمونہ شہزادہ رشید کو ٹھکرا رہی ہے تو اس کا داغ خراب ہو چکا ہے۔“

”نہیں داغ نہیں خراب ہوا۔ بات یہ ہے کہ میمونہ کما پنے خُسن کی قوتِ تغیر کا احساس

ہو چکا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ وہ جس قدر چمچے پئے گی اس قدر شہزادہ رشید کی بیزاری میں اضافہ ہوگا۔ بالآخر ایک لڑکی نے کہا ”تم سب رانی کا پھاڑ بنانا چاہتی ہو۔ میں میمونہ کو جانتی ہوں

رمیکہ کا بیٹا اگر آدھی دنیا پر حکمران ہو تو بھی وہ اُسے قابلِ توجہ نہیں سمجھے گی۔ تم جانتی ہو کہ

جب سے اس کی ماں فوت ہوئی ہے، وہ کسی عقلِ پہل شریک نہیں ہوتی۔ وہ صرف ایک

بار رمیکہ کی دعوت میں شریک ہوئی تھی اور وہاں جو کچھ اس نے دیکھا تھا، وہ اس کے لیے

نا قابلِ برداشت تھا۔ خصوصاً شہزادہ رشید کی حرکات سے وہ بہت پریشان ہوتی تھی۔“

درازا قات لڑکی جو میمونہ کے انکار پر بہت خفا معلوم ہوتی تھی، بولی ”تم میں سے کسی کو یہ

بھی معلوم نہیں کہ میمونہ اور رشید کا معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ کسی دن تم اچانک یہ سنو گی۔

کہ میمونہ شاہی محل میں پہنچ چکی ہے۔ میرا بھائی.....“

وہ یہاں تک کہ خاموش ہو گئی اور دوسری لڑکیاں اصرار کرنے لگیں۔ ”ہاں ہاں

موننا خاموش کیوں ہو گئیں!“

”کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ شہزادہ رشید میرے بھائی کا دوست ہے اور وہ اپنا

میں نے کب کہا ہے کہ ملکہ رمیکہ مجھے لینے آئے!“

”اچھا اب تیار کر دو، دیر ہو رہی ہے۔ آؤ میں تمہارے بال سنوار دیتی دیکھتے ہوئے ایک

دراز قامت لڑکی نے اس کا بازو پکڑ لیا اور پھلی منزل کے ایک کمرے کی طرف دھکیلنے لگی۔

میمونہ نے اپنا بازو پھڑپھڑاتے ہوئے کہا ”میں نہیں جاؤں گی؟“

”تم نہیں جاؤ گی؟“ چند لڑکیوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

”نہیں؟“

”کیوں؟“

”میری مرضی؟“

پہلی لڑکی نے کہا ”تم سلطانہ رمیکہ کی دعوت ٹھکرا دو گی؟“

میمونہ نے اطمینان سے جواب دیا ”کیا سلطانہ رمیکہ کی دعوتوں میں شریک ہونا بھی اذکار

دین میں شامل ہو چکا ہے؟“

دراز قامت لڑکی نے کہا ”دیکھو میمونہ، اگر تمہاری مرضی نہیں تو ہم تمہیں مجبور نہیں

کر سکتیں۔ لیکن تمہارے لیے یہ ٹھیک نہیں کہ تم خواہ خواہ سلطانہ سے ملنے کی کوشش کرو۔

اگر اسے یہ احساس ہو گیا کہ تم علما ان کی دعوت میں شریک نہیں ہوئیں تو وہ اُسے گستاخی

سمجھیں گی۔ اور یہ بات شاید تمہارے بھائی کے لیے اچھی نہ ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ کچھلے جھٹے

شبیلیہ کی ایک مسجد کے خطیب کو صرف اس لیے شہر بدر کیا گیا ہے اس نے مجمع کو عام تقریر

کرتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ سلطانہ رمیکہ شبیلیہ کی خواتین کو بے حیائی کی تبلیغ کر رہی ہیں۔“

میمونہ نے قدرے برہم ہو کر جواب دیا ”آپ میرے بھائی کی ٹھکرہ کریں۔ جلا وطنی ان کے

لیے نئی بات نہیں۔ وہ ملکہ رمیکہ کی بجائے خدا کی خوشنودی حاصل کرنا پسند کریں گے۔“

میمونہ کی ایک اور سہیلی نے کہا ”بہت اچھا ہم آپ کو مجبور نہیں کرتیں لیکن یہ بہتر ہوگا

کہ اگر ملکہ آپ کو ملے کہ اس غیر حاضری کی وجہ پوچھیں تو آپ ان کے ساتھ بحث میں اُلجھنے

کوئی بھید اس سے نہیں چھپا یا

”اور تمہارے بھائی نے تمہیں بتا دیا ہو گا کہ میمونہ کے متعلق شہزادہ رشید کے عزائم کیا ہیں؟“

دراز قامت لڑکی نے قدرے پریشان ہو کر کہا ”بھائی جان نے مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن ان

کی بعض باتوں سے میرا اندازہ ہے کہ شہزادہ رشید میمونہ کو اپنے دل میں جگہ دے چکا ہے۔“

”یہ کون سی نئی بات بتاتی تم نے۔ شہزادہ رشید کے متعلق کون نہیں جانتا کہ وہ لڑکیوں

کے معاملے میں اپنے دادا کی روایات پر عمل کرے گا۔“

دراز قامت لڑکی نے بگڑ کر کہا ”کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم شاہی گھرانے کو موضوع بحث بننے

اس کے جواب میں دوسری لڑکی کچھ کنا چنا جاتی تھی لیکن اس کے قریب بیٹھنے والی لڑکی نے

اس کے بالوں پر چھٹی کی اور وہ خاموش ہو گئی۔“

(۳)

ان لڑکیوں کو رخصت کرنے کے بعد میمونہ نے ایک کمرے کے اندر جا کر لماری سے ایک

کتاب نکالی اور شمع دان کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ برآمدے سے لڑکیوں نے آواز دی۔

”کھانے آؤں؟“

نہیں۔ میں بھائی جان کا انتظار کروں گی۔ یہ کہہ کر میمونہ اٹھی اور وضو کرنے کے بعد شہزادہ

کی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے دوبارہ کتاب اٹھالی۔ تھوڑی دیر بعد

اور میں بھی آگیا اور اس نے صحن میں داخل ہوتے ہی خادمہ سے سوال کیا ”میمونہ کہاں ہے؟“

”میں یہاں ہوں بھائی جان؟“ میمونہ نے جلدی سے برآمدے کے دروازے میں آ کر کہا

اور اس آہستہ آہستہ پاؤں اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا اس کے چہرے پر تھکاوٹ

اور پریشانی کے آثار تھے۔

”طبیعت تو ٹھیک ہے بھائی جان؟“ میمونہ نے قدرے فکر مند سی ہو کر سوال کیا اور دیر

نے اپنے چہرے پر منہموم سی مسکراہٹ لاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”میں.....“

میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم نے کھانا نہیں کھایا؟“

”میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔“

”میں نے تمہیں کہا تھا کہ کھانے کے لیے میرا انتظار نہ کیا کرو۔“

”لیکن آج تو آپ نے دیر نہیں لگائی۔ میں ابھی نماز سے فارغ ہوئی ہوں۔“

اور میں نے محسوس کیا کہ پریشانی میں اُسے وقت کا اندازہ بھی نہیں رہا۔ تھوڑی دیر بعد

بھائی اور بہن دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ اور اس شاہی محل میں جشن کی تیاریاں کا ذکر کر رہا

تھا۔ اچانک اس نے میمونہ سے سوال کیا ”میمونہ! تمہیں کوئی بلانے تو نہیں آیا؟“

میمونہ نے جواب دیا ”ابھی تھوڑی دیر ہوئی زیادہ کی بہن اور اس کے ساتھ چند اور لڑکیاں

میں نہیں تھیں۔ لیکن میں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔“

اور میں تھوڑی دیر خاموش رہا اور میمونہ اس کے چہرے کا آثار چڑھاؤ دیکھتی رہی۔ اچانک

اور میں نے کہا ”تم کھانا نہیں کھاتیں؟“

”بھائی جان! مجھے بھوک نہیں۔“

اور میں نے کہا ”میمونہ آج دوپہر کے وقت شہزادہ رشید ملا تھا اور اس کے بعد میں

سارا دن پریشان رہا ہوں۔ ایک بھائی کے لیے اس سے زیادہ پریشانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ

..... ایسا تک کہہ کر اور میں کی آواز بیٹھ گئی۔ اب دسترخوان کی طرف کسی کی بھی توجہ نہ تھی

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

میمونہ نے کہا ”بھائی جان! ہم دونوں نے ایک ہی ماں کا دوہرا بیٹا ہے اور باپ کی غیرت

میں بھی ہم دونوں کے حق کیسٹاں آتی ہے۔ آپ کی بہن پوچھتی ہے کہ اُس نے آپ سے کیا کیا اور آپ نے

کیا جواب دیا؟“

”جواب صرف تم دے سکتی ہو میمونہ! اس نے تمہارے ساتھ شادی کی درخواست کی ہے

وہ کتابہ کہ میں نے سلطانہ میکہ کو منا لیا ہے اور وہ اس جشن کے ایام میں سلطانہ کو رضامند

کر لیں گی۔ اب تم بتاؤ، میں اُسے کیا جواب دوں؟

میمونہ کا چہرہ غصے سے تنہا اٹھا۔ وہ ایک ٹانے کے لیے بھائی کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک اٹھ کر تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چل گئی۔ اور میں نے جلدی سے پانی کے چند گھونٹ پیے اور اٹھ کر ”میمونہ! میمونہ!“ کتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپاتے کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ اور میں نے اس کے قریب جا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ”میمونہ! میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں کہ رشید تمہاری طرف کب اور کیسے متوجہ ہوا۔ اگر کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس نے اُسے آج میرے ساتھ ہمکلام ہونے کی جرأت دلائی ہے تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔“

میمونہ نے مذکور اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بولی ”میرا قصور یہ ہے کہ میں اپنی سہیلیوں کے امراء پر میکہ کی محفل میں شریک ہوئی تھی۔ میرا قصور یہ تھا کہ جب اس نے بے حیائی کا مظاہرہ کیا تھا تو میں نے احتجاج کیا تھا اور وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ پھر جب محل کی سیرٹھیوں سے اترتے ہوئے اس نے میرا تعاقب کیا تھا تو میں نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا تھا۔ اس کے بعد میرا قصور یہ تھا کہ جب اس نے میرے پاس ذلیل قسم کے خطوط بھیجنے شروع کیے تو میں نے انھیں پڑھے بغیر جلادینا کافی سمجھا اور اپنے بھائی کو بتانے کی جرأت نہ کی۔ اس لیے کہ مجھے انتہائی جذبات کی تسکین سے زیادہ اپنے بھائی کی زندگی عزیز تھی اور میرا خیال تھا کہ میری خاموشی سے اس کا حوصلہ پست ہو جائے گا اور وہ میرا چچا چھوڑے گا۔ یاد کی بہن مجھے ڈرایا کرتی تھی کہ اگر تم نے یہ راز فاش کیا تو تمہارے بھائی کے لیے برا ہوگا۔“

”اور تمہارے بھائی کا قصور یہ ہے کہ اُس نے آج اُس کے منہ پر طمانچہ نہیں مارا تھا۔ بھائی تم سے معافی مانگتا ہے۔ میمونہ مجھے تم پر فخر ہے؟ اور میں نے میمونہ کا سر اپنے سینے سے لگا کر دال کے ساتھ آنسو پونچھنے کے بعد اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا اور اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا ”میمونہ تمہارے پاس رشید کے خطوط زیادہ کی بہن لایا کرتی تھی؟“

Scanned by iqbalmt

”اے“

”تو بھائی اور بہن کے سامنے ایک ہی قسم ہے۔ ابھی جب میں آ رہا تھا، تو راستے میں مجھے زینا نے روک لیا۔ بڑا ذلیل آدمی ہے۔ وہ مکان کے دروازے تک میرے ساتھ آیا اور سارا اسے رشید کی وکالت کرتا رہا۔“

میمونہ نے کہا ”بھائی جان میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کسی ایسی جگہ بھیج دیں جہاں انسانوں کی حکومت ہو؟“

اور میں نے مغموم لہجہ میں کہا ”اندلس سے انسانوں کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ پھر جو میں سوچ رہا ہوں۔۔۔ شاید غرناطہ کے حالات یہاں سے بہتر ہوں۔ میں سعد کے متعلق معلوم کر دوں گا۔ ممکن ہے وہ ابھی تک وہیں ہو اور اس کی کوششوں سے مجھے غرناطہ میں کوئی ملازمت مل جائے۔“

سعد اور غرناطہ کا نام سنی کر میمونہ کے دل میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پھر ایک بہم سو تصویر ماضی کے دھندلکوں سے نکل کر اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ سعد کی تصویر۔ جو اس کے خیالوں کی دنیا میں بڑھتے پھوٹنے اور پینے کے بعد ایک کچھ عرصے سے یہ کہہ رہا تھا ”میمونہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں تمہاری حیا اور غیرت کی حفاظت کے لیے ایک نانا بابا کی تصویر قلمہ تعمیر کر رہا ہوں۔“

اور میں نے کہا ”میمونہ تمہیں معلوم ہے کہ میکہ اور اس کا بیٹا اچانک تمہاری طرف متوجہ کیوں گئے ہیں؟۔۔۔ بات یہ ہے کہ انھوں نے عربیائی اور بے حیائی کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے اور وہ دوسروں کی حیا اور شرافت کو اپنے لیے باعث تذلیل خیال کرتے ہیں۔ میکہ یہ سمجھتی ہے کہ انٹیلیجیٹ ہر شریف اور پاک باز عورت اس کا تسخیر آرا ہی ہے، اس لیے وہ ہر ایک کے چہرے سے شرم دیا کا نقاب لوچنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔۔۔۔۔ اور جی حال اس کے بیٹوں کا ہے۔ اب مہمند کے دربار میں عزت اور اقتدار کی کرسیاں آہستہ آہستہ ان لوگوں کے

لیے وقت ہو رہی ہیں، جو بے غیرتی اور بے حیائی میں نام پیدا کر چکے ہیں اب ہمیں کوئی اور جاکر تلاش کرنی پڑے گی۔

میمونہ نے کہا: ”بھائی جان مجھے یقین ہے کہ غرناطہ کے حالات ایشیلیہ سے بہتر ہوں گے اور تمہیں قرطبہ ملے جانا چاہیے۔ وہاں ہم اجنبی نہیں ہوں گے۔“

اور میں نے کہا: ”کچھ عرصہ تک قرطبہ کی حالت شاید ایشیلیہ سے بھی بدتر ہو جائے۔ رشید وہاں کا گورنر بن کر جانے والا ہے۔“

(۴)

خادمہ نے اندر جھانکے ہوئے کہا: ”صحن میں لو کر کھڑا ہے۔ شاید باہر آپ سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔“

اور میں نے فکر کو آواز دے کر بولایا اور اس نے دروازے کے قریب آ کر کہا: ”غرناطہ سے آپ کے دوست آئے ہیں۔ میں نے انھیں دیوان خانے میں بٹھادیا ہے۔“

اور میں نے فوراً باہر آ کر نوکر سے سوال کیا: ”تم نے ان کا نام پوچھا؟“

”جی ہاں! لیکن وہ کہتے ہیں کہ میرے متعلق صرف اتنا کہ وہ کہہ دیں غرناطہ سے آیا ہوں۔“

میمونہ ایک لمحے کے لیے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر وہ اٹھی اور جلدی سے صحن میں آگئی۔۔۔۔۔ غرناطہ سے کون آیا ہے؟ اس کے دل کی دھڑکنیں اس سوال کا جواب دے رہی تھیں۔ وہ اپنی زندگی کے پُر سکون سمندر میں ایک طوفان محسوس کر رہی تھی اور ایک بے پایاں سُر سے اس کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ صحن میں کھڑی ہو کر وہ تھوڑی دیر کے لیے آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھتی رہی۔ ان کی خاموش مسکراہٹیں مقبوضوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ ”سعد! سعد!“

اس نے اپنے دل میں کہا: ”کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم.....؟ اور زندگی کے کئی معصوم، دلکش اور حسین نقوش ماضی کے دھندلوں سے نکل کر اس کے گرد قفس کرنے لگے۔ سعد کا نام ایک مغرب تھا جس نے زندگی کے خاموش تاروں کو چھڑک کر انگوٹوں کی ایک نئی دنیا بیدار کر دی تھی۔

Scanned by iqbalmt

میمونہ صحن عبور کرنے کے بعد دیوان خانے کے ایک کمرے کے نیم دروازے کے ساتھ لگ کر اندر جھانک رہی تھی۔ اب اس کا بھائی ایک آدمی سے بھل گیا ہو رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو بھیج رہے تھے۔ ایک دوسرے پر سوالات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ اجنبی کا چہرہ دوسری طرف تھا اس لیے میمونہ اُسے پہلی نگاہ میں اچھی طرح نہ دیکھ سکی۔ اچانک اور میں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اپنے دونوں ہاتھ سعد کے کندھوں پر رکھتے ہوئے کہا: ”مجھے اپنی صورت تو دیکھ لینے دو“

اب میمونہ بھی اُسے اچھی طرح دیکھ سکتی تھی۔ سعد! اس کے بچپن کا استاد! مردانہ جس دو قلم کا ایک پیکر بن چکا تھا۔ میمونہ کے دل کی دھڑکنیں سرگوشیوں میں کہہ رہی تھیں: ”تم وہی ہو۔ تم میرے ہو۔ تم میرے لیے آئے ہو۔“ میمونہ نے خود فراموشی کی حالت میں اپنا ایک پاؤں دبلیے پر رکھ دیا۔ جذبات کے طوفان کی ایک سرکش لہر اُسے دھکیل کر کمرے کے اندر لے جانا چاہتی تھی لیکن اچانک اس نے ایک ٹھہر بھری لی اور ایک طرف ہٹ کر چوٹھ کے ساتھ سر لگا کر کھڑی ہو گئی۔ ”سعد! سعد! مجھے معلوم تھا تم آؤ گے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہا رہے تھے۔ زندگی کے حسین چہرے سے وقت کی آنکھوں کا غبار دھل رہا تھا۔

ہوا کا ایک جھونکا آیا اور دونوں کو اکٹھا کر گئے..... وہ گہرا کرتی پیچھے ہٹی لیکن اور میں نے اسے دیکھ لیا اور وہ چلا اٹھا۔ ”میمونہ سعد آیا ہے۔“

لیکن اب طوفان کے جھونکوں کا رخ بدل چکا تھا۔ میمونہ بے تماشیا جھانک رہی تھی۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر وہ کمری پر بیٹھ گئی۔ پھر اچانک اٹھی اور دیوار کے ساتھ آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ ”پگلی کنیں کی؟“ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے کہا۔

بے قراری کی حالت میں کمرے کے دو تین چکر کاٹنے کے بعد وہ پھر باہر نکل اور برآمدے کے ایک کونے سے زینے پر بٹھا گئی، ہوائی بالائی منزل کی چھت پر جا پہنچی، اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور ستارے اُسے آپس میں سہرگوشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ دریا کی طرف سے کسی ماہی گیر کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ میمونہ یہ گیت کہتی بار سن چکی تھی لیکن آج وہ پہلی

ابھی کے پاس رہنا مناسب سمجھتا ہوں۔

ادریس نے کہا: ”کیا کہہ رہے ہو تم۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میرے یہاں مجھے مجھے کسی سرے میں ٹھہر دو تمہارے ساتھ اگر پاس آدمی بھی جن تو میں یہ گوارا نہیں کروں گا کہ وہ سرائے میں رہیں۔ ہمارا سارا مکان خالی پڑا ہے۔“

سعد نے کہا: ”سہر دست ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ ہم ایک مقصد سے ایشیلیہ آئے ہیں۔ میری بات تو سنو!“

ادریس نے قدرے بالوس ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا: ”میں جانتا ہوں کہ تم بہت جلدی ہو یا چاہا کو کیا کہتے ہو؟“

سعد نے کہا: ”تمہیں معلوم ہے کہ ابن عمار نے نہ صرف معتد کو دھوکا دیا ہے بلکہ سب اندس کے مسلمانوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ وہ پانچ ہزار رضا کار جو مختلف شہروں سے

کفر اسلام کی جنگ میں حصہ لینے کی نیت سے آئے تھے، یہ تلخ احساس لے کر واپس گئے ہیں کہ اب اندس میں مسلمانوں کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اگر افغانوں کے ساتھ جنگ چھڑ جاتی تو مجھے یقین تھا کہ چند دنوں کے اندر اندران رضا کاروں کی تعداد دس گنا زیادہ ہو جاتی اور اندس کی

رہائے عامہ ہر حکمران کو معتد کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیتی۔ میں معتد سے ملنا چاہتا ہوں میں اُسے ریتا اپنا فرس سمجھتا ہوں.... کہ ابن عمار نے جس دشمن کو رشوت دے کر رخصت کیا ہے وہ دوسری بار زیادہ تیار لوں کے ساتھ واپس آئے گا۔ دوسری بار بھی اگر اہل ایشیلیہ نے اسی

طریق کار پر عمل کیا تو وہ پہلے کی نسبت کسی گنا زیادہ خراج اور رشوت مانگے گا۔ اس طرح معتد کو ایشیلیہ کی آزادی کے ہر سانس کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہاں تک کہ ایشیلیہ کے خزانے میں ایک کوڑی تک باقی نہ رہے گی۔ ابھی یہ حالت ہے کہ ابن عمار نے پانچ سو بہترین گھوڑے اُن کے

حوالے کر دیے ہیں۔ آئندہ چند سالوں میں شاید وہ سپاہیوں کو بھی دشمن کے پاس فروخت کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا پھر ایشیلیہ والوں کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا تو افغانوں کو

رتبہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس قسم کے ہزاروں گیت اس کے دل میں گزریں گے سب سے پہلے خادہ نے نیچے پر سے آواز دے کر پوچھا: ”عہان کے لیے کھانا تیار کروں؟“

”ہاں ہاں؟“ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا: ”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے جلدی کرو لیکن نہیں میں خود آتی ہوں۔ میں خود کھانا تیار کروں گی؟“

دیوان خانے میں ادریس اور سعد اب قدرے اطمینان کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔ اپنے متعلق ادریس کے چند سوالات کا جواب دینے کے

بعد سعد نے کہا: ”تمہاری امی جان کیسی ہیں؟ پہلے انھیں میرا سلام پہنچا دو، پھر باتیں کریں گے۔“ امی جان تو پچھلے سال فوت ہو گئیں۔ ادریس نے قدرے منہموم لہجے میں کہا:

”سعد! تمہارا فسوس کے لیے موزوں الفاظ سوچ رہا تھا کہ ادریس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا: ”میں تمہارے لیے کھانے کا انتظام کر آؤں؟“

”نہیں کھانا میں نے سرائے میں کھالیا تھا۔“

”کب پہنچے تم یہاں؟“

”ہم شام سے تھوڑی دیر پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔ مجھے یہ یقین نہیں تھا کہ آپ یہاں ہوں گے۔“

میرا خیال تھا کہ آپ قریب چلے گئے ہوں گے لیکن خوش قسمتی سے سرائے کے نزدیک ایک مسجد کا خطیب آپ کو جانتا تھا اور اس نے ایک آدمی کے ساتھ مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔ احمد اور

حسن بھی میرے ساتھ ہیں۔ لیکن وہ بہت تھکے ہوئے ہیں، اس لیے میں انھیں وہیں چھوڑ آیا ہوں اور اس نے کرنے سے نکل کر ایک نوکر کو آواز دی اور کہا: ”تم فوراً میری گھٹی تیار کرو۔“

ادھر دھارہ کمرے میں اگر سعد کی طرف متوجہ ہوا: ”میں خود احمد اور حسن کو لے کر آتا ہوں۔“

سعد نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا: ”ادریس تم بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ چند باتیں کرنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔ میرے ساتھ چند اور نوجوان بھی ہیں اور میں

مراحت کا سامنا کیے بغیر ایشیلیر پر قابض ہو جائے گا۔ ایشیلیر کے لوگوں میں مقابلہ کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی سکت بھی نہیں ہوگی اور باہر کے مسلمان اپنے سابقہ جہاد کے باعث ان کا ساتھ دینا مناسب سمجھیں گے۔ شاید اس وقت اپنی جگہ جیسے سیاستدان بھی معتمد کے اقتدار کی گرتی ہوئی عمارت کو سہارا دینے کی بجائے افغانیوں کی شان میں تعاضد کر کے اپنے لیے زیادہ سودمند خیال کریں۔ میں معتمد کو اس صورت حال سے آگاہ کرنا اپنا آخری فرض سمجھتا ہوں۔ وعدہ تم جانتے ہو کہ ایشیلیر کی تباہی سائے اندلس کی تباہی کا پیش خیمہ ہوگی اور اس نے کہا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم پر جنوں سوار ہے اور تم اندلس کو تباہی سے بچاتے بچاتے خود کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔۔۔۔۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ معتمد اپنی عمارت اس کامیابی کو اپنی زندگی میں سب سے بڑی فتح سمجھتا ہے۔ اس نے افغانیوں کی دایس کی خبر سنتے ہی فتح کے جشن کی تیاریوں کا حکم دے دیا ہے۔ پرسوں اپنی عمارت میں آئے گا۔ تو معتمد کے تمام وزراء اور بڑے بڑے عہدہ دار شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کریں گے اس کے بعد جشن شروع ہوگا اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔ اول تو تمہارے لیے معتمد تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اگر تم وہاں تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جاؤ تو بھی یہ عمارت کے خلاف تمہاری شکایات سننے کی بجائے تمہیں دھکے دے کر باہر نکال دیا جائے گا۔ معتمد شاید تمہارے لیے یہی سزا کافی سمجھے۔ لیکن اس کے بعد تم ایشیلیر کی ہر دیوار کے پیچھے اپنے لیے ایک دشمن پاؤ گے اور تمہارا یہاں سے نکلنا ایک معجزہ ہوگا۔

سعد نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "ادیس! ممکن ہے کہ اپنے مشن کی ناکامی کے بعد مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھوئے پڑیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ میرے منہ سے حق کی آواز منتر کو راہ راست پرنے آئے، اور میری قوم تباہی سے بچ جائے!"

ادیس نے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ اگر تم معتمد سے ملنے کا ارادہ کر چکے ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نہیں روک سکتی۔"

تم میری کامیابی کیلئے دعا کرو معتمد سے ملاقات کا اگر کوئی خوشگوار نتیجہ نکلا تو میں ادریس کو ساتھ لے کر سیدھا تمہارے گھر آؤں گا اور اس وقت تک یہاں رہوں گا جب تک کہ تم تنگ نہ آ جاؤ۔ لیکن سروسٹ میں یہ نہیں چاہتا کہ کسی کے مارے دوستانہ تعلقات کا بھی علم ہو۔ ادریس نے کہا۔ "تم سمجھتے ہو کہ تمہارے یہاں ٹھہرنے سے میری ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی۔ لیکن کاش تمہیں معلوم ہو کہ میں یہاں خون کے گھونٹ پی رہا ہوں، اگر مجھے سمونہ کا خیال نہ ہوتا تو میں کب سے ایشیلیر چھوڑ کر کہیں جا چکا ہوتا۔"

"ادیس ہماری دوستی رسی نہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں کہاں ٹھہرا ہوں ہم صبح و شام ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں۔"

ادیس نے کہا۔ "ان دنوں معتمد سے ملاقات کرنا بہت مشکل ہے۔ شامی ایوان کا ناظم سیرا واقع ہے۔ لیکن وہ جشن کی تیاریوں میں مصروف ہو گا۔"

سعد نے کہا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں کسی نہ کسی طرح اس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ مجھے اجازت دو۔"

ادیس نے کہا۔ "نہیں۔ سیرا نے تک میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ میں ابھی اتنا ہوں۔"

"میمونہ! میمونہ! ادریس نے رہائشی مکان کے صحن کو عبور کرتے ہوئے آواز دی۔

"کیا ہے بھائی جان؟" میمونہ نے باوقار انداز سے باہر بھاگتے ہوئے کہا۔

"یہاں کیا کر رہی ہو تم؟"

"کھانا تیار کر رہی ہوں بھائی جان!"

"تم کو بھی تکلیف اٹھا رہی ہو۔ سعد کھانا نہیں کھائے گا۔ وہ جارہا ہے۔"

میمونہ مبہوت سی ہو کر رہ گئی۔ اس کا دل ایک ناقابل برداشت بوجھ سے بے بسا جا رہا تھا۔ وہ..... وہ جارہے ہیں؟ "اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں!" ادریس یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ اب باورچی خانے کے دروازے سے دھنسی سی دھنسی

اور ایس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اور ایس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم دیکھ کر میمونہ کی کائنات پھر ایک بار امید کی روشنی سے جگمگا اٹھی۔ اُس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا: ”میں سمجھتی تھی کہ وہ سچ بولتا ہے، میں ملوث نہیں کرتا میمونہ! سراسر میں ان کے چند دوست ہیں وہ ان کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ سعد کے چھوٹے بھائی بھی آئے ہوتے ہیں۔“

”آپ نے انہیں.....“ میمونہ کی آواز ڈوب گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔

اور ایس نے کہا: ”بھلی تمہارا خیال ہے میں نے سعد کو روکا نہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ ایک ضروری کام سے آیا ہے۔ کام سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آجائے گا۔ اب میں آ چھوڑنے جا رہا ہوں۔“

میمونہ نے قدرے مطمئن ہو کر پوچھا: ”آپ نے اُن کے گھر کی خیریت تو بھی ہے؟“

”ہاں وہ سب خوش ہیں۔“

(۵)

ابن عمار ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ ایشیلیہ کے عوام اور حکومت کے عہدہ دار اس کے راستے میں صفیں باندھے کھڑے تھے۔ گزشتہ دو تین دنوں میں حکومت کے ڈھنڈو بھی ایشیلیہ کے عوام کو یہ احساس دلانے لگے تھے کہ ابن عمار قوم کا نائب سے بڑا محسن ہے اور اس کا تازہ کارنامہ عوام کی طرف سے بڑے سے بڑے انعام کا مستحق ہے اور وہ لشکار احسان مندی کے اظہار کے لیے اس پر بھول برسا رہے تھے۔ شاہی محل کے دروازے پر یہ کار کا معتمد اور ملکہ میکہ اور شاہی گھرانے کے دوسرے افراد دروازے کے سامنے پیش قیمت قایمون سے آراستہ چبوترے پر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جب توڑے سے نیچے کئی گرتا سرک پر بھی قایمین چکے ہوئے تھے۔ ابن عمار گھوڑے سے اترا۔ سیرٹھیاں ملے کرنے کے بعد اُس نے معتمد اور میکہ کو ٹھیک کر سلام کیا اور انھوں نے آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے جوابات کے دو پیش قیمت ہمارے اس کے گلے میں ڈال دیے۔ اس کے بعد معتمد اور میکہ کی راہنمائی میں

ابن عمار اور چیدہ چیدہ امرا محل کے اندر داخل ہوئے۔ سعد اور اس کے ساتھی لوگوں کے جوہم میں کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ایسا س نے سعد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: ”سعد میمیری مجھ میں نہیں آتا کہ تم ان لوگوں کو کیا سمجھاؤ گے اب تو میرا خیال یہ ہے کہ تمہیں کئی دن نیک معتد کے ساتھ ملاقات کا موقع نہ ملے گا۔“ سعد نے کہا: ”میں اس کے ساتھ ضرور ملوں گا۔ آج طاقت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر میرا ارادہ اور بھی پختہ ہو گیا ہے۔“

مغرب کی نماز کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کو سرائے میں چھوڑ کر سعد اور اس کے ساتھ اور ایس کے گھر چلا گیا۔ اور ایس گھر میں نہ تھا۔ سعد واپس آنا چاہتا تھا، لیکن اُس کے بوڑھے دوکر نے کہا: ”وہ آئے ہی والے ہوں گے۔ آپ کے متعلق وہ ہمیں تاکید کرتے ہیں کہ آپ تھوڑی دیر ان کا انتظار کریں۔“

نوکر کے اصرار پر سعد اور اس کے بھائی دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اور ایس بھی آگیا۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بالآخر سعد نے کہا: ”اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ ہمیں جانا چاہیے۔“

اور ایس نے کہا: ”اب وہاں جا کر کیا کرو گے۔ ہمیں سود ہو۔“ سعد نے جواب دیا: ”نہیں ہمارے ساتھی پریشاں ہوں گے۔“

کسی نے صحن کی طرف سے دروازہ کھٹکھٹایا اور اور ایس اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے واپس آ کر کہا: ”سعد! میمونہ تم سے بہت خفا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر تمہیں ہماری میزبانی قبول نہیں تو چھوٹے بھائیوں کو یہاں چھوڑ جاؤ۔“

سعد نے کہا: ”ہم جانے سے پہلے آپ کی میزبانی کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ اپنے کام سے فارغ ہوتے ہی میں آپ کے پاس آجاؤں گا۔ اس وقت ہمیں آپ اجازت دیجیے۔“

اور ایس نے کہا: ”میں خود آپ کے دوستوں کے پاس جانا، لیکن میں بہت مصروف

ہوں۔ دارالضرب میں آج کل دن رات کام ہو رہا ہے۔ پرسوں وزیر خزانہ الفاسو کے پاس
خراج کی رقم لے کر جا رہا ہے اور ہمیں تمام سونا اور چاندی سبکوں میں تبدیل کر دینے کا حکم ملا
ابھی بہت سا کام باقی ہے اور میں باقی رات دارالضرب میں گزاروں گا۔ کل بھی شاید مجھ
فرصت نہ ملے۔ اس کے بعد میں بالکل فارغ ہوں۔ امید ہے کہ معتمد کے ساتھ تہنای ملاقات
کا کوئی راستہ نکال سکوں گا۔ جیش کے اختتام پر ابن عمار بھی مرہبہ جا رہا ہے۔ مجھے امید ہے
کہ اس کی غیر حاضری میں تمہیں زیادہ آزادی کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔
سعد نے کہا: ”میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں ابن عمار کے منہ پر لکھوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ
ایک دو دن تک میں معتمد کے دربار میں رسائی حاصل کر سکوں گا۔“
”تم بہت ضدی ہو سعد! چھا چلو!“

سعد اور اس کے بھائی ادریس کے ساتھ اس کی گنجی پر سوار ہو گئے۔ ادریس نے دواؤں
کے قریب پہنچ کر گنجی سے اترتے ہوئے کوچان کو حکم دیا کہ وہ همانوں کو سرائے میں بھجواتے۔
(۶)

اگلے دن سعد صبح سے لے کر شام تک شاہی ایوان کا طواف کرتا رہا لیکن اُسے معتمد
کے دربار میں حاضر ہونے کا موقع نہ ملا۔ شاہی ایوان کے ناظم کے سامنے اس کی پر جوش
تقریریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ ناظم کے پاس ایک ہی جواب تھا اور وہ یہ کہ سلطان معظم
جیش منار ہے ہیں اور جیش کے دوران میں اگر غرناطہ کا حکمران بھی آجائے، تو بھی وہ طاق
سے انکار کر دیں گے۔ تم ایک ہفتہ صبر کرو۔ اس کے بعد میں تمہاری درخواست پیش کر دوں گا۔
پھر انھوں نے مناسب سمجھا تو وہ تمہیں ملاقات کے لیے وقت دے دیں گے میں اس سے
زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا اگر تمہیں جلدی ہے تو تم شاہی حمان خانے کے داروغہ سے ملو لیکن
ہے کہ اس کی سفارش سے تمہیں جیش میں شریک ہونے کی اجازت مل جائے۔“

سعد شاہی حمان خانے کے داروغہ کے پاس پہنچا تو اس نے یہ غلط پیش کیا کہ میں صرف

اپنے آنے والے مشہور و معروف شعرا اور گویوں کی سفارش کر سکتا ہوں اور وہ بھی اس صورت میں
جب کہ میں اچھی طرح اس بات کا اطمینان کروں کہ وہ جیش میں حصہ لینے کے قابل ہیں۔“
تیسرے پر سعد نے ذرا جرات سے کام لیا اور وہ شعراء کی ایک ٹولی کے ساتھ محل
میں داخل ہو گیا۔ لیکن محل کے بیرونی دروازے سے آگے پولیس کے چند افسر دعوت نامے دیکھنے
پر پہنچے تھے۔ سعد نے آنکھ پیکا کر گزرنے کی کوشش کی لیکن ایک افسر نے اُسے آواز دیکر روک دیا
”آپ کا اجازت نامہ؟“ اس نے سوال کیا۔

”میں غرناطہ سے سلطان معظم کے لیے ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہوں؟ سعد نے
پنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
”اجازت نامہ بغیر تم اندر نہیں جا سکتے۔“

”میرا سلطان معظم کی خدمت میں حاضر ہونا بہت ضروری ہے اور میں اجازت نامہ
کا انتظار نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں میرے متعلق کوئی شبہ ہے تو مجھے گرفتار کر کے سلطان کے سامنے لجاؤ۔“
”آپ کے مشورے پر عمل کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ آپ باہر تشریف لے جائیں
اور دوبارہ اس دروازے میں داخل ہونے کی تکلیف نہ کریں۔“

سعد ان کے ساتھ جھڑپا تھا کہ کو تو اں وہاں آپہنچا۔ پولیس کے آدمی جو سعد کے
گرد جمع ہو رہے تھے، ایک طرف ہٹ گئے۔
کو تو اں نے سوال کیا: ”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“

ایک افسر نے جواب دیا: ”یہ لو جو ان بھندے کہ ہم اسے گرفتار کر کے سلطان معظم
کے حضور میں لے جائیں۔“

کو تو اں نے کہا: ”شبیلی میں دیوانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ بہتر ہے کہ تم لوگ دروازے
سے باہر ہی اجازت نامے دیکھ لیا کرو۔“

افسر نے کہا: ”لیکن یہاں کے دیوانے بھی ایوان شاہی کے آداب سے غافل نہیں ہوتے۔“

یہ غرناطہ سے آیا ہے۔“

”تو پھر دو سپاہیوں سے کو کہ اسے شہر سے باہر چوڑا آئیں۔ لے جاؤ اسے!“

سعد غاموشی سے کو تو ال کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس موٹے تازے آدمی کے خود خال میں اُسے ماضی کی ایک موہوم سی تصویر نظر آ رہی تھی۔ اچانک اس کے دل میں ناخوش گوار دھڑکنیں پیدا ہوئیں اور وہ باہر کے دروازے کی طرف چل دیا۔

”مٹھرو!“ کو تو ال نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

سعد ڈک کر دوبارہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

کو تو ال چند قدم آگے بڑھا اور ایک شانیر کے لیے سعد کی طرف گھور گھور کر دیکھنے کے بعد بولا۔ ”میں نے شاید پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے؟“

”آپ کبھی غرناطہ گئے ہیں؟“ سعد نے اطمینان سے کہا۔

”نہیں۔ لیکن میں نے تمہیں دیکھا ضرور ہے۔“

”میں دو دن سے یہاں پھر رہا ہوں۔“

”دو دن میں تمہیں یہ تجربہ نہیں ہوا کہ اشیلیہ کا شاہی ایوان ایک سراسے نہیں جس کے دروازے ہر آوارہ مزاج آدمی کے لیے کھلے ہوں۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں سلطان معتمد سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”اور میں پوچھ سکتا ہوں کہ سلطان معظم کے حال پر آپ اس قدر مہربان کیوں ہیں؟“

”میں غرناطہ سے ایک رضا کار کی حیثیت میں آیا تھا اور واپس جانے سے پہلے.....!“

کو تو ال نے بات کاٹ کر کہا۔ ”میں سلطان معظم کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

لیکن اب تم تشریف لے جاؤ۔ یہاں خواہ مخواہ دھکے کھانے سے کیا فائدہ؟ جاؤ!“

سعد کچھ کے بغیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل آیا۔ کو تو ال پولیس کے آدمیوں

سے کہہ رہا تھا۔ ”ان لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اشیلیہ کے درختوں کے ساتھ تپوں کی کھجور

رہ گئے ہیں۔ اگر یہ دوبارہ یہاں آئے تو اُسے قید خانے میں بھیج دو۔“

(۷)

رات کے وقت سراسے کے ایک کمرے میں سعد اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کو اپنی دن بھر کی کارگزاری سناتا رہا تھا۔ اختتام پر اس نے احمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”احمد تمہیں یاد ہے کہ یوں میں ایک دن ہماری مدینۃ الزہرا کے لڑکوں کے ساتھ لڑائی ہوتی تھی اور میں نے ایک موٹے سے لڑکے کو پکڑ لیا تھا؟“

احمد نے جواب دیا۔ ”ہاں! مجھے یاد ہے، اس کا نام زیاد تھا اور اگر میں نے اُسے پہنچا میں غلطی نہیں کی تو وہ آج کل یہاں ہے، میں اُسے دوبارہ دیکھ چکا ہوں۔“

سعد نے کہا۔ ”وہ آج کل اشیلیہ کا کو تو ال لگا ہوا ہے۔ یہ خوش قسمتی تھی کہ آج وہ مجھے پہچان نہ سکا۔“

ایسا نے کہا۔ ”میرے خیال میں اب ہمیں غرناطہ لوٹنے کی تیاری کرنی چاہیے، خواہ خواہ پھر ٹوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں؟“

سعد سوچ میں پڑ گیا۔ احمد اور حسن پہلی بار اس کے چہرے پر ایسی سی کے اظہار دیکھ چکے تھے۔ احمد نے کہا۔ ”بھائی جان! اگر آپ کو یقین ہے کہ معتمد سے آپ کی ملاقات کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا کر سکتی ہے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں۔“

سعد نے کہا۔ ”مجھے اب کسی بات پر یقین نہیں، میں ہوائی قلعے تعمیر کر رہا ہوں، شاید اندلس کا ہر نوجوان جس کے دل میں قوم کا درد ہے۔ ہوائی قلعے تعمیر کر رہا ہے.....!“

احمد نے کہا۔ ”لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کی ملاقات کا بندوبست ہو سکتا ہے۔“

اب سب احمد کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ اطمینان سے سُسکا رہا تھا۔ سعد کو اس کی سُسکا

کھ بے عمل سی محسوس ہوئی اور اس نے قد سے تلخ ہو کر کہا۔ ”فریادیں! آپ نے کیا طریقہ سوچا ہے؟“

احمد نے کہا۔ ”میں نے جو کچھ سوچا تھا، اُس پر عمل بھی کر چکا ہوں..... اگر میرا اس سے فائدہ

”تم نے سچ کچھ قصیدہ بھیج دیا ہے؟“

”بھائی جان! میں آپ سے خدائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ

بہت جلد آپ کو بلائیں گے۔“

”مجھے.....؟ یہ قصیدہ تم نے میرے نام سے بھیجا ہے؟ اور یہ شعر دکھاؤ مجھے!“

سعد نے اس کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیا اور اس پر ایک ثنائیہ نظر دوڑانے کے بعد کہا

”بالا قی تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ بوڑھی چڑیل اپنے متعلق ایسے اشعار سننا پسند کرتے گی؟“

احمد نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”بھائی جان! گھبرائیے نہیں۔ سرائے کے دوسرے

کمرے میں قرطبہ کا ایک شاعر ٹھہرا ہوا ہے، کل شام مجھے اس نے اپنی نظم دکھائی تھی

اور آج وہ دربار میں سنانے کے بعد پانچ سو دینار انعام لے کر آیا ہے۔ اس کی نظم کا پہلا

شعر یہ تھا کہ: ”زمانے کے بے رحم ہاتھوں نے ہر صوفی مسیح کو ڈالی لیکن اے ریمیکہ

تو دی ہے جو آج سے تیس برس پہلے تھی۔“

”لغت ہے ایسی ریمیکہ پر“ سعد نے معصومانہ انداز میں کہا اور سب ہنس پڑے۔

احمد نے کہا: ”آپ کو شاعرانہ لباس کی ضرورت تھی اور میں نے قرطبہ کے شاعر کی

نبا اور ٹوپی خرید لی ہے۔ صرف بیس دینار دینے پڑیں گے۔“

”تو تمہارا مطلب ہے کہ میں سچ کچھ ایک شاعر بن کر وہاں جا رہا ہوں!“

”مجھے یقین تھا کہ آپ اپنا ارادہ تبدیل نہیں کریں گے۔“

”بہت شہر ہو تم!“

”شکریہ!“ احمد نے مسکرا کر کہا۔

اور رات کے وقت جب تینوں بھائی ایک دوسرے کے قریب اپنے اپنے بستر پر

لیٹے ہوئے تھے، سعد نے آہستہ سے کہا: ”احمد!“

”کیا ہے بھائی جان؟“

”کچھ نہیں ہو گا تاہم آپ کو پنا فرض پورا کرنے کا موقع مل جائے گا۔ آج میں نے بھی کچھ دوڑھو

کی ہے اور میری دوڑ دھوپ بنے تیر نہیں رہی، بات یہ ہے کہ شاہی محل کا دروازہ آج کل صرف شاہ

اور گویوں کے لیے کھلا ہے۔ گویے آپ بن نہیں سکتے۔ لیکن شاعروں کی نقل اتارنا آپ کے لیے مشکل نہیں

”کیا مطلب؟“ سعد نے اور زیادہ بگڑ کر کہا۔

احمد نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک، کاغذ نکالا اور سعد کو دکھاتے ہوئے کہا: ”یہ دیکھو

یہ معتد کے محل کی کنجی ہے۔“

”سعد نے کہا: ”یہ دل لگی کے لیے کونسا موقع ہے؟“

”دل لگی نہیں بھائی جان! میں آپ سے انعام کا حق دار ہوں یہ ریمیکہ کا قصیدہ ہے۔“

”گر میرا اندازہ غلط نہیں تو اس وقت تک وہ اس کی دوسری نقل دیکھ چکی ہوگی ادب شاید معتد

کو حکم دیا جا رہا ہو گا کہ غرناطہ کے اس نامور شاعر کو فوراً تلاش کر دو جس نے میری شان میں یہ

قصیدہ کہا ہے۔“ اے ایشیلیہ کی محبوب کلمۃ التیلا حسن معتد کے حسین پُنبوں کی تفسیر ہے۔

”گر معتد کے اشعار نے پرندوں کو نغنے سکھائے ہیں۔ تو پھولوں نے تیری مسکراہٹیں چرائی ہیں!“

سعد بولا: ”کیسے نالائق ہو۔ تم نے یہ شعر کہاں سے سنا؟“

”مجھے خود ہی یہ تکلیف اٹھانی پڑی.... لیکن بھائی جان! آپ پریشان نہ ہوں میں

صرف وقت کی ایک ضرورت کو پورا کیا ہے.... اگر اجازت ہو تو سارا قصیدہ سنا دوں؟“

”قصیدہ بعد میں سنوں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اس حماقت کو کہاں تک پہنچایا ہے؟“

احمد نے جواب دیا: ”ہر چیز اپنے مرکز کی طرف پر توڑ کرتی ہے اور ایسی حماقتوں کا

مرکز معتد کا دربار ہے۔ میں یہ قصیدہ شاہی دھان خانے کے اندر غے کے پاس لے گیا تھا پہلے

وہ میرے ساتھ بات کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ لیکن یہ قصیدہ پڑھتے ہی وہ جلا اٹھا۔ کہاں

ہے وہ شاعر وہ اب تک میرے پاس کیوں نہیں آیا؟ اُسے میرا سلام کہو۔ میں آج ہی

قصیدہ ملکہ کے پاس بھیجتا ہوں.... مجھے یقین ہے کہ وہ اُسے بہت جلد ملے گا۔“

”تم نے شاعری کہاں سے سیکھی؟“

”آپ سے“ اس نے بے ساختگی سے جواب دیا۔

”کیا کہا؟“

”ہاں بھائی جان آپ کو اندس کے شاعروں سے نفرت تھی اور آپ کی نفرت کی دیر سے مجھے دلچسپی ہو گئی۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ اسلام کے عروج کے زمانے میں بھی تو شاعر ہوا کرتے تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اس قدر بدنام نہ تھے۔ پھر میں نے ان کا کلام پڑھا اور مجھے افسوس ہوا کہ وہ اپنے زمانے کے نقیب تھے۔ وہ حوئے والوں کو میدا کرتے تھے۔ وہ قوم میں زندگی کی رُوح چھونکتے تھے اور یہ قوم کو تھکیاں دے کر موت کی نیند سلا رہے ہیں۔“

سعد نے پوچھا: ”تم نے کوئی اور نظم بھی لکھی ہے؟“

احمد کے تذبذب پر حسن نے جواب دیا: ”ہاں بھائی جان۔ آج مجھے انھوں نے ایک اور نظم سنائی تھی۔ اہل ایشیلیہ کے متعلق انھوں نے خوب لکھا ہے۔“

احمد نے فوراً صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی لیکن اس نے نیکے سے سر اٹھا کر شمع کی روشنی میں بھائی کی طرف دیکھا تو اس کی پریشانی جاتی رہی۔ سعد کے چہرے پر غصے کی بجائے مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ سعد نے قدرے توقف کے بعد پھر کہا: ”اگر مجھے معلوم تھا کہ تم شاعر ہو“

”نہیں نہیں؟“ احمد نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا: ”بھائی جان میں کبھی کبھی دل لگی کیا کرتا ہوں۔“

سعد نے کہا: ”گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں ایسی شاعری کے خلاف نہیں ہوں جو قوم کی اصلاح کے کام آ سکے۔ شاعر اگر اپنے ماحول سے بیگانہ نہ ہو تو وہ وقت کا نقیب بھی بن سکتا ہے۔ مجھے سناؤ! تم نے اہل ایشیلیہ کے متعلق کیا لکھا ہے؟“

احمد نے کہا: ”بھائی جان وہ نظم اس قابل نہیں کہ آپ کو سنائی جائے۔“

یہ باتیں سن کر ایسا جو ساتھ دالے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، اٹھ کر سعد کے کمرے میں گیا اور بولا: ”بھائی ہم بھی سنیں گے؟“

”سنناؤ! احمد! سعد نے دوبارہ کہا۔“

جب احمد نظم سنانے کے لیے تیار ہوا تو ساتھ دالے کمرے سے اُن کے باقی ساتھی بھی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ احمد کی نظم کا مفہوم یہ تھا:

”ایشیلیہ کے جدت پسندوں نے الفاظ کا قدیم مفہوم بدل دیا ہے۔“

اب بزدلوں کو بہادور اور لوطیوں کو شیر کہا جاتا ہے۔

اب متمدن کی افواج کو کسی میدان میں شکست نہیں ہوگی۔

کیونکہ ایشیلیہ کے شاعر ہر شکست کو فتح کے نام سے یاد کیا کریں گے۔

جب ایک حقیر دشمن نے متمدن کو مقابلے کے لیے لکارا

تو اس نے اپنے دسترخوان کے شیروں کو آگے کر دیا۔

اب اہل ایشیلیہ.... کو تلواروں کی ضرورت نہیں رہے گی۔

یونکہ ابی عمار شطرنج کھیلنے میں نام پیدا کر چکا ہے۔

اب ایشیلیہ کی خواتین کو دشمن کے وحشیانہ عزائم سے کوئی خطرہ نہیں۔

کیونکہ میکس نے نسوانی حیا اور آبرو کے تمام پردے چاک کر دیے ہیں۔

اب اسلام کی مشعل کو کفر کی آندھیوں سے کوئی خطرہ نہیں۔

کیونکہ اسلام کے نام لیوا خود ہی اس مشعل کو بچھانے کی فکر میں ہیں۔“

(۸)

اسی رات شہزادہ رشید شاہی محل کے ایک کشادہ کمرے میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا اس کے چہرے پر کبھی غصے اور کبھی پریشانی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ ایک خادمہ نے اندر

بھاگتے ہوئے کہا: ”زیادہ حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔“

رشید نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا: ”میں نے کب کہا تھا کہ اُسے میرے پاس آنے کے

لیے اجازت کی ضرورت ہے!“

Scanned by iqbalm

رشد کرنے کا۔" اسی کو یقین ہے کہ اگر ادریس رضا مندم ہو گیا تو اباجان بھی کچھ عرصہ پس و پیش کرنے کے بعد مان جائیں گے۔۔۔ اور پھر قرطبہ کا گورنر بننے کے بعد میری حیثیت مختلف

”ود نہ کیا؟“ رشید نے قدرے پر امید ہو کر سوال کیا۔

”یہ کام کوئی مشکل نہیں۔“

”خدا کے لیے مجھے تباؤ یہ میرے لیے موت و حیات کا مسئلہ ہے“

19

دوسرے وقت سعد کے پاس ایک ایسی آیا اور اس نے اطلاع دی کہ سلطان معظم نے آپ کو رات کے وقت شہرہ کی مجلس میں حصہ لینے کی دعوت دی ہے۔ شاہی مہمان خانے کے دارو کی یہ خواہش ہے کہ آپ آج سے شاہی مہمان خانے میں قیام کریں۔ وہاں سے رات کے وقت

آپ کو دشمنی محض میں پہنچانے کا بندوبست کر دیں گے۔ میں آپ کے لیے کبھی بے کرا یا ہوں۔
سعد نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر ایلچی کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ”لیکن میں
یہیں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔“
ایلچی نے کہا: ”وہ کہتے تھے کہ اگر سلطان معظم کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ عمان خانے کی
جائے سرانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو وہ بہت غصا ہوں گے۔ وزیرِ اہلِ عمار کا بھی یہ حکم
ہے کہ آپ کی عمانِ نوازی میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔“
سعد نے کہا: ”بہت اچھا، اگر میرا وہاں جانا ضروری ہے تو میں شام کے وقت وہاں پہنچ جاؤں گا۔“
ایلچی نے کہا: ”اگر آپ حکم دیں تو شام کے وقت دوبارہ گنجی لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔“
”نہیں گنجی کی ضرورت نہیں۔ میں پہنچ جاؤں گا۔“
ایلچی سلام کر کے چلا گیا اور سعد کچھ دیر گردن جھکا کر سوچنے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف
متوجہ ہوا: ”اب میں تم سب سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ میں یہ
نہیں چاہتا کہ جس کام کے لیے ایک آدمی کی ضرورت ہے اس کے لیے ہم سب خطہ مولیں
ایساں نے احتجاج کیا: ”سعد تم ہمیں بڑی کالعدم نہیں دے سکتے۔“
سعد نے نرم ہو کر کہا: ”تم مجھے غلط سمجھو۔ یہاں پہنچنے سے پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہم سب
وہاں کے ساتھ ملاقات کا موقع مل جائے گا لیکن اب میں تنہا جا رہا ہوں اور موجودہ حالات میں
اس بات کا کوئی امکان ہے کہ وہ مجھے ایک دوسرے کی بجائے اپنا بدترین دشمن سمجھیں۔ میں یہ بھی
نہیں چاہتا کہ بلاوجہ اپنی باقی زندگی محمد کے قید خانے میں گزاروں، میں وہاں سے بچ کر نکلنے
کی کوشش کروں گا لیکن اس صورت میں ایشیلیہ کی پولیس سب سے پہلے اس سرانے کا حاکم
کرے گی اور میری جگہ وہ آپ کو پکڑ کر لے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مجھے مجبوراً اپنے آپ
کو قید میں کرنا پڑے گا۔“
ایساں نے کہا: ”اگر تم پکڑے گئے تو ہم غرناطہ میں جا کر کہا منہ دکھائیں گے۔“

میری پکار ایک قوم کی پکار ہے!

شہار کی نماز کے بعد سعد محل کے ایک پریدار کی رہنمائی میں مرمریں راستوں پر چلتا ہوا ایک وسیع دالان میں داخل ہوا۔ شاہی ایوان کا ہر گوشہ مشک و عنبر کی خوشبو سے ہمک رہا تھا جگہ جگہ فانوس روشن تھے۔ کشادہ دالان میں سلطان کی مسند سے لے کر باہر برآمدے کی سیرابیوں تک پیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے۔ معتمد کے امراء اور شاعروں کی جواہرات سے مزین قباہیں اور ٹوپیاں دیکھ کر سعد اپنے لباس سے پریشان ہو رہا تھا۔ قرطبہ کے شاعر سے جوڑ لیا۔ اس نے حاصل کی تھی وہ اس کے سر کے مقابلے میں قدرے چھوٹی تھی اور قبا بھی کسی قدر ڈھیلی اور لمبی تھی۔ اسی قدر کہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ حاضرین اسے دیکھتے ہی قہقہہ لگائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے ساتھیوں کو کوس رہا تھا جنہوں نے اسے یہ بھیسیں اختیار کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ لیکن دیکھنے والوں کی نگاہیں اس کے لباس کی بجائے اس کے چہرے پر مرکوز ہو رہی تھیں۔ ایک شاعر کی قبا اور ٹوپی اس کی مردانہ نمکنت اور وقار پر پردہ ڈالنے سے قاصر تھی۔ مجلس کے جلسین میں سے کسی نے آگے بڑھ کر اس کا نام پوچھا اور پھر گرجوشتی سے مصافحہ کرنے کے بعد اسے شعری تیسری قطار میں ایک کرسی پر بٹھادیا۔ سامنے وہ چوترا جہاں سلطان کی مسند تھی ابھی تک خالی تھا اور حاضرین قدرے بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ بات کر رہے تھے۔ مسند کے پیچھے محفل کے چھائی پردوں کی آڑ سے رباب کی ٹکی اور مٹھی تانیں لٹائی دے رہی تھیں۔

اچانک ابن عمار اس کمرے میں داخل ہوا اور حاضرین اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ابن عمار

سعد نے کہا: "اگر ابن عمار ذلت سے کام نہ لیتا اور الفانسو کے ساتھ جنگ چھڑاتا اور میں وہاں شہید ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟" ایلاس نے لاجواب سا ہو کر کہا: "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم یہ سراسے چھوڑ دے اور کسی اور جگہ آپ کا انتظار کریں؟" ایک طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ احمد اور حسن اور اس کے پاس چلے جائیں اور باقی دوست ایلاس کے ساتھ ایشیلیہ سے پانچ کوس دور ایک سرانے میں قیام کریں۔ اس کے بعد معتمد کے ساتھ سعد کی ملاقات سے کوئی ناخوش گوار نتیجہ برآمد ہوا تو وہ ملک دین اور اس کے گھر جمع ہو جائیں۔ اگر جمع ہو کر سعد اور اس کے گھر نہ پہنچا تو احمد اور حسن باقی ساتھیوں سے سراسے میں آئیں گے۔

اس فیصلے کے بعد سعد نے اپنے بھائیوں سے کہا: "میں یہ نہیں چاہتا کہ ہماری دہلیز دریں کو کوئی تکلیف پہنچے۔ اس لیے تم اس کے گھر جا کر بہت محتاط رہو۔ ہر طرح کی کمزوری کے وقت وہاں جاؤ۔ میں فارغ ہوتے ہی اور اس کے گھر آؤں گا۔ لیکن اگر مجھے یہ ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارا ایشیلیہ میں ٹھہرنا خطرناک ہوگا اور تمہارا یہ فرض ہوگا کہ تم ایلاس کو باخبر کر دو اور خود بھی ان کے ساتھ گھرنے کی جادو میرے ساتھ جو کچھ پیش آئے گا، اس کی اطلاع تمہیں اور اس غرضاء میں بھیج دے گا۔"

شاہی مسند کے بائیں طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو حاضرین بھی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر مسند کے چھٹی کمرے سے شاہی نقیب نمودار ہوا اور اس نے سلطان محمد اور ملکہ میکہ کی آمد کی اطلاع دی۔ حاضرین پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ محمد اور ملکہ میکہ پیش قیامت جواہرات سے مزین کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مسند کے دائیں بائیں اور پیچھے کرسیوں پر محمد کی منگولہ فرزند خواتین اور شاہی گھرانے کے دوسرے افراد بیٹھ گئے۔

ملکہ میکہ کے لباس میں سینکڑوں قیمتی جواہرات جگمگا رہے تھے اس کی جوانی ماضی کا افشاں بھی تھی اور غارتگی کی بھاری تلوں کے باوجود اس کا چہرہ بڑھاپے کی آمد کی خبر سے ہلکا سا لیکن اس کے باوجود اس کی بے باک نگاہیں بناب حال سے یہ کہہ رہی تھیں کہ میری طرف سے میری تعریف کو مجھے تمہارا کسی اور طرف دیکھنا پسند نہیں، یہ محض صرف میرے لیے سجائی ہوئی مسند کی عوجھاس برس کے لگ بھگ تھی اور اس کا چہرہ ایک ایسی کتاب تھا جس پر اس کی زندگی کی سرگزشت لکھی ہوئی تھی اس کی کشادہ پیشانی، نیچے نقوش اور کشادہ سینہ اس کی ذہانت اور فراخ دلی کی گواہی دیتے تھے لیکن شراب نوشی کی کثرت کے باعث اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے گرد سیاہ پلکے پڑ چکے تھے۔

اشیلہ میں اپنے مختصر سے قیام کے دوران میں سعد اکثر لوگوں کی زبانی یہ سن چکا تھا کہ محمد ایک بہت بڑا آدمی ہے لیکن کاش اسے ابن عمار جیسے لوگوں کی صحبت نصیب نہ ہو۔ رباب کی تائیں اچانک خاموش ہو گئیں اور مجلس کی کاروائی شروع ہوئی۔ شہر نے محمد کے جاہ و جلال، ملکہ میکہ کی نسوانی خوبیوں اور ابن عمار کے تدبیر اور شجاعت کی ترغیب میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ ہر شاعر کا کلام سننے کے بعد اسے انعام دیا جاتا اگر کوئی خوش قسمت میکہ سے داد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو اسے دوسروں کی نسبت کمی گنا زیادہ انعام کا حق دار سمجھا جاتا۔ شاعرین کو باری باری آواز دینے اور انھیں حاضرین مجلس سے متعارف کروانے کا کام ابن زیدوں کے سپرد تھا جب قرینہ اس شعر ادا ہوتا

کلام سنا چکے۔ تو اس نے اٹھ کر اعلان کیا ”اب سلطان معظم کی اجازت سے غزالیہ کا ایک کوچی شاعر سعد بن عبد المنعم اپنا قصیدہ پیش کرے گا“

قاعدہ یہ تھا کہ شاعر مسند کے قریب پہنچنے کے بعد سلطان اور ملکہ کو جھک کر سلام کرتے تھے اور پھر لٹے پاؤں چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنا کلام سناتے تھے لیکن سعد سپاہیانہ تنگنٹ کے ساتھ آگے بڑھا اور مسند سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر ایک ثابز کے لیے خاموش رہنے کے بعد بولا :-

”سلطان معظم! اور حاضرین! شاید یہ سن کر آپ کو بالواسطہ ہو کہ میں شاعر نہیں ہوں۔ میں صرف ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی کو اس کے فرائض کا احساس اس محل میں لے آیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ محفل میرے خیالات کے اظہار کے لیے موزوں نہیں، لیکن میں مجبور ہوں۔ یہ تھا اور ٹوپی جو میں نے اس وقت پہن رکھی ہے ایک ایسی قوم کے کسی فرد کو زیب نہیں دیتی جس کے مکران خیروں کے باجواز ہوں، اشیلہ کے شاعر اور حکومت کے حامی اور تم میرے گواہ ہو کہ جب تم دقت کی آنکھوں سے آنکھیں بند کر کے سوہنے تھے تو ایک شخص نے تمہیں بھٹھوڑنے کی کوشش کی تھی!“

سلطان میکہ حیرت زدہ ہو کر محمد اور محمد پریشانی اور اضطراب کی حالت میں حاضرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ابن عمار اپنے ہونٹ کاٹا ہوا اٹھا اور اس کے ہاتھ کاٹا پاکر چند پریدار جو دروازوں پر کھڑے تھے، سعد کی طرف بڑھے۔ لیکن محمد نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور وہ پھر پیچھے ہٹ گئے۔ محمد نے کہا ”وہاں میں ہر طاقت قابل سزا نہیں جوتی ہم اس نوجوان کو بات ختم کرنے کی اجازت دیتے ہیں“

سعد نے قدرے بے پروائی سے حاضرین مجلس پر نگاہ دوڑائی اور پھر محمد کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تقریر شروع کی:

”سلطان معظم! میں حق گوئی کی یادداشت میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔“

میں ان سینکڑوں فوجیوں میں سے ہوں، جو ایشیلیہ کے خلاف دشمن کے عزائم کو ایک اجتماعی خطرہ سمجھ کر مختلف شہروں سے آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ ہمیں یقین تھا کہ جب اہل ایشیلیہ اور اہل قسطلہ کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں گی، اندلس کے ہزاروں اور مسلمان ہماری تقلید کریں گے اور یہ معرکہ کفر و اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ میں تبدیل ہو جائے گا اور عوام کا اجتماعی شعور تمام ملوک الطوائف کو اس جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کرنے لگا۔ لیکن یہ ایک سُرّاب تھا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہم ایک گرتی ہوئی دیوار کے نیچے مورچے بنا رہے ہیں۔ وہ جانباز جو مختلف شہروں سے اپنا خون بہانے کی تمنا لے کر آئے تھے، ندامت کا پسینہ پونچھتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ شمال کی طرف سے آنے والی تباہی اور بربادی کے سیلاب کو روکنے کے لیے ہمیں لاشوں کی دیواریں کھڑی کرنی پڑیں گی لیکن بد قسمتی سے ایشیلیہ کا سپہ سالار جس کے جھنڈے تلے یہ لوگ جمع ہوئے تھے۔ اس سیلاب کے سامنے شطرنج کے مہروں کی دیوار کھڑی کر دینا کافی سمجھتا تھا۔

ابن عمار غصے سے کانپتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھا اور سر ابا احتجاج بن کر معتد کی طرف دیکھنے لگا۔ حاضرین مجلس بھی ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے معتد نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے خاموش کرتے ہوئے کہا: ”فوجوان! ہم تمہیں اپنی بات ختم کرنے کی اجازت دے چکے ہیں، لیکن ہمیں اس حد تک مجبور نہ کرو کہ تمہاری گستاخ زبان ہمیشہ کے لیے خاموش کر دی جائے۔“

سعد نے کہا:

”آپ ایک فرد کے ہونٹوں پر مہر لگا سکتے ہیں لیکن ایک قوم کی آواز کو نہیں دبا سکتے۔۔۔ اس عمل کی پکار دیواریں بننے باجہ لڑکھوں اور دمیروں سے مینو ہیں

فرق مرث یہ ہے کہ میں نے ان کی آواز آپ کے کالون تک پہنچانے کی جرات کی ہے۔ یہ آواز اس وقت بہت خفیف ہے لیکن وہ دن آئے گا جب یہ آہنی ہمدوں کو چیرتی ہوئی آپ کے کالون تک پہنچے گی اور یہ عشرت کہ جسے جو قوم کے شہیدوں کی قبروں پر تعمیر ہو رہی ہے لہڑا اٹھیں گے۔ سلطان معظم! میں نے اس خلا کو پاٹنے کی جرات کی ہے جو آپ ادا آپ کی قوم کے درمیان حال ہے جس کے باعث جھوٹوں میں رہنے والے عوام کی جنہیں ابھی مرثیں ایوانوں میں رقص و سرور کی محفلیں جمانے والوں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ میری پکار ایک قوم کی پکار ہے۔ اس قوم کی پکار جو دشمن کی تلوار کو اپنی شہ رگ کے قریب دیکھ رہی ہے جس کے حکمران غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ جس کے منکوشا سر اور ادیب سونے والوں کو جھنجھوٹنے کی بجائے پٹھانیاں دے کر سلانا اپنا فن سنہتے ہیں۔ جس کے سپاہیوں کو اب یہ احساس دلایا گیا ہے کہ اب قوم کے مقدر کی تھوڑی تلواروں سے کھیلنے والے بازو نہیں بلکہ شطرنج کھیلنے والے ہاتھ لکھا کریں گے۔“

معتد کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو رہا تھا۔ ملکہ رمیکہ جو تھوڑی دیر قبل حاضرین مجلس پر اپنی مسکراہٹوں کے پھول پھلا کر رہی تھی بے چینی کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے بولی: ”خوشامی کے لیے تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر تم زندگی سے بیزار ہو گئے ہو تو وادی، گبیہ کا پانی کافی گہرا ہے؟“

سعد نے قدرے غصے میں آکر کہا:

”میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں ایک قوم کی زندگی کے مقابلے میں اپنی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا۔۔۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ میری قوم کا سفینہ شراب کے ایک شے میں ڈوب جائے۔ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں

اہلِ شیبلیہ کی بدترین شکست کو فتح کہنے کے لیے تیار نہیں، میں جانتا ہوں کہ شطرنج کے مہرے جو دشمن کے مقابلے میں کھڑے کیے گئے ہیں، وہ تنگ اس کا راستہ نہیں روک سکتے مجھے معلوم ہے کہ دشمن اشیلیہ اور اس کے بعد ساک اندلس پر ضرب لگانے کے لیے تیار کر رہا ہے۔ میں اس خود فریبی میں مبتلا ہونے کے لیے تیار نہیں کہ اہلِ اشیلیہ نے اس سال کئی گنا زیادہ خرچ دینے کا فیصلہ کر کے ہمیشہ کے لیے الفانسو کی دوستی خرید لی ہے۔ وہ اگلے سال اس سے زیادہ خرچ مانگے گا اور پھر ہر سال اس کے مطالبات زیادہ ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ اشیلیہ کے خزانے میں ایک کوڑی تک باقی نہیں رہے گی۔ پھر اس بڑھتے ہوئے مطالبات پورے کرنے کے لیے عوام پر ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ ڈالا جائے گا یہاں تک کہ وہ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کے محتاج ہو کر رہ جائیں گے۔ اس کے بعد الفانسو کے گاکہ اب تمہارے پاس کچھ نہیں رہا۔ اب میں خرچ نہیں مانگا، اس لیے اب اشیلیہ میرے حوالے کر دو۔ پھر وہ لے گا اس کے سپاہی ان گھوڑوں پر سوار ہوں گے جو اسے خرچ کی صعوبت میں دیے گئے ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں وہ تلواریں ہوں گی جو انھوں نے اشیلیہ کے سونے اور چاندی سے خریدی ہوں گی۔ پھر شطرنج کھیلنے کے ماہر اس کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ پھر خود کشی کرنے والوں کی تعداد اس قدر ہوگی کہ شاید وادیِ الکیبہ کا پانی ان کے لیے کافی نہ ہو۔

معمد کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے گرجتی ہوئی آوازیں کہا تھا تو تم اپنے آپ کو بدترین سزا کا مستحق کر چکے ہو۔

حاضرین مجلس نے شور مچانا شروع کیا۔ "خاموش! خاموش!!"

معمد طرانا:

"سلطان معمد! میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ اندلس کا باغ میرے اسلاف نے اپنے خون سے سنبھالا ہے۔ اس قوم کی عزت اور آزادی میری عزت اور آزادی ہے۔ اس کی شکست اور غلامی میری شکست اور غلامی کا باعث ہوگی۔ اس کا ماضی میرا ماضی، اس کا حال میرا حال اور اس کا مستقبل میرا مستقبل ہے۔" ابن عمار کے اشارے سے چھ سات سپاہی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے اور اسے باہر دھکیل رہے تھے لیکن وہ بلند آواز میں چلا رہا تھا:

"تم سب گواہ ہو کہ میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں.... میں نے قوم کی آواز معمد کے کانوں تک پہنچا دی ہے۔ تمہاری آزادی خطرے میں ہے.... آج تم اپنی رعایا کا خون چوس کر جش کا سامان جیا کر رہے ہو، کل الفانسو تمہاری ہڈیوں پر اپنے وحشت کدے تعمیر کرے گا.... سلطان معمد! وقت کی آندھیاں آنکھیں بند کر لینے سے نہیں رکا کرتیں؟"

(۲)

سپاہی ان گھوڑوں پر سوار ہوں گے جو اسے خرچ کی صعوبت میں دیے گئے ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں وہ تلواریں ہوں گی جو انھوں نے اشیلیہ کے سونے اور چاندی سے خریدی ہوں گی۔ پھر شطرنج کھیلنے کے ماہر اس کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ پھر خود کشی کرنے والوں کی تعداد اس قدر ہوگی کہ شاید وادیِ الکیبہ کا پانی ان کے لیے کافی نہ ہو۔

معمد کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے گرجتی ہوئی آوازیں کہا تھا تو تم اپنے آپ کو بدترین سزا کا مستحق کر چکے ہو۔

حاضرین مجلس نے شور مچانا شروع کیا۔ "خاموش! خاموش!!"

معمد طرانا:

Scanned by iqbalm

پہریدار بچے کسی درخت کی شاخ پر لگا اور شاخ ٹوٹ جانے کے باعث جو شور پیدا ہوا، اس کے باعث سجدے پیچھے آنے والے پہریدار اچانک رُک گئے۔ ایک پہریدار بلند آواز میں چلا "دوباخ کی طرف کود گیا ہے، ہوشیار!"

اتنی دیر میں سعد بُرج سے آگے نکل چکا تھا لیکن اب اسے اپنے سامنے تھوڑی دُور چاند اور سپاہی مشعلیں اٹھاتے دکان مے رہے تھے۔ وہ پیچھے مڑا۔ خوش قسمتی سے پیچھے آنے والے سپاہی ایک لمحہ ٹک کر شور مچانے اور ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے کے بعد بُرج کی سیڑھیوں سے نیچے اتر کر باغ کا رخ کر رہے تھے۔ سعد بھی اسی طرح شور مچاتا ہوا ان کے پیچھے ہولیا۔ اس ٹولی میں تین آدمیوں کے ہاتھ میں مشعلیں تھیں، وہ سب سے آگے تھے۔ اس لیے سعد کا

اٹھائے گشت کر رہا ہے۔ روشنی قریب آگئی اور اس نے دیکھا کہ اس کے اوپر درخت کی ایک ٹہنی فصیل کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔ سعد معمولی سے جدوجہد کے بعد درخت کی ٹہنی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ مشعل بردار سپاہی اب درجہ چکا تھا سعد آہستہ آہستہ اس شاخ کی طرف بڑھ رہا تھا جو اُسے فصیل کے قریب تر دکھائی دیتی تھی۔ یاد دل کے ایک سیاہ ٹکڑے سے تیسرے پہر کا چاند نمودار ہوا اور فصیل کے پار سعد کو دریا کا چمکتا ہوا پانی دکھائی دینے لگا۔ اب وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت اس کی مدد پر ہے۔ اگر وہ اس شاخ سے گودر فصیل پر پہنچے میں کامیاب ہو جائے تو دریا میں گودر کچ لنگھنا اس کے لیے مشکل نہ ہو گا لیکن اپنے نیچے گھنی مٹیوں اور پتوں کے باعث اس کے لیے اس شاخ اور فصیل کے درمیان فاصلے کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مشعل بردار دوبارہ گشت کرتا ہوا آیا۔ سعد شاخ پر فزاد اور آگے بڑھنے کے بعد اُسے اچھی طرح دیکھ سکتا تھا وہ قریب آیا تو سعد نے شمع کی روشنی میں اندازہ لگا لیا کہ یہ شاخ فصیل سے قریب اور آویسوں کے قریب کے قریب بلند ہے اور اگر وہ اس سے نکلے والی ایک اور شاخ پر کوئی تین گز آگے جائے تو وہ فصیل کے عین اوپر پہنچ جائے گا اور وہاں سے ٹھک کر فصیل پر اتارنا کوئی مشکل نہ ہو گا۔ مشعل والا پہر یار آگے نکل گیا اور چند قدم درجہ کر دو تیر اندازوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

سعد درخت کی پتلی شاخ کے ساتھ ٹکٹکا ہوا آگے بڑھا اور ٹہنی آہستہ آہستہ نیچے جھکے لگی۔ پھر اچانک ایک تڑپتا ہٹ کے ساتھ شاخ ٹوٹ گئی اور سعد اس کے ساتھ ہی فصیل پر اُتر آیا۔ سعد نے اس سے تھوڑی دور پہر یاروں کی کانوں سے تیر نکلے اور اس کے ساتھ ہی سعد نے کوئی دس گز کی بلندی سے دریا میں پھلانگ لگا دی۔ ایک تیر اس کی دائیں ران میں پوت ہو چکا تھا۔ لیکن چند غلطی لگانے کے بعد وہ فصیل کے پہر یاروں کے تیروں کی زد سے محفوظ تھا اور پہر یار ایک دوسرے کو آوازیں دے کر خبردار کر رہے تھے۔ سعد کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ تھوڑی دیر میں محل کے پہر یاروں کے علاوہ پولیس اور فوج کے سینکڑوں سپاہی دریا کے کنارے پہنچ جائیں گے چنانچہ اس نے یوری قوت کے ساتھ دریا کے بہاؤ کی سمت

بیزا شروع کیا۔ محل کی دیوار کے احاطہ کے ساتھ ان وسیع باغات کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، جہاں صبح شام ایشیالیہ کے بے فکر لوگ سیر و تفریح کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ سعد دریا سے نکل کر ایک باغ میں داخل ہوا اور چند گز بھاگنے کے بعد اس نے زخمی ران کے پتھروں میں کچھاؤ اور دل کی شدید ٹپیس محسوس کیں۔ اس نے اچانک رُک کر ہاتھ کے ایک جھکے سے تیر نکال کر پھینک دیا اور پھر یوری رفتار سے بھاگنے لگا۔ اب وہ باغات کا سلسلہ عبور کرنے کے بعد ایک کھلے میدان میں پہنچ چکا تھا۔ ایک چھوٹی سی نہر باغات کو سیراب کرتی ہوئی اس میدان میں سے گزرتی تھی۔ سعد اس نہر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ اچانک اُسے گھوڑوں کی ٹاپ سنا دی اور وہ نہر میں پھلانگ لگا کر منہ کے بل گھٹنے گھٹنے پانی میں لیٹ گیا۔ پتھروں کے قریب سوار نہر کے قریب پہنچ کر رُکے۔ ایک سوار نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”مگر وہ اس طرف آیا ہے تو یقیناً کسی باغ میں پھنسا ہوا ہو گا جب تک پیادہ فوج کا دستہ نہیں پہنچتا، تم اس طرف خیال رکھو یا سچ آدمی میرے ساتھ آئیں۔ ہم دریا کے کنارے پہر ادیں گے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی گشتی میں پھنسا ہو۔“

سعد کچھ دیر بے حس و حرکت نہر میں لیٹا رہا۔ چند سوار اس کے آس پاس گشت لگاؤ تھے۔ ٹانگ میں گہرے زخم کے باعث اس کا کافی خون ضائع ہو چکا تھا اور وہ اپنے جسم میں تھابت محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر پیادہ فوج اس طرف آنکلی تو اس کے بچ نکلنے کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔

اچانک باغ کی طرف آدمیوں کا شور سنا دی اور ایک سوار نے کہا: ”اب وہ باغ میں پہنچ گئے ہیں۔ میرے خیال میں یہیں اس جگہ کی بجائے باغ کے ساتھ ساتھ پہر ادیا جائیے۔“ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آگے بڑھے اور سعد نے اپنے دل میں پھر امید کی حرارت محسوس کی۔ وہ کچھ دیر ہاتھوں اور پاؤں کے بل نہر کے اندر چلتا رہا اور پھر باہر نکل کر بھاگنے لگا۔

میدان عبور کرنے کے بعد اس کے سامنے شہر کا وہ محلہ تھا جہاں روسا اور سرکاری

تیسرا بلا۔ میرے خیال میں اب ہمیں واپس جانے کی بجائے دریا کے کنارے کنارے
فات کا رخ کرنا چاہیے؟

”نہیں وہاں فوج کا دستہ پہنچ چکا ہے۔ ہمیں باقی رات اس محلے کے تمام راستوں کا پہرہ
بنا چاہیے۔“

”لیکن اگر وہ تیر کر دیا عبور کر گیا ہو تو؟“

مجھے یقین ہے کہ نہ اس نے فیصل سے پھلانگ لگائی ہے اور نہ دریا عبور کیا ہوگا۔ وہ
پہرہ داروں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر صدر دروازے سے باہر نکل گیا ہے اور اب وہ
ہمیں اٹو بنا رہے ہیں۔“

”لیکن وہ ہے کون؟“

”خدا معلوم۔ ہمیں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک خوبصورت اور دراز قامت نوجوان
ہے اور غرناطہ کا رہنے والا ہے۔“

”میں نے غرناطہ کے سینکڑوں آدمی ہوں گے۔ انشاء اللہ صبح تک تم یہ سنو گے کہ وقت
کے وقت بیسیوں نوجوان گرفتار کر لیے گئے ہیں۔“

میمونہ کے دل میں کئی خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ وہ دبے پاؤں ڈیوڑھی کی طرف بڑھی
ڈیوڑھی کے ساتھ دانے کرے میں نوکر دوں کے خراٹے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ گہری نیند سو

رہے ہیں۔ میمونہ ڈیوڑھی میں داخل ہوئی۔ وہاں بوڑھا نوکر جسے اس نے رات کے وقت
بوشیارہ بننے کے لیے کہا تھا بے خبری کی حالت میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میمونہ کچھ دیر وہاں

کھڑی پر ملاروں کی باتیں سنتی رہی۔ جب وہ آگے نکل گئے، تو اس نے نوکر کو جگایا اور
کہا۔ ”دیکھو تم بہت غیر ذمہ دار ہو! سنا ہی شاید سعد کو تلاش کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ
یہاں تک آئے ہوں یا دروازہ بند کر دیا واپس چلے گئے ہوں۔“

نوکر نے کہا۔ ”دروازہ اندر سے کھلا ہے۔ میں نے کڑی نہیں لگائی۔ وہ یہاں نہیں آئے۔“

حکام کے مکانات تھے۔ وہ ایک گلی میں سے گزرنے کے بعد ایک کشادہ سڑک پر پہنچ کر دریا
کی طرف مڑا۔ اچانک ایک مسجد دیکھ کر اس نے محسوس کیا کہ اس کی منزلی مقصود زیادہ دور
نہیں لیکن مسجد سے آگے ادریس کے مکان تک کوئی ڈیرہ سوگڑ کا فاصلہ تھا۔ اب قدم اٹھانا
اس کے لیے دو بھر ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ کوئی سوگڑ معمولی درخت
سے چلنے کے بعد اسے اپنے پیچھے چند آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ سعد چاند کی روشنی
سے بچنے کے لیے سڑک کے کنارے اوپنے مکانات کی دیواروں کے سائے میں چلنے لگا۔ اب
اس کی رفتار خود بخود تیز ہو رہی تھی۔ ایک بلند درخت کے قریب وہ رکا۔ یہ ادریس کے گھر کی
نشانی تھی اور وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی یادداشت سے زیادہ قدرت کی کسی غیبی طاقت
نے یہاں تک پہنچے ہیں اس کی رہنمائی کی ہے۔ سڑک پر آنے والے پہرہ دار بہت قریب آچکے
تھے۔ سعد نے سر کر دیکھا، وہ تعداد میں چار تھے۔ ادریس کے مکان کی ڈیوڑھی بالکل سامنے
تھی۔ اس سے چند قدم دور دھان خانے کا چھانک تھا لیکن سعد کے لیے سیدھی سڑک پر لگے
بڑھنے کا موقع نہ تھا۔ پھر اسے یہ بھی خیال تھا کہ دروازے اندر سے بند ہوئے تو اس کے لیے
بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ پہرہ دار بہت قریب آچکے تھے۔ سعد دیوار کے ساتھ چڑھا
قدم پیچھے ہٹ کر ایک تنگ گلی میں داخل ہوا اور اسے عبور کرنے کے بعد مکان کی دوسری
طرف ایک کشادہ گلی میں جان لگا۔

(۳)

میمونہ حسب معمول تہجد کی نماز کے لیے وضو کرنے کی نیت سے اپنے کمرے سے باہر نکلا
نو سڑک کی طرف اسے چند آدمی آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنائی دیے۔ کوئی کہہ رہا تھا شیخ
وہ آدمی نہیں چھلاؤہ ہے۔ کوئی تجب نہیں کہ وہ ابھی تک محل کے کسی گوشے میں چھپا ہوا ہو
دوسرا کہہ رہا تھا۔ ”لیکن میں نے اپنے کانوں سے کو تو ان کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس
نے بہرہ رنی فیصل سے دریا میں پھلانگ لگا دی ہے۔“

میں ابھی سو رہا تھا اور سپاہی ان کی تلاش میں کب آئے؟

میمونہ نے کہا: ”وہ سرگ پر پھر رہے ہیں۔ میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔“

اچانک حسن نے ڈیوڑھی کے دوسرے دروازے سے، جو دیوان خانہ کے صحن کی دروازہ کی طرف کھلتا تھا، اندر سے بھاگتے ہوئے کہا: ”ہن میمونہ! ہم جاگ رہے ہیں۔ بھائی جان اس طرف نہیں آئے۔“

میمونہ نے کہا: ”تمہ نے پریداروں کی باتیں سنی ہیں؟“

”ہاں دم چھانک کے ساتھ کھڑے تھے۔ آپ اندر جائیں۔ یہاں باتیں کرنا ٹھیک نہیں!“

میمونہ اپنے دل پر ایک بوجھ لیے واپس مڑی۔ اچانک اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ مکان کی چھت پر کھڑی ہو کر مکان کے آس پاس تمام راستے دیکھ سکے گی۔ وہ تیزی سے صحن محمد کے سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک صحن کے ایک کونے سے کئی بھاری شے کے بچے گرنے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کر اس طرف دیکھا اور مبہوت سی ہو کر رہ گئی۔ ایک دروازہ قامت آدمی دیوار کے ساتھ سے نکل کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور چاند کی دھندلی اور پھمکی دہشتی میں اس کی صورت دیکھ کر میمونہ کی تمام حسیات صدمت کر آگھوں میں آگئیں۔

ابھی نے ڈوبتی ہوئی آوازیں کہا: ”گجرا یہ نہیں میں سعد ہوں۔“ اور میمونہ جیسے کوئی پناہ دیکھ رہی تھی۔ کوشش کے باوجود اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ سعد نے اس نے ہمیشہ اپنے آسمان کے ستاروں میں دیکھا تھا، اس کے سامنے بے چارگی کے عالم میں کھڑا تھا، اس کا لباس پانی اور کچیل سے لت پت تھا۔

سعد نے مکان کے سردارہ جھکے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے کہا: ”میرے بھائی تسلیم اس طرف ہوں گے؟“

”آپ زخمی ہیں۔“ میمونہ نے اضطرابی حالت میں آگے بڑھ کر کہا: ”وہ آپ کا بھی کنبہ ہیں۔ آپ میرے ساتھ آئیں! مکان کا وہ حصہ محفوظ نہیں۔ میں انھیں اندر بلا لوں گی۔“

سعد کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا، وہ کچھ کے بغیر روبرو کے کی طرف بڑھا اور ایک ستون کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

میمونہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا: ”آئیے!“

سعد نے آہستہ سے کہا: ”آپ تکلیف نہ اٹھائیں۔ مجھے پکڑا گیا تھا میں ابھی ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

اچانک صحن کی دوسری طرف دروازہ کھلنے کی چڑچڑاہٹ سنائی دی اور حسن نے دیوان خانہ کے کمرے سے نمودار ہو کر آگے بڑھتے ہوئے کہا: ”ہن! کیا بھائی جان یہاں!“

سعد کو دیکھ کر اس نے اپنا فقرہ پورا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور ایک ہاتھ سے سعد کا بازو پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر میں ڈالتے ہوئے کہا: ”بھائی جان آپ ٹھیک ہیں نا؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“

میمونہ نے کہا: ”انھیں بالائی منزل کے کمرے میں لے چلیں۔ میں ان کے لیے بستر تیار کرتی ہوں۔“ یہ کہہ کر میمونہ نے اپنے کمرے سے جلتی ہوئی مشعل اٹھائی اور سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ اتنی دیر میں، محمد بھی آپہنچا اور اس نے سعد کا دوسرا بازو پکڑ لیا:

(۲۱)

تھوڑی دیر بعد جب پڑوس کی مسجد میں صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ احمد اور حسن اپنے بھائی کے زخم پر پٹی باندھنے اور اسے ادویس کے فالتو کپڑوں سے ایک جوتا پہنانے کے بعد بستر پر لٹا چکے تھے اور میمونہ ساتھ ڈالے کمرے کے نیم دار دروازے کے پیچھے کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

سعد نے اطمینان کا سانس لیتے ہی اپنے بھائیوں سے پوچھا: ”ادویس سوراہے؟“

احمد نے جواب دیا: ”وہ یہاں نہیں ہیں۔ وہ کل ظہر روانہ ہو گئے تھے۔“

”وہ کس لیے؟“

”دور نرزار، انفا نسو کا خزان لے کر گیا ہے اور وہ انھیں اپنے ساتھ لے گیا ہے۔“

سعد نے کہا: ”لیکن مجھے ادریس نے نہیں بتایا کہ وہ طلیطلہ جاوہ ہے، ورنہ میں اس حالت میں یہاں نہ آتا۔“

اس مرحلے پر میمون نے کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی اور وہ دروازے کی آڑ سے جھٹکتے ہوئے بولی: ”دیر خزانہ کا حکم غیر متوقع تھا۔ اس لیے وہ آپ سے مل کر نہ جاسکے یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“

کچھ دیر سوچنے کے بعد سعد نے احمد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ”احمد! تم سوچ نکلتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور ایلاس کے پاس پہنچ کر ان سے کہو کہ وہ ایشیلہ کی حدود میں قیام نہ کریں۔ ایشیلہ میں کئی لوگوں نے انہیں میرے ساتھ دیکھا ہے۔ ممکن ہے، کہ کوئی انہیں پہچانے۔ ایک دو دن یہاں کی پولیس غرناطہ کی سڑک پر سفر کرنے والوں کا بہت خیال رکھے گی۔ اس لیے انہیں فوراً روانہ ہو جانا چاہیے اور تم بھی ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور گھوڑے پہنچ کر اتنی جان کو تسلی دے۔“

احمد نے جواب دیا: ”بھائی جان! جب تک آپ اس حالت میں ہیں میں گھر نہیں آؤں گا۔ میں ایلاس کو آپ کا پیغام دے کر واپس لوٹ آؤں گا۔“

”نہیں؟“ سعد نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا: ”تمہیں واپس آنے کی اجازت نہیں۔ تم میرے ایک ساتھی کی حیثیت میں شاہی مہمان خانے کے داروغہ سے مل چکے ہو۔ وہاں تیسرے کئی آدمیوں نے بھی دیکھا ہوگا۔ پھر سزائے کا مالک اور اُس کے نوکر تو کہیں گئے۔ نہیں اگر کسی کو تم پر مشرب ہوا تو ان سے تمہاری شناخت کر دائی جائے گی۔“

”بھائی جان! یہ خطرہ تو ہم سب کے لیے یکساں ہے۔“

”تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہم سب ایک سا خطرہ مول لیں۔ میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ حسن بھی یہاں رہے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر تم دونوں کو جانے کے لیے کموں تو تم بنات پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ میرے زخم کے متعلق تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بہت سا خون بہہ جانے کے باعث بے حال ہو گیا تھا۔ ایک دو دن تک میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

گھلا اور اس وقت تک میری دیکھ بھال کے لیے حسن کافی ہے۔ یہاں کوئی مورچہ سنبھالتا تو تمہیں گھر جانے کیلئے نہ کہتا.... لیکن ہمیں یہاں چھپ کر رہنا پڑے گا اور اس سے کوئی فائدہ نہیں پڑتا کہ یہاں چھپنے والوں کی تعداد دو چہ یا تین، تمہیں میرے متعلق یقیناً پریشانی رہے گی لیکن ہمیں اتنی جان کی پریشانی کا بھی خیال کرنا چاہیے!

احمد نے کچھ دیر سبر جھکا کر سوچنے کے بعد کہا: ”بھائی جان! اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟“

سعد نے مسکراتے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: ”مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال پوچھو گے اگر میں تہدی جگہ ہوتا تو میں ایک لا حاصل بحث میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھتا۔“

”بہت اچھا بھائی جان میں جاتا ہوں۔“

سعد نے کہا: ”لیکن ابھی نہیں۔ تمہیں طلوع آفتاب کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ بہت چوکس ہوں گے۔ ادریس کے مائیں سے کہو کہ وہ تمہارا گھوڑا شہر کے جنوبی دروازے سے باہر لے جائے اور تم خود یہاں سے ایک نوکر کا لباس پہن کر پیدل جاؤ۔ اپنی زدہ وغیرہ یہیں چھوڑ جاؤ۔“

میمون نے دوسرے کمرے سے کہا: ”میں سب انتظام کر دیتی ہوں۔“

سعد نے کہا: ”جاؤ احمد تیاری کرو!“

طلوع آفتاب کے وقت احمد ادریس کے ایک نوکر کا لباس پہن کر سعد کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ کمرے سے نکل کر چند سیڑھیاں نیچے اترنے کے بعد وہ کچھ سوچ کر واپس مڑا اور دوسرے کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر بولا: ”ہن میمون! آپ کو یقین ہے کہ بھائی جان کے لیے یہ جگہ محفوظ ہوگی؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کے نوکر دن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟“

میمون نے کہا: ”آپ فکر نہ کریں مجھے اپنے نوکر دن پر اعتماد ہے۔“

”حسن کی شکل بھائی جان سے بہت ملتی ہے۔ آپ حتی الوسع اسے باہر نہ نکلے دیں۔“

بھڑلوں کی شکار گاہ

سعد نظر نایک نڈر سپاہی تھا۔ اور اس کے نزدیک قوم کے مستقبل کے مقابلے میں اپنی زندگی کی کوئی حقیقت نہ تھی جب وہ محمد کے پیرواروں کے ٹکٹے سے نکل کر بھاگا تھا تو بھی موت کے خوف کی بجائے اس کے دل میں یہی جذبہ موجزن تھا کہ ایک بلند نصب العین کے لیے اسے زندہ رہنا چاہیے۔ وہ اب جبکہ اوریس کے مکان کے ایک کمرے میں بستر پر پڑا ہوا تھا، اُسے محمد کے سپاہیوں سے کہیں زیادہ اسی قسم کے خیالات پریشان کرتے تھے کہ اب اندلس کا انجام کیا ہوگا۔ اس کے ساتھ یہ سوال نہ تھا کہ وہ اس مکان سے نکل کر غرناطہ کیوں کر پہنچے گا۔ بلکہ وہ ہر وقت ہی سوچتا تھا کہ قوم کو تباہی اور ذلت کے گڑھوں سے نکال کر فلاح و ترقی کی شاہراہ پر لانے کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ محمد کے دربار میں جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس کے بعد وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اس نے اپنے لیے ایک دشوار راستہ منتخب کیا ہے۔

میمونہ کے متعلق اگرچہ وہ بھی سوچتا تھا کہ زندگی کا ایک اور حادثہ انھیں پھر ایک بار ایک دوسرے کے قریب لے آیا ہے اور اس کی زندگی کی کٹھنیں راتوں میں کوئی مقام پر اسے نہیں آیا جہاں کوئی دم ٹھہر کر وہ میمونہ کی تمنا کر سکتا ہو تاہم وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اپنے والدی زندگی کے ہنگاموں نے اگر اسے کبھی ماضی کے متعلق کوئی حسین خواب دیکھنے کی ہمت دی تو وہ میمونہ کے متعلق ہوں گے۔ میمونہ کو چند برس کے بعد اس نے پہلی بار اس وقت چاند کی دھندلی روشنی میں دیکھا تھا جب کہ زخم اور تھکاوٹ سے ٹھہرا ہونے کے باعث اس کی آنکھوں کے سامنے سیاہی پھیل رہی تھی۔ پھر اس وقت جب ایک رات اُسے سوچا

میمونہ نے جواب دیا ”آپ اطمینان رکھیں جس بہت سمجھا رہے۔ اپنی والدہ کو میرے سلام کہیں اور انھیں تسلی دیں۔“

احمد نے اترا تو حسن صحن میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا ”انجی آپ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس سے اتنی جان پریشان ہوں اور چچا الماس کو بھی یہاں آنے سے روکیں ہم بھائی جان کے تندرست ہوتے ہی گھر پہنچ جائیں گے۔“

احمد نے کہا ”حسن یہ سب میرا قصور ہے۔ اگر بھائی جان کو کوئی تکلیف ہوئی تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔“

”آپ مطمئن رہیں۔ بھائی جان کا بال بیکانگ نہیں ہوگا۔ یہ لوگ کل تک پھر اپنے گھر میں محو ہو جائیں گے۔“

احمد نے کہا ”میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ اگر وہ کامیاب ہو گئی تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھائی جان کو اشیائے میں تلاش نہیں کریں گے۔“

حسن نے چونک کر کہا ”دیکھیے بھائی جان! خدا کے لیے آپ کوئی خطرناک تدبیر نہ رکھیں۔ آپ وعدہ کریں کہ سیدھے گھر جائیں گے۔“

احمد نے مسکراتے ہوئے کہا ”تم فکر نہ کرو میں سیدھا گھر جا رہا ہوں، تم میمونہ سے قلم اور دوات لے آؤ۔ جلد ہی کرو!“

حسن بھاگ کر اوپر سے قلم اور دوات لے آیا۔ احمد نے اپنی جیب سے وہ کاغذ نکالا جس پر اس نے محمد اور ابن عمار کی جو لکھی ہوئی تھی، اس پر چند اور الفاظ لکھنے کے بعد کاغذ دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

حسن نے کہا ”بھائی جان مجھے بتا کر جائیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“
یہ اس وقت تھا کہ جب تم غرناطہ پہنچے۔ اچھا خدا حافظ! احمد نے ڈیوڑھی کی طرف اشارہ کیا۔
اس نے دوا سے کہ اس کے ساتھ آیا جبکہ اسے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

بخار تھا اور پچھلے پر حسن اس کے قریب کر سی پر ادھکتے ادھکتے سو گیا تھا تو اس نے کہا
ہوئے پانی مانگا تھا اور معمور جس نے برابر کے کمرے میں شاید تمام رات آنکھوں میں کانٹ
تھی، اس کے لیے پانی لے آتی تھی۔ سعد نے چند گھنٹ پانی پینے کے بعد ایک ٹانہ کے لیے
اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ معمور نے اپنے کمرے کی طرف
لوٹے ہوئے اچانک اس سے سوال کیا تھا۔ ”اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“
”میں ٹھیک ہوں، مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اتنی تکلیف دی ہے۔“
اور وہ منہ چیر کر اہستہ سے یہ کہنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ”کاش میں

آپ کی تکلیف میں حصہ دار بن سکتی؟“
اس کے بعد وہ رو بصحت تھا تو دو دن میں چند بار دروازے کی آڑ میں کھڑی ہو کر
حسن سے اس کے متعلق پوچھ دیا کرتی تھی۔ اور سعد کے کانوں میں دیر تک اس کی دلکش
اور میٹھی آواز گونجنا کرتی تھی۔ وہ دوسرے کمرے یا باراندے میں اس کے پاؤں کی آہٹ سناتا
تو اس کے دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو جاتی اور وہ تھوڑی دیر کے لیے تصورات کے
عجیب غریب محل قیام کرنے لگ جاتا۔ لیکن اچانک وہ کسی لمحے اس کے ماتحت چومک اٹھتا
اور تصورات کے یہ محل مٹی کا انبار بن کر رہ جاتے۔ اس مٹی کے انبار سے اندس کے حالی
بھیانک تصویریں نمودار ہو جاتیں اور اس کی زندگی کا پیمانہ تلخیوں سے بھر پور ہو جاتا۔ اس کے
سامنے وہ بے حس حکمران قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے جو اندس کی لاش کو گڑھوں
کی طرح نوچ رہے تھے۔ اُسے اس دشمن کی افواج نظر آنے لگتیں جو اندس کے مسلمانوں
کو نیست و نابود کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہتا۔ ”میں یہاں کب تک رہوں گا؟
مجھے بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے؟“

معمور کے احساسات اس سے مختلف تھے۔ وہ سعد کو اس دن سے اپنا سمجھتی تھی
جب وہ ان کے ایک مددگار کی حیثیت میں قرطبہ پہنچا تھا۔ کم سنی کے زمانے میں وہ

کے لیے اپنے دل میں ایک بے پناہ عقیدت لے کر قرطبہ سے ایشیلیہ آئی تھی۔ اس کے بعد جوانی
کی منزل میں قدم رکھتے ہوئے جب وہ ایشیلیہ میں اپنی ہم عمر سیلیوں سے شہر کے نوجوانوں
کے متعلق سنا کرتی تھی تو وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ دنیا میں ایک انسان جسے صرف وہ جانتی
ہے ان سب سے زیادہ حسین، بخادر، نیک اور رحم دل ہے۔ مستقبل کی طرف اس کا ہر قدم
اس یقین کے ساتھ اٹھ رہا تھا کہ وہ کسی دن مزد آئے گا۔ اُسے انتظار تھا۔ ایک ایسا انتظار
جس کی لذت اضطراب پر غالب تھی۔ وہ ہر نماز کے بعد اس کے لیے دعا کیا کرتی تھی اور ہر
دعا کے بعد اپنے دل میں یہ تسکین محسوس کیا کرتی تھی۔ کہ سعد اس کا ہے۔ وقت اور بعد کے
پردے ان کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے۔ وہ ضرور ملے گا۔ پھر جب شہزادہ رشید اس کی طرف
مائل ہوا تو وہ اپنے دل میں ایک بے چینی سی محسوس کرنے لگی۔ کبھی کبھی وہ دعا کے لیے اٹھ اٹھتا
تو اس کی آنکھیں پریم ہو جاتیں وہ کہتی۔ ”سعد تم کہاں ہو؟ تم مجھے بھول تو نہیں گئے۔ تم کب آؤ گے؟“
اور اب سعد اس کے گھر میں تھا۔ اب وہ یہ سوچا کرتی کہ اس کا ایشیلیہ میں آنا اور اس
کا زخمی ہو کر اس کے گھر ٹھہرنا محض اتفاقی حادثہ نہیں۔ لے قدرت کی وہ ان دیکھی طاقتیں کھینچ
لائی ہیں جنہیں وہ پچھلے ہر کی دعاؤں میں پکارا کرتی تھی۔ یہ جانتے ہوئے کہ سعد کے سپاہی
اس کی تلاش میں ہیں، وہ مطمئن تھی۔ اُسے یقین تھا کہ قدرت کے جو ہاتھ اُسے کھینچ کر میرے
باس لے آئے ہیں کسی بیرونی قوت کو اس پر غالب نہیں آئے دیں گے۔ سعد کے آنے اس
نے اپنے دل کی دھڑکنیں ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور اس کی دیر بے چینی کو اپنے
اپنے مستقبل کے متعلق کوئی شبہ نہ تھا۔ وہ مقورات کے ایسے محل تعمیر کر رہی تھی جو کبھی سار نہیں ہوتے۔

(۲)

معمور پہلے دن سعد کے علاج کے لیے ایک طبیب کو بلانا چاہتی تھی لیکن سعد اس کو مزید
کے خلاف تھا۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ میرا زخم معمولی ہے۔ اس لیے وہ مجبوراً اس دوا کی پر کفایت
کرتی رہی جو گھر میں موجود تھی لیکن دوسرے روز سعد کے زخم کی تکلیف بڑھ گئی اور اس کے

بیابانہ دروازے پر حنجر کے ساتھ کاغذ چسپاں کرنے کے بعد اس کا رخ فلاں سڑک کی طرف

میں بھی نہیں کہ یزنجی ہو کر یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو یقین ہو چکا ہے کہ یہ اشبیلیہ کی سندھ

”اشیلیلہ کے جنت پسندوں نے الفاظ کا قدیم معنوم بدل دیا ہے
اب بزدلوں کو بہادر اور لومڑیوں کو شیر کہا جاتا ہے۔“

سعد کے چہرے پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا، احمق بہت
شریر جو حسن نے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا اور ایک نظر دیکھنے کے بعد میمونہ
کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، ”آپا جان یہ وہی نظم ہے“

طیب نے کہا، ”میرے خیال میں اب ہمارے درمیان کوئی راز نہیں رہا میمونہ آپ کو یہ اطمینان
دلا سکتی ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے لیکن کم از کم چار دن
اور چلنے پھرنے سے پرہیز کیجیے!! میں صرف اپنی تشویش دُور کرنے کے لیے یہ پوچھنا چاہتا ہوں
کہ وہ شاعر کون تھا؟“

سعد نے اطمینان سے جواب دیا، ”وہ میرا بھائی ہے؟“
”میرا بھی یہی خیال تھا اور یہ بھی شاید آپ کا بھائی ہے؟“ طیب نے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
حسن نے کہا، ”دیکھیے آپ بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رہے ہیں؟“
طیب نے کہا، ”یہاں تک فکر نہ کرو!“

جون جو سعد کی حالت بہتر ہو رہی تھی، اسے ایک کمرے میں چھپ کر رہنا صبر آزما
محسوس ہو رہا تھا۔ شہرے میمونہ کی بعض سہیلیاں اسے ملنے آیا کرتی تھیں۔ اس لیے وہ عام
طور پر نکلے حصے میں رہا کرتی تھی۔ وہاں کے لیے کھانا بھی وہ اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتی تھی
ابتداء میں جب کہ سعد کو زیادہ تکلیف تھی، وہ صبح سے شام تک کئی بار اوپر آتی اور ساتھ والے
کمرے میں کھڑی ہو کر حسن سے اس کے متعلق پوچھتی، دو راتیں جب سعد کو سخت بخار تھا اس نے
برابر والے کمرے میں بیٹھ کر گزار دی تھیں اور اس کے بعد جب سعد کی حالت بہتر ہونے لگی تو وہ
بار بار اوپر آنے میں ایک جھجک سی محسوس کرنے لگی تاہم علی الصباح بستر سے اٹھتے ہی اور
رات کے وقت سونے سے پہلے جب تک وہ اوپر جا کر حسن سے اس کے بھائی کے متعلق پوچھ

تھا پولیس کے سواروں نے اس کا پیچھا کیا۔ راستے میں لوگوں سے اس کا پتہ پوچھتے ہوئے جب
وہ شہر سے چارپانچ کوس دور ایک سرائے کے قریب پہنچے تو وہاں سے چند سوار نکلے بیٹھے
سرائے کے مالک سے استفسار پر انہیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ کل سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔
ابھی ایک اور نوجوان جو شاید ران کا نوکر تھا، یہاں آیا تھا اور اس کے آتے ہی وہ سب گھوڑوں
پر سوار ہو کر یہاں سے نکل گئے ہیں۔ پولیس نے ان کا پیچھا کیا لیکن مقابلے میں پولیس کو پسپا
ہونا پڑا اچھے سپاہی تیروں سے زخمی ہو کر واپس آئے ہیں۔ وہ زخمی سپاہی جسے میں دیکھنے کے لیے گیا
تھا صرف اتنا دعویٰ کرتا ہے کہ کم از کم اُن کے ایک گھوڑے کی ٹانگ اُس کے تیرے زخمی ہوئی ہے۔“
حسن جو کچھ دیر پہلے بہت فکر مند تھا اب بڑی مشکل سے اپنے منہ بند کر رہا تھا۔
سعد نے سوال کیا، ”آپ کو یقین ہے کہ وہ اشیلیلہ کی سرحد عبور کر گئے ہیں؟“
”مجھ سے زیادہ پولیس والوں کو اس بات کا یقین ہے۔ آج صبح میں مسجد میں گیا تھا
تو وہاں بھی یہی باتیں ہو رہی تھیں۔“

”پولیس کا کوئی اور دستہ ان کے تعاقب میں نہیں گیا؟“
”پولیس چھوڑ کر وہ شاید فوج بھیجے گی بھی کو شمش کرتے لیکن انھیں ایک مصیبت
کا سامنا کرنا پڑا۔ کل اُن کی آن میں اس نظم کی نقلیں شہر کی باقی تمام در سگا ہوں میں پہنچ چکی
تھیں۔ دوپہر تک کئی مسجدوں، در سگا ہوں، گھروں، یہاں تک کہ بعض وزراء کے مکانات
کے دروازوں پر بھی یہ نظم چسپاں تھی۔ پولیس ان اشتہاروں کو اتار دی ہے لیکن معلوم
ہوتا ہے کہ انارنے والوں کی نسبت لکھ کر چسپاں کرنے والوں کے ہاتھ زیادہ مستعد ہیں آج
صبح تو یہ حالت تھی کہ مسجد کے صحن میں کئی اشتہار کبھرے ہوئے تھے۔ رات کو میرے مکان
کے دروازے پر بھی کوئی ایسا اشتہار چسپاں کر گیا۔ وہ میں نے اتار لیا ہے۔ شاید میری جیب میں ہوگا
طیب نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالتے ہوئے سعد کے ہاتھ
میں دے دیا۔ سعد نے پڑھا۔ پہلا شعر یہ تھا:

نہایتی اسے چلین نہ اتنا۔ الرودہ دریا حیر سے کام لیتی۔ حسن کو دیکھتے چلا جانا اور اس سے مرے دروازے پر کھڑا ہو کر کہتا: ”آیا جان! آج بھائی جان کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔“

(۳)

ایک دن دوپہر کے وقت نیا دیکھنے کی بہن میمونہ کے پاس آئی اور دیر تک اس کے ساتھ باتیں کرتی۔ اچانک سعد اور حسن کو چھٹی منزل میں ٹھہر سنا دی۔ حسن جلدی سے اٹھ کر برآمدے میں گیا۔ نیچے میمونہ بلند آواز میں کہہ رہی تھی: ”میں نے تم سے اس دن کہا تھا کہ میں اس بے غیرت کے متعلق کچھ نہیں سنا چاہتی۔ اگر تمہارا بھائی اس کا ساتھ دیتا ہے تو وہ بھی بے غیرت ہے اور تم بھی جو انھیں خوش کرنے کے لیے دوسروں کی عزت کا سودا کرتی پھرتی ہو..... خدا کے لیے یہاں چلا جاؤ۔ ورنہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا۔“

نیا دیکھنے کی بہن برآمدے کی سیڑھیوں سے اتر کر صحن میں آگئی اور اس نے مڑ کر پیچھے دیکھ کر ہونے لگا: ”میمونہ یاد رکھو! تم ذلیل و خوار ہو کر اس کے پاؤں پر سر رکھو گی۔ میں تمہیں اس ملک دیکھنا چاہتی ہوں لیکن تم اس کی کنیز بننا بھی پسند کر لو گی۔ اندلس میں کوئی قلعہ ایسا نہیں جس کی دیواریں اسے تمہارے پاس پہنچنے سے روک سکیں!“

میمونہ ایک کچلی سی تیزی کے ساتھ برآمدے سے صحن میں نمودار ہو کر چلائی: ”نکل یہاں سے! جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ: ”وہ لے گئے دیر تک من مانی نہیں کیا کرتے۔“

اب سعد بھی اپنے کمرے سے برآمدے میں آچکا تھا اور حسن کے قریب ایک ستون پیچھے کھڑا ہو کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔ میمونہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ زیادہ کی بہن مرعوب سی باہر کے دروازے کا رخ کر رہی تھی، ڈیوڑھی کے قریب پہنچ کر اس نے دوبارہ مڑ کر میرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”تم پچھتاؤ گی میمونہ!“

”نکل جاؤ یہاں سے!“ میمونہ یہ کہہ کر چند قدم آگے بڑھی اور زیادہ کی بہن بھاگ کر آیا۔ گئی۔ میمونہ چند ثانیے دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ خادموں نے آگے بڑھ کر اس کے کنارے

Scanned by iqbalmt

برآمدہ رکھتے ہوئے کہا: ”آپ کو اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا! میمونہ اس کا ہاتھ بھاگ دیا اور تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی برآمدے کی طرف آگئی۔ اس کا چہرہ آگے کے انگارے کی طرح دھک رہا تھا۔

سعد نے حسن کی طرف دیکھا اور کہا: ”حسن جاؤ! تم تسلی دو!“

حسن نیچے پہنچا تو میمونہ کے کمرے سے سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔

”بہن کیا ہوا؟“ اس نے گنگھی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

میمونہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ حسن بھگتا ہوا اندر داخل ہوا، میمونہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں پھیلے کھڑی تھی۔

”آیا جان آپ در رہی ہیں۔ خدا کی قسم، کسی مرد نے آپ کا دل دکھانے کی جرأت کی ہوئی تو میں یہ ثابت کر دیتا کہ آپ کا بھائی بے غیرت نہیں۔ لیکن وہ ایک لڑکی تھی۔“

”تم نہیں جانتے۔“ میمونہ نے دوبارہ سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

حسن نے قدرے تذبذب کے بعد کہا: ”میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اندلس کی غیر طبری میں آپ کے دو اور بھائی یہاں موجود ہیں اور ہماری لاشیں رفتہ رفتہ بغیر کوئی اس گھر کا رخ نہیں کر سکتا!“

فرش پر کاغذ کے چند پرزے بکھرے ہوئے تھے۔ میمونہ نے اپنے آنسو پونچھنے کے بعد انہیں ایک

ایک کر کے اٹھایا اور ایک ٹائمر وقف کے بعد حسن سے مخاطب ہو کر بولی: ”وہ یہ خط لکھ کر میرے پاس

آئی تھی۔ میں نے غصے کی حالت میں پھاڑ دیا تھا۔ یہ پرزے اپنے بھائی کے پاس لے جاؤ۔“

تھوڑی دیر بعد سعد کاغذ کے پرزے جوڑ کر پڑھ رہا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

”بہن میمونہ! میں آپ کے پاس اپنی بہن کو بھیج رہا ہوں، وہ زہانی آپ کو تمام

ان تمام خطرات سے آگاہ کرے گی جو آپ کے اخوسن کی طرز عمل کے باعث اور اس

کو پیش آ سکتے ہیں۔ شہزادہ رشیدان لوگوں میں سے نہیں جو اپنی توہین برداشت

نہیں نہیں گی۔ آپ کا اپنی خادم زیاد

خط پڑھنے کے بعد سوچا کہ میرے جس و حرکت بیٹھا، با حسن، میرا اس کے چہرے کی طرف
دیکھ رہا تھا جس پر کبھی غصہ اور کبھی نفرت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے کہ سیر حویں پر کسی کے ہاتھ کی
پٹ محسوس ہوئی جس نے باہر بھاگا اور پھر اپنے بھائی کی طرف دھنستے دھنستے کہا: ”وہ اوپر کرتی ہیں
سعد نے کہا: ”حسن تم غناط خانے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس کی بھی اور گھوڑے نہیں ہیں؟“
”جی ہاں!“

”تم میمونہ کے ساتھ کبھی پر جاؤ گے اور میں طبلہ جادوں گا“ یہ کہہ کر سعد اٹھا اور برابر والے
کمرے کے دروازے کے قریب جا کر بولا: ”میمونہ تمہارے لیے یہ جگہ محفوظ نہیں..... تم صحن کے
ساتھ غناط جانے کے لیے تیار ہو جاؤ میں بہت جلد اور اس کو لے کر وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اب تیار
ہوئے والی ہے اور اتار تمہارے سفر کے لیے مزدوں نہیں تمہیں صبح کا انتظار کرنا پڑے گا میں کچھ
در پہلے یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا اور شہر کے جنوبی دروازے سے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔ وہاں
سے میں کچھ دور تمہارا ساتھ دوں گا اور اس کے بعد میں طبلہ کا کڑج کر دوں گا۔ اپنے نوکر دن کو یہ سمجھا
دینا کہ اگر کوئی تمہارے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تو وہ یہ کہہ دیں کہ تم کسی سہیلی سے ملنے کے لیے گئی
ہو۔ اس طرح تمہیں کم از کم ایک دن کسی خطرے کے بغیر سفر کرنے کا موقع مل جائے گا۔“

میمونہ نے خاموشی پر سعد نے کہا: ”تمہیں میری تحویز پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ان حالات
میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔ ایشید اب بھڑیوں کی شکار گاہ بن چکا ہے۔ تمہارا ایساں
رہنا ٹھیک نہیں۔ میں زیادہ کو جانتا ہوں۔ اس سے ہر وقت کی امید کی جاسکتی ہے۔“
میمونہ نے مغموم آواز میں جواب دیا: ”میں جانتی ہوں کہ میرے لیے اد کوئی راستہ نہیں ملے گا
آپ ابھی سفر کے قابل نہیں ہوتے۔“

سعد نے جواب دیا: ”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ حسن اور آپ کا بوڑھا نوکر اس بات کی گواہی
دے گا کہ میں دیے بھی یہاں سے دھست ہونے کا ارادہ کر چکا تھا۔“

کرنے کے عادی ہوں۔ اگر آپ نے اس کی محبت کا مذاق اڑانے کی جرات کی تو
اس کا انتقام بہت خطرناک ہو گا۔ یقیناً آپ خوش نصیب ہیں کہ قرطہ کا
گورنر آپ سے محبت کی بھینک مانگتا ہے۔ لیکن اگر وہ چاہے تو آپ کو یاہ زنجیر
بھی اپنے پاس بلا سکتا ہے۔ اگر اس نے انتقام لینے کی ٹھان لی تو آپ اور آپ
کے بھائی کے لیے کوئی گوشہ محفوظ نہیں ہو گا۔ کیا آپ یہ گوارا کریں گی کہ اسے میرے
کے لیے قید خانے کے کسی تاریک گوشے میں پھینک دیا جائے؟

میں یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ میں اور اس کا دوست ہوں۔ مجھے آپ کے ساتھ
وہی ہمدردی ہے جو کہ ایک شخص کو اپنے دوست کی بہن کے ساتھ ہونی چاہیے
میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ قرطہ جانے سے پہلے شہزادہ رشید اور اس
کے متعلق اپنے خطرناک سفر نامہ کا اظہار کر چکا ہے۔ ممکن ہے کہ اسے واپسی پر
راستے ہی میں گرفتار کر لیا جائے۔ حکومت کے ایک ایسے ملازم کو جس پر شہزادہ
رشید جیسا با اثر آدمی تھا ہو، گرفتار کرنے کے لیے سینکڑوں وجوہات تلاش کی
جاسکتی ہیں اور اس کے بعد آپ کی جو حالت ہو گی اس کا اندازہ آپ خود لگائیں
اگر آپ شہزادہ رشید کی رفیقہ حیات بنا قبول کر لیں تو میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ آپ نہ صرف اپنی قسمت پر ناز کریں گی بلکہ اور اس کے لیے ترقی اور عزت
کے تمام راستے کھل جائیں گے۔ میرے متعلق آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں
مجھے صرف اپنے عزیز ترین دوست اور اس کی بہن کی بھلائی منظور ہے۔
آپ قطعی فیصلہ کرنے میں غلط سے کام نہ لیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ مجھے براہ راست
ہمکلام ہونے کا موقع دیں۔ آپ یا میری بہن کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لے
آئیں، ورنہ مجھے اجازت دیں کہ شام سے پہلے خود آپ کی خدمت میں حاضر
ہو جاؤں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اور اس کے لیے مصیبت کا باعث

نے کہا "میں تیار ہوں"

(۴)

حسد کی نماز سے تھوڑی دیر بعد میمونہ بالائی منزل کے کمرے سے اپنے سفر کے لیے فرما
سلمان جمع کرنے کے بعد پہنچے اور رہی تھی کہ ڈیوڑھی کی طرف سے اُسے اپنے بوٹھے لوکر کی آوا
سنائی دی۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ادریس گھر میں نہیں۔ اس وقت آپ کا کسی شریف آدمی
کے گھر میں داخل ہونا ٹھیک نہیں!

کسی نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "بد معاش! تم نہیں جانتے، میں کون ہوں۔ خام
رہو ورنہ مار ڈالوں گا؟"

"میں جانتا ہوں، آپ شہر کے کوتوال ہیں۔ آپ ادریس کے دوست ہیں۔ آپ
یہ مکان کا دوسرا حصہ کھلا ہے۔ اس طرف اُن کی ہمیشہ رہتی ہیں۔ یہ مناسب نہیں
میمونہ جلدی سے پہنچے پہنچی اور پرانے میں کھڑی ہو کر باہر بھاگنے لگی۔ تاریکی میں اُسے
اُڑی بوٹھے ڈکر کودھکے کر باہر نکالتے ہوئے دکھائی دیے۔ باقی لوکر بھی صحن میں جمع ہو چکا
لیکن مسلح آدمیوں کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ ایک آدمی نے نوکروں کی طرف
بڑھتے ہوئے کہا۔ "تم گھر آؤ نہیں، میں ادریس کی بہن کے پاس ایک ضروری پیغام لے کر آیا
دہ کہاں ہے؟"

میمونہ کی خادمہ بلانہ کے دوسرے کونے میں سہمی کھڑی تھی.... میمونہ بھاگتی
سڑھیوں پر چڑھی۔ زینے کے دروازے پر سعد اور حسن کھڑے تھے، وہ اُن سے بات کیے
ایک کمرے میں داخل ہوئی اور وہاں سے مکان اور ترکش اٹھا کر اوپر کے برآمدے میں کھڑی ہو کر
وہ ترکش سے ایک تیر نکال کر کہاں میں پڑھا رہی تھی کہ سعد نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس
بنو کو پکڑتے ہوئے کہا۔ "میمونہ ٹھہرو! میری بات سنو! وہ بہت زیادہ ہیں۔ مجھے یقین ہے
کہ اسے جلد سے لے کر آگے تم کو اس کا راز کا اور ملاوڑ جلدی کر دو۔ ورنہ وہ"

دراجا میں گئے۔ ہم اپنے کمرے میں جوں کے اور بکھے تھیں۔ کونج سے پر ہم زیادہ بڑی
نایابہ اٹھا سکیں گے۔

سعد، حسن کو اپنے کمرے میں لے گیا اور شمع بجھا کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔
نیچے صحن میں زیادہ چلا رہا تھا۔ "بتاتے کیوں نہیں میمونہ کہاں ہے؟ بہت اچھا لگتا ہے
یہ مرضی ہے تو ہم خود تلاش کر لیتے ہیں!"

"کون ہے؟" میمونہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

زیادہ چند قدم آگے بڑھ کر اوپر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ کا خادم نیا آپ کی خانہ
میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔"

ان الفاظ میں ایک ناقابل برداشت طرز تھی لیکن میمونہ نے اپنا فحشہ ضبط کرتے ہوئے
"تمہیں ایک لڑکی کو پریشان کرنے کے لیے پوری فوج لانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"یہ چند سپاہی آپ کی عزت افزائی کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ایک لمحے کے لیے
شریف لانے کی تکلیف فرمائیں گی یا میں اوپر حاضر ہو جاؤں؟"

"مجھے معلوم ہے کہ میں آپ کا راستہ نہیں روک سکتی۔ خدا کا نہیں اوپر آنے کا راستہ دکھا دو
زیادہ سپاہیوں کو دروازے پر ٹھہرنے کا حکم دے کر خادمہ کی رہنمائی میں اوپر پہنچا تو میں
نے کہا۔ "خادمہ! انھیں کمرے میں بٹھاؤ میں ساتھ دالے کمرے سے بات کروں گی!"

زیادہ اس کے طرز عمل سے حیران بھی تھا اور خوش بھی۔ وہ اہمستان سے کمرے میں ایک
بڑی گھاسی میمونہ ساتھ دالے کمرے میں جہاں سعد اور حسن کھڑے تھے چلی گئی اور درمیان دروازے
کے ساتھ کھڑی ہو کر بولی۔ "تو تم میرے بھائی کے ساتھ دوستی کا ایک ادب ثابت دینے کیلئے آ

نیا دالے جواب دیا۔ میں آپ کے ساتھ زیادہ بلڈیں نہیں کروں گا۔ میرے ذمے یہ ف
عالیہ لگایا ہے کہ میں آپ کو عزت اور احترام کے ساتھ قریب پہنچا دوں۔ آپ کے لیے ہمارے
کھڑی ہے۔ آپ کے انکار کی صورت میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ شہزادہ شہید

سے روانہ ہونے سے قبل اس بات کا انتظام کر گیا ہے کہ جب آپ کا بھائی قسطنطنیہ سے واپس آئے تو ایشلیہ کی آخری سرحدی چوکی کے سپاہی اُسے قوطیہ پہنچا دیں۔ پھر اُسے کسی بہتر محلہ کے عہدے پر فائز کر دینا یا قید خانے میں بھجوانا آپ کے بس کی بات ہوگی۔

میمونہ نے کہا: "میں صرف ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ اگر میری جگہ آپ کی ہوتی تو تم کیا کرتے؟"

زیاد نے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا: "دیکھیے میں آپ کے ساتھ بحث کرنے نہیں آیا۔ میں صرف یہ جانتا چاہتا ہوں، کہ آپ پھٹنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟"

سعد نے آہستہ سے حسن کے کان میں کچھ کہا۔ پھر دہلے پاؤں آگے بڑھا اور میمونہ کو لڑکھائیاں دینے لگا۔ بعد اس نے اچانک دروازہ کھول دیا۔ زیاد چونک کر گڑبڑ سے اٹھا لیکن اس سے پیشتر کہ اس کے منہ سے آواز نکلتی، سعد کی تلوار کی نوک اس کے سینے کے ساتھ چبھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی برآمدے کی طرف سے حسن کمرے میں داخل ہوا اور اس کی تلوار کی نوک زیاد کی گردن کو چھونے لگی۔

زیاد مبہوت کھڑا تھا۔ سعد نے کہا: "اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی، تو یہ تلوار تمہاری زبان کے مقابلے میں زیادہ تیز اثر ثابت ہوں گی۔ بیٹھے جاؤ!" زیاد کچھ کے بغیر بیٹھ گیا۔ وہ بچی بچی آنکھوں سے کبھی سعد اور کبھی حسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔

سعد نے کہا: "اٹھو! اور وہ کچھ کے بغیر دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سعد نے اپنے چہرے پر تھارت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا: "تم ہمیشہ سے بزدل تھے!"

حسن نے آگے بڑھ کر پہلے اس کے نیام سے تلوار نکالی پھر اس کا خنجر اپنے قبضے میں لیا۔ سعد نے کہا: "ڈرو نہیں زیاد! اہم ایسے ہاتھ ایک بزدل آدمی کے خون سے غلیظ نہیں

ہیں گے۔ چلو باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے کہو کہ اب تمہاری ضرورت نہیں۔ دیکھو یاد رکھو۔ ہڈی سی بے اعتدالی تمہیں آنکھ چھپکنے کی دیریں تھامے ہلاکت کے پاس پہنچا سکے گی۔ حسن! شہنشاہ کا دوسرے کمرے میں لے جاؤ اور میمونہ سے کہو کہ وہ فوراً تیار ہو جائے۔ چلو زیاد!"

زیاد پر سعد کے الفاظ سے زیادہ تلوار کے اشارے نے اثر کیا اور وہ بادل ناخستہ اس کے آگے آگے برآمدے میں نکل آیا۔ سعد سمٹ کر اس کے پیچھے کھڑا تھا اور اس کی تلوار کی نوک اس کی پسلیوں سے چھو رہی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا: "تم وعدہ کرتے ہو کہ تمہارے حکم کی تعمیل کے بعد میری جان محفوظ ہوگی؟"

سعد نے کہا: "میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب ہم خطرے کی زد سے باہر نکل جائیں گے تو تم لیٹان سے اپنے گھٹھا سکو گے۔"

زیاد نے ذرا آگے بڑھ کر نیچے جھانکتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر کہا: "اب تمہاری ماں ضرورت نہیں۔ تم جا سکتے ہو!"

نیچے سے ایک سپاہی نے کہا: "بگھی نہیں رہی؟"

زیاد نے مڑ کر سعد کی طرف دیکھا اور اس نے آہستہ سے "ہاں" کہہ دیا۔ زیاد پھر نیچے جھانکے ہوئے بولا: "ہاں بگھی یہیں رہے گی۔"

"ہم سب چلے جائیں؟"

زیاد نے پھر سعد کی طرف دیکھا۔ سعد نے پوچھا: "باہر کتنے آدمی ہیں؟"

"دو سو!" اس نے جواب دیا۔

"انہیں کوئی سوار دیں کھڑے رہیں۔"

زیاد نے بلند آواز میں کہا: "سوار دیں کھڑے رہیں۔"

سپاہی باہر نکل گئے تو سعد نے حسن سے کہا: "حسن تم نیچے جا کر معلوم کرو کہ اسے فرار

پانی سے تو کام نہیں لیا اور دونوں کو اوپر بھیج دو۔ میمونہ تم کوٹنے کے کہنے میں شیع جلاؤ۔"

زیادہ کی خاموشی پر سعد نے اپنی تلوار بر تھوڑا سا دبا دینے کے بعد آہستہ سے کہا: "جلاوطن!"

خواب سرا کو روشنی سے جس قدر محبت تھی اسی قدر اب نفرت ہو رہی تھی۔

کمرے کے دروازے کے قریب کھڑا کانپ رہا تھا۔ میمونہ باہر نکلی اور چمکتی ہوئی تلوار اس کی نوکر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "اگر تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو...." میمونہ نے پناہ فرما کر دیکھنے کی بجائے تلوار ڈال آگے بڑھا دی اور خواجہ سرانے دہشت کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد سعد حسن اور میمونہ کے نوکران تینوں کو زیادہ کے قریب لٹا کر رستوں سے ہٹا رہے تھے.... اور میمونہ ان کے قریب کھڑی اپنے ماضی کے اس دن کا تصور کر رہی تھی.... جب قرطبہ میں سعدان کی مدد کے لیے پہنچا تھا.... قرطبہ میں اس کے بچپن اور انشیلیر میں اس کی جوانی کے درمیان برسوں اور مہینوں کا خلا بڑھ چکا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ سعد ہمیشہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کی دنیا ہمیشہ مکمل تھی۔

حسن نے کہا "اب صرف کوچوان باقی ہے۔ میں اُسے لے آؤں گا۔"

سعد نے کہا "اسے نیچے کسی کمرے میں بند کر دو۔ اب ہمیں بات فرمنا نہیں کرنا چاہیے۔"

حسن ایک نوکر کو ساتھ لے کر نیچے اتر گیا۔ سعد نے باقی نوکروں سے کہا "ہم بہت دُور جا رہے ہیں تم میں سے جو جاتے ہو وہ فوراٰ اصطبل سے اپنے لیے کچھ لے کر لو۔"

لوڑے نوکر نے جواب دیا "ہم میں سے کوئی بھی اس شہر کا باشندہ نہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ جائیں گے اور اصطبل سے زیادہ گھوڑے لے جانے کی ضرورت نہیں۔ سپاہیوں کے دو گھوڑے نیچے کھڑے ہیں۔ سائیس کبھی پر ہوگا۔"

"بہت اچھا۔ صرف حسن کے گھوڑے پر زین ڈال دو۔ یہ کہنے کے بعد سعد خادمہ کی طرف متوجہ ہوا اور وہ آگے بڑھ کر بولی "میرے کوئی گھر نہیں۔ میں میمونہ کے ساتھ جاؤں گی۔"

سعد نے میمونہ سے کہا "تم فوراً اپنا ضروری سامان لے لو۔ لیکن جلد ہی۔"

اس میں کب کی تیار ہو چکی ہوں۔ یہ کہہ کر میمونہ ایک نوکر کو دوسرے کہے میں لے گئی اور ایک چھوٹا سا صندوق اس کے حوالے کر دیا۔

سعد نے رستوں میں سفر کرتے ہوئے سپاہیوں کو گھسٹاتے قرطبہ کی جامعہ کی طرف دیکھ کر دیر

ڈال کر دروازے بند کر دیے اور خواجہ سرانہ کچھت کی طرف جانے والے زینے میں بند کر دیا۔ آہنی دروازے میں حسن نے واپس آکر اطلاع دی کہ وہ کوچوان کو نیچے بند کر آیا ہے۔

"حسن! تم میمونہ اور خادمہ کو گنجی میں بٹھا دو اور نوکروں سے کہو کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر سعد کونے کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں شمع جلد ہی تھپی۔ زیادہ فرش پر منہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ سعد نے اسے پیٹھ کے بل لٹاتے ہوئے کہا "زیادہ! میں جا رہا ہوں تمہارے آکا کل تک تمہیں تلاش کر لیں گے۔ ان سے کہہ دینا کہ میرا بچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں پھر آؤں گا اور میرے ہمراہ کاب وہ طوفان اور زلزلے ہوں گے جو ایشیلیہ کے حکمران خاندان کی بنیادیں ہلا دیں گے۔ میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں اور مجھے تم سے ہر بُرائی کی توقع ہے۔ لیکن یاد رکھو، اگر اور میں کابل تک پہنچا ہوں تو معتد کا کوئی قلعہ تمہارے لیے محفوظ نہیں ہوگا۔ کم از کم اپنی جان کے خوف سے تمہیں شہزادہ رشید کو کوئی ذلیل مشورہ نہیں دینا چاہیے!"

زیادہ کے ہاتھ پاؤں بُری طرح رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور منہ میں ٹھنڈے پتھر کے ٹکڑے۔ اس نے اس کی زبان بند کر رکھی تھی۔ اس کی چھٹی چھٹی آنکھیں زبان حال سے یہ کہہ رہی تھیں۔ میں تمہیں جانتا ہوں۔ اس دن شاہی محل کے دروازے پر تمہارے ساتھ میری پہلی ملاقات نہ تھی۔ میں نے اس سے پہلے بھی کہیں تمہیں دیکھا تھا۔ لیکن کہاں؟ کب؟ اس کے دماغ پر ماضی کے دھندلے نقوش ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر تھے۔ سعد نے شمع بجھائی اور باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

(۶)

تھوڑی دیر بعد گنجی وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میمونہ، اس کی خادمہ اور سعد اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن اور دو نوکر گنجی کے پیچھے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور میں کاسائیس گنجی چلا رہا تھا اور خطرے کے بادبوڈ شاہی اصطبل کے چار سفید اور بنی رفتار گھوڑوں کو بانٹنے میں ایک فرحت محسوس کر رہا تھا۔ وہ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر ایشیلیہ سے باہر نکل آئے۔ کوچوان تاریکی کے باعث گنجی کو قدرے احتیاط کے ساتھ چلا رہا تھا۔ ایشیلیہ سے آٹھ گھنٹوں دور ایک ندی کے کنارے پہنچے۔

جس کی زبان پر ہلکا سا بھوکہ لگایا اور کہا: "اتر دو!"

اجنبی کو تلواری کے علاوہ حسن کے دروازہ ساتھیوں کے نیزے بھی اپنی طرف بڑھتے ہوئے دکھائی دیے۔ اس کے ساتھ ہی سعد نے بھی سے کود کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ اجنبی مجبوراً گھوڑے سے اتر پڑا۔ سعد نے اس کا عمامہ اتار کر اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ دیے اور اسے گھبی کے دروازہ کیلئے ہونے کہا: "معموزہ! تم اس کا خیال رکھو۔ میں گھوڑے پر آتا ہوں۔"

حسن نے کہا: "بھائی جان! ہمیں اپنی توقع سے بہت زیادہ وقت مل جائے گا۔ رشید صبح سے پہلے دوسرا ملچلی نہیں بھیجے گا اور انھوں نے بہت زیادہ قتل سے کام لیا تو بھی غالباً دوپہر سے پہلے وہ ادیس کے مکان کی تلاشی نہیں لیں گے۔ صرف ایک خطرہ ہے کہ زیادہ کے نوکریا کو تلواری کے سپاہی اس کی تلاش میں وہاں پہنچ جائیں۔"

"مجھے یہ خطرہ نہیں۔ وہ سب جانتے ہوں گے کہ زیادہ قطرہ جارہا ہے۔ جب وہ دروازہ پر گھبی نہیں دیکھیں گے تو دوسرے ہی یہ سمجھ کر واپس لوٹ جائیں گے کہ زیادہ روانہ ہو چکا ہے۔ زیادہ کی تلاش ہر صورت میں دوپہر سے پہلے شروع نہیں ہوگی۔"

علی الصباح وہ ایک غیر آباد علاقے سے گزرا ہے تھے۔ کوچوان نے گھبی کو روکے ہوئے کہا: "میرے خیال میں قیدی کو یہاں اتار دینا چاہیے۔"

سعد نے سوال کیا: "یہاں سے قریب ترین بستی کتنی دور ہوگی؟"

"تین میل کے دائرے میں یہاں کوئی بڑی بستی نہیں۔ کہیں کہیں چرواہوں اور کسانوں کے اکا دکا گھر ہیں اور وہ لوگ ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتے۔ قریب ترین بستی کی چوکی یہاں سے کوئی آٹھ کوس دور ہوگی۔"

سعد نے قیدی کو گھبی سے اتار کر پہلے ایک درخت کے ساتھ باندھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بعد میں اُسے کچھ خیال آیا اور اس نے کہا: "انسانیت مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں تمہیں بلاوجہ تکلیف نرزدوں میں تمہارا زور کرتا ہوں، تمہارے لیے یہ بہتر ہوگا کہ تم سیدھے شہیلہ جاؤ! وہاں ادیس کے مکان میں تمہارا

اجنبی ایک سوار ملا۔ اس نے چٹا چٹا کبھی کورنے کی کوشش کی لیکن جب کوچوان نے گھبی کو بندھکا تو اس نے جلدی سے گھوڑا ایک طرف ہٹالیا۔ گھبی آگے نکل گئی تو وہ پیچھے آنے والے سوار کے ساتھ شامل ہو گیا۔ حسن نے اپنا گھوڑا اس کے قریب لاتے ہوئے سوال کیا: "تم کون ہو؟"

اجنبی نے جواب دینے کی بجائے ایک اور سوال کر دیا: "نیا داسی گھبی میں ہے نا؟"

"ہاں۔"

"اکیلا ہے یا کوئی اور بھی اس کے ساتھ ہے؟"

"اس کے ساتھ خواتین بھی ہیں۔ لیکن تم کون ہو؟"

"مجھے شہزادہ رشید نے بھیجا ہے۔"

"وہ کہاں ہیں؟"

"بس اب تم ان کے پاس پہنچنے ہی والے ہو۔ وہ یہاں سے کوئی دو کوس کے فاصلے پر ہیں۔ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگلے موڑ سے نہیں ان کے پڑاؤ کی روشنی دکھائی دے گی۔"

تھوڑی دیر جا کر کوچوان نے گھبی کو دائیں ہاتھ موڑ کر ایک اور سڑک پر ڈال دیا تو اجنبی پھلایا: "شہزادہ! گھبی کو روکو! یہ سڑک اس طرف نہیں جاتی۔" جب اس کی چیخ پکار بے اثر ثابت ہوئی تو اس نے اپنے گھوڑے کو اڑا کر گھبی کے آگے کر دیا۔ حسن نے اپنا گھوڑا گھبی کے ساتھ لگا کر کوچوان سے کہا: "گھبی روکو!"

کوچوان نے گھوڑوں کو روکا تو اجنبی نے دروازے کے قریب آ کر کہا: "دیکھیے کوچوان آپ کو دوسری سڑک پر لے جا رہا ہے۔"

سعد نے دروازے کا پردہ ہٹاتے ہوئے کہا: "یہ کوچوان نیا ہے۔ تم گھوڑے سے اتر کر اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور اپنا گھوڑا سپاہیوں کے حوالے کر دو۔"

اجنبی کو سعد کی آواز کچھ غیر مانوس سی محسوس ہوئی اور اس نے سوال کیا: "آپ کون ہیں؟" اتنی دیر میں حسن اور اس کے ساتھی اجنبی کے گرد گھیر اڑاں کھٹے تھے حسن نے اپنی تلوار سے

ایک گھنٹی میں باندھ کر اپنے آگے رکھ لیا حسن اور دوسرے نوکرنے اپنے گھوڑے میمونہ اور اس کی خادمہ کو دے دیے اور خود گھنٹی کے گھوڑوں کی منگی پیٹھ پر سوار ہو گئے کوچوان بھی گھنٹی کے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ چوتھا گھوڑا انھوں نے آزاد چھوڑ دیا۔

سرک چھوڑ کر پکڑنڈی پر پہنچ کر دیر چلنے کے بعد وہ کسانوں کی ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچے اور اس کے سائیں کا گاؤں ابھی چند میل دور تھا لیکن ان کے گھوڑے جواب دے چکے تھے۔ سعد کو مجبوراً بستی میں اتارنا پڑا۔ کسانوں نے انتہائی خلوص اور محبت سے ان کی میزبانی کی اور ان کے گھوڑوں کے لیے چارہ میا کیا۔ تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ خود آفتاب سے قبل وہ دوسرے گاؤں میں پہنچ گئے۔ رات انھوں نے ادیس کے سائیں کے گھر میں گاٹی اور بچے پر وہاں سے کوچ کیا:

(۷)

اگلی رات وہ لوشہ پہنچ گئے۔ لوشہ کے چند نو جوان غزنائے فوجی کتب میں سعد کے ساتھ تعلیم پانچے تھے۔ ان میں سے ایک لوشہ کے قاضی کا لڑکا تھا۔ سعد نے کسی سرائے میں قیام کرنے کی بجائے اس کا گھر تلاش کیا۔ قاضی کے لڑکے نے انتہائی تپاک سے سعد اور اس کے ساتھیوں کا خیر مقدم کیا۔ میمونہ اور اس کی خادمہ مکان کے زنانے حصے میں ٹھہریں اور سعد اور حسن اور نوکر کو دو مکان خانے میں جگہ دی گئی۔ سعد کے دوست اور قاضی نے دلچسپی کے ساتھ سعد کی سرگزشت سنی لیکن جب اس نے یہ کہا کہ ہم علی الصباح روانہ ہو جائیں گے تو قاضی نے کہا: ”یہاں اب اتنے تکلیف دہ سفر کے بعد خواتین کو آرام کی ضرورت ہے تمہیں یہاں دو تین دن ضرور ٹھہرنا چاہیے۔ اب تم خطرے سے بہت دور آچکے ہو۔“

سعد کے دوست نے زیادہ شدت کے ساتھ اصرار کیا کہ آپ کو کم از کم کل کا دن آرام لینا چاہیے۔

آخر سعد نے کہا: ”مجھے حسن اور باقی ساتھیوں کے یہاں ٹھہرنے پر کوئی اعتراض نہیں

شکر کو لال بند ہے، اگر تم دوسروں سے پہلے اس کی مدد کے لیے پہنچ جاؤ، تو کم از کم اسے نمون کر سکو گے۔ شاید اپنے گھوڑے کے عوض تم اس کے اصطبل سے ایک گھوڑا بھی حاصل کر سکو۔۔۔ اگر شہزادہ رشید ملے تو اس سے کتنا کہ وہ روز حساب کا انتظار کرے؟“

سعد نے قیدی کے ہاتھ پاؤں کھول دیے اور گھنٹی دوبارہ روانہ ہو گئی۔ کوئی دو کوس اور سفر کرنے کے بعد جب وہ ایک گھاٹی پر سے گزر رہے تھے، سعد نے اپنا گھوڑا بڑھا کر کوچوان کو اشارہ کیا اور اس نے بھی روک لی۔

سعد نے کہا: ”گھوڑے بہت تھک گئے ہیں۔ میرے خیال میں صبح کے وقت میرے بھی ہمارا سرکاری بھی پر سفر کرنا ٹھیک نہیں لگے شہر سے گزرتے ہوئے ہمیں لوگوں کی توجہ سے بچنا چاہیے۔“

حسن نے کہا: ”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رشید زیادہ دیر اپنے ایلچی کی واپسی کا انتظار کرنے کی بجائے خود اشدیلہ چلا گیا ہو اور وہ اس وقت تک ہمارے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہو۔ ان گھوڑوں کو تازہ دم کرنے میں ہمیں وقت لگے گا۔ کیوں نہ گھوڑے کھول کر بھی کو یہاں چھوڑ دیں اور سرک کی بجائے کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں؟“

”میں ہی سوچ رہا تھا۔“

کوچوان نے کہا: ”یہاں سے تھوڑی دور آگے ایک پکڑنڈی ہمارے گاؤں کی طرف جاتی ہے۔ اگر ہم وہاں پہنچ جائیں تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ ہمارا سفر طویل ضرور ہو جائے گا لیکن اس کا ایک یہ فائدہ ہوگا کہ ہم وہاں سے چند میل چلنے کے بعد اس سرک پر پہنچ جائیں گے جو استبجہ سے لوشہ کی طرف جاتی ہے۔ اس سے آگے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔“

سعد نے کہا: ”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ان راستوں سے واقف ہو تو میں اس قدر پریشان نہ ہوتا۔ میرے خیال میں گھنٹی کو ٹھکانے لگانے کے لیے یہ جگہ موزوں ہے۔“

تھوڑی دیر میں وہ گھوڑوں کو کھولنے کے بعد گھنٹی کو سرک سے نیچے ایک گہرے ٹھڈ کی طرف دھکیل چکے تھے۔ پورے نوکرنے میمونہ کا مختصر سامان صندوق سے نکالا اور اسے

(۸)

مکان کے دوسرے حصے میں میمونہ عشار کی نماز پڑھنے اور کھانا کھانے کے بعد گھر کی خواتین کے ساتھ تہن کرتے کرتے سو گئی صبح کے وقت جب وہ گری میمونہ سے بیدار ہوئی تو اس کی خادمہ اُسے جھنجھوڑا ہوا کہہ رہی تھی "میمونہ! میمونہ! اٹھو! نماز کا وقت جا رہا ہے؟" میمونہ نے جلدی جلدی دھوکہ کر کے نماز ادا کی اور خادمہ سے کہا "دیکھو تم نے مجھے ذرا سویرے کیوں نہ بجا دیا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم کچھ پہر روانہ ہو جائیں گے۔ اتنی دیر ہو گئی اب جا کر اُن سے کہو کہ میں تیار ہوں؟"

خادمہ کے دوست کی بہن جو پہلی ملاقات میں ہی میمونہ کے ساتھ بے تکلف ہو چکی تھی اُس کے قریب آکر بولی "بہن تیار کی ضرورت نہیں آج آپ ہمیں رہیں گی۔ رات اباجان نے ان سے اجازت لے لی تھی میمونہ نے اپنی خادمہ سے کہا۔" یہ مذاق کرتی ہیں۔ جاؤ ان سے پوچھ کر آؤ؟"

خادمہ نے جواب دیا "وہ تو تیسرے پہر یہاں سے قسطلہ روانہ ہو گئے تھے۔"

"روانہ ہو گئے؟"

"ہاں میں ابھی حسن سے پوچھ کر آئی ہوں۔"

میمونہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی۔ سعد نے راستے ہی میں بتا چکا تھا کہ وہ لوشر بیٹے کے بعد قسطلہ روانہ ہو جائے گا لیکن اُسے یہ توقع نہ تھی کہ وہ جانے سے پہلے خدا حافظ بھی نہیں کہے گا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ یہاں سے ایک ساتھ کوچ کریں گے اور شہر کے کسی چوراہے پر سعد اُن سے علیحدہ ہو جائے گا۔ قسطلہ میں سعد کی ہم ضرورت سے خالی نہ تھی اور میمونہ راستے میں جب یہ سوچا کرتی تھی کہ وہ کن الفاظ کے ساتھ اُسے رخصت کرے گی تو اسے اکثر یہ محسوس ہوتا تھا کہ الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں میں لے جئے احساسات کی ترجمانی کے لیے کافی نہیں اور اب جبکہ وہ اُسے خدا حافظ کہے بغیر رخصت ہو چکا تھا، سینکڑوں الفاظ اس کے ذہن میں آ رہے تھے۔ آپ واپس کب آئیں گے؟ میں آپ کی راہ دیکھ کر اُن کی دیکھ لے لوں گی کوئی خطبہ مول نہ لیجیے۔ آپ تنہا جا رہے ہیں اوروہ بھی اتنی دور۔ کاش میں آپ کے ساتھ جا سکتی۔ کاش میں! میمونہ کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

لیکن میں یہاں سے تیسرے پہر روانہ ہو جاؤں گا۔ مجھے بہت جلد قسطلہ پہنچنا ہے۔ آپ کو مجھے ایک تازہ دم گھوڑا بھی دینا پڑے گا۔"

قاضی نے کہا "آپ گھوڑے کی نگر نہ کریں لیکن قسطلہ آپ کس لیے جا رہے ہیں؟"

"میں آپ سے ذکر کر چکا ہوں کہ اس لڑکی کا بھائی وہاں گیا ہوا ہے۔ مجھے اس بات کی یقین ہو چکا ہے کہ اگر اُسے بروقت خبردار نہ کیا گیا تو اسے گرفتار کر کے قسطلہ پہنچا دیا جائے گا اور وہاں وہ شہزادہ رشید اور اس کے بد طبیعت مصاحبوں کے رحم و کرم پر ہوگا۔"

قاضی نے کہا "پھر آپ کو ضرور جانا چاہیے۔ اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو میں یہاں سے چند آدمی آپ کے ساتھ بھیج سکتا ہوں۔"

سعد نے جواب دیا "نہیں اس کام کے لیے ایک سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ قاضی نے کہا "اس جینے کی پندرہ تاریخ کو قاضی ابوالولید کی دولت پر بیٹھ میں قوم کے اکابر اور علماء کا ایک بہت بڑا اجتماع ہو گا۔ مجھے بھی ان کی دعوت آئی ہے۔ غرضاطہ سے قاضی ابوالولید بھی غالباً وہاں تشریف لائیں گے۔ قاضی ابوالولید حال ہی میں اندلس کا دورہ کر کے واپس آئے ہیں۔ وہ غالباً یہ تجویز پیش کریں گے کہ اندلس کے مختلف شہروں کے بااثر علماء ایک وفد کی صورت میں تمام لوگ الطوائف سے ملاقات کریں اور انھیں دشمنان اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے پر آمادہ کریں۔"

سعد نے کہا "مجھے یقین ہے کہ آج لوگ الطوائف سے زیادہ اسلام کا کوئی اور دشمن نہیں۔ وہ دنیا کی ہرزقت اور سوائی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اسلام کے نام پر کبھی متحد نہ ہوں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ متفق ہوں اور اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس اجتماع میں تم جیسے نوجوان موجود ہوں۔"

سعد نے کہا "میں پندرہ تاریخ تک بیٹھ بیٹھنے کی کوشش کروں گا۔"

”سچ کو!

”اں چھا! وہ ہمیں سہجوانے کے بعد وہاں روانہ ہو گئے تھے۔“

”تو میں بھی جاؤں گا!“

”آپ کو جانے کی ضرورت نہیں وہ انشاء اللہ آٹھ دس دنوں تک واپس آجائیں گے۔“

”اچھا مجھے تمام واقعات بتاؤ۔ سعد کو کوئی خطرہ تو نہیں؟“

”نہیں بچھا! آپ فکر نہ کریں۔ یہ کہہ کر حسن قرطبہ سے لڑکے روانگی کے بعد کے تمام واقعات

مختصر بیان کر دیے۔ مکان کے ایک کمرے میں سعد کی والدہ میمونہ کی زبلیں سے یہی واقعات سن رہی تھی

سعد کی ماں کے ساتھ پہلی ملاقات میں ہی میمونہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ اس گھر میں اجنبی نہیں

شام کے وقت سعد کی خالہ آئی اور میمونہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اگلے دن وہ پھر

آئی اور سارا دن میمونہ کے پاس بیٹھی رہی اس کے بعد اس کا معمول تھا کہ وہ دن میں کم از کم

ایک بار میمونہ کو دیکھنے کے لیے ضرور آتی تھی۔ ایک دن وہ میمونہ کے لیے نئے کپڑوں کے چار

جوڑے لے آئی۔

میمونہ نے کہا: ”خالہ جان آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔ میرے پاس پہلے ہی کئی فالتو

جوڑے ہیں۔ کل امی جان نے بھی دو جوڑے منگوادیے تھے۔“

”بیٹی! یہ حسن کے خالو نے بھیجے ہیں۔ وہ تمہیں اپنی بیٹی بنا چکے ہیں۔ ان کی یہ خواہش

تھی کہ تم ہمارے گھر آ کر رہو؟“

”لیکن یہ بھی تو آپ ہی کا گھر ہے۔ یہ کہتے ہوئے میمونہ نے ایک لاجوردی رنگ کا ریشمی

جوڑا نکالا اور کچھ دیبے حس و حرکت بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی حسن کی خالہ نے کہا: ”بیٹی!

یہ رنگ میں نے پسند کیا تھا۔“

میمونہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا: ”میری اماں کو یہ رنگ بہت پسند

تھا۔ وہ ہمیشہ مجھے ہی رنگ پہننے پر مجبور کیا کرتی تھیں۔“

ایک نئی مہم

سعد کی ماں ظہر کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگ رہی تھی کہ اُسے صحن میں کسی کے ہاتھ

کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے دُعا ختم کر کے دروازے کی طرف دیکھا تو سامنے حسن کھڑا تھا

ان کا مہربانیاں ہوا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔ وہ اٹھی، حسن نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

”سعد کہاں ہے؟“ ماں نے پوچھا۔

”اُمی جان وہ ہمیں نوشہ پہنچا کر قسطہ پلے گئے ہیں۔ چند دنوں تک آجائیں گے۔ ادیس کی

ہمیشہ میرے ساتھ آتی ہیں۔ وہ صحن میں کھڑی ہیں۔“

”کون میمونہ؟“ حسن کی ماں یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔ صحن میں میمونہ اور اس کی خادمہ کھڑی

تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر میمونہ کو گلے لگایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔

حسن نے اصطبل میں گھوڑے بند حوائے اور نوکر دیں کو ڈیوڑھی کے ساتھ دالے کمرے

میں بٹھا دیا۔ اتنی دیر میں اعداد و الماس جو پاس ہی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئے ہوتے تھے

آگئے۔ الماس نے حسن کو دیکھتے ہی بلند آواز میں کہا: ”حسن! خدا کی قسم اگر آج تم لوگ نہ آتے تو

دنیا کی کوئی طاقت مجھے اشدیلہ جانے سے نہ روک سکتی۔ احمد سے پوچھو۔ میں نے آج صبح قسم کھا

تھی کہ اگر سورج غروب ہونے سے قبل تمہاری کوئی اطلاع نہ ملی تو میں روانہ ہو جاؤں گا۔“

حسن نے کہا: ”چچا یہ بھاتی جان کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی۔“

”اچھا بھی شکر ہے تم آگئے۔ سعد کہاں ہے؟“

”وہ ادیس کو لانے کے لیے قسطہ پلے گئے ہیں۔“

پہن سکتی لیکن اچانک اس کا چہرہ پر شرمہ ہو جاتا۔

ایک شام وہ صحن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک حسن اندر داخل ہوا اور اس نے کہا: "آپا جان! بھائی! اور میں آگئے!"

"کہاں ہیں وہ؟" اس نے اپنے آپ پر تالپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

حسن نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا: "آئیے بھائی جان!"

اور یہ اندر داخل ہوا۔ میمونہ اٹھ کر آگے بڑھی اور بے اختیار اپنے بھائی سے لپٹ گئی۔

اور میں نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "تم رومہ ہی ہو میمونہ! پہلی کہیں کی!"

میمونہ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر سر سے پاؤں تک اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور کہا: "بھائی جان آپ خوشی کے آنسو بھی نہیں پہچان سکتے؟"

حسن کی خالہ نے ایک کمرے سے نکل کر کہا: "حسن! سعد کہاں ہے؟"

حسن نے جواب دیا: "خالہ جان وہ نہیں آتے۔"

میمونہ اب خوشی کے آنسو بہانے کی بجائے پھرتی ہوئی آنکھوں سے اپنے بھائی کی طرف

دیکھ رہی تھی۔ اس کا گلابی چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

خالہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا: "کیا کہا سعد نہیں آیا؟"

اور میں نے کہا: "جی وہ بیغہ ٹھہر گیا ہے۔ وہاں ایک اجلاس ہو رہا ہے۔ وہ تین دن تک باہر"

زندگی کی تمام دشمنیاں اور دشمنیاں پھر ایک بار میمونہ کے چہرے پر مگر نہ ہو رہی تھیں۔

میرے بھائی ہیں؟" اس نے بوڑھی خالہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بیٹی تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بھائی کو بھی نہیں پہچان سکتی۔ چلو بیٹا اندر بیٹھو!"

اور میں نے کہا: "اب نماز کا وقت ہونے والا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"اچھا مجھے پہلے یہ بتاتے جاؤ کہ سعد بخیریت ہے نا؟"

"جی ہاں وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

حسن کی خالہ نے کہا: "بیٹی! مجھے بھی اپنی ماں سمجھو!"

رات کے وقت میمونہ اپنے بستر پر لیٹی حسن کی ماں کے ساتھ باتیں کر رہی تھی جس

کی ماں نے کہا: "میمونہ! میری آپا جان کے کوئی اولاد نہیں۔ وہ مصر میں تھم ان کے ہاں رہے۔"

میمونہ نے کہا: "اتنی جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کی خدمت کرنا پسند کرتی ہوں۔"

باعث سعادت سمجھوں گی۔"

"اگر تم ان کی دلجوئی کر سکو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

اگلی صبح میمونہ حسن کی والدہ اور اپنی خالہ کے ساتھ اس کی خالہ کے گھر میں داخل ہوئی۔

تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تھوڑی دیر میں وہ اُس پاس کے گھروں کی خواتین کو بلا کر

کر یہ کہہ رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمر بھر کی دعاؤں کے بدلے ایک جوان بیٹی عطا کی ہے۔

اس کے بعد میمونہ رات کے وقت حسن کی خالہ کے گھر پہنچی اور دن کے وقت کبھی کبھی

حسن کی ماں کے پاس چلی جاتی۔ اور میں نے دو نوکر دوں نے تین دن سعد کے گھر قیام کرنے

کے بعد اپنے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ احمد نے انہیں ایک ایک گھوڑا اور میمونہ نے اپنی

ذاتی پونجی میں سے پچاس پچاس دینار دے کر رخصت کیا۔ بوڑھے نوکر کو میمونہ کی سفارش

پر حسن کے خالہ نے اپنے پاس رکھ لیا۔

(۲)

شیخ ابوصالح اور اس کی بیوی ہر ممکن طریقے سے میمونہ کی دلجوئی کیا کرتے تھے۔

حسن! احمد اور ان کی والدہ بھی اس کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے لیکن اس

کے باوجود میمونہ کبھی کبھی بے حد پریشان نظر آیا کرتی تھی۔ سعد اور اپنے بھائی کے متعلق اس

کے دل میں طوط طرح کے خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ یہ جاننے کے باوجود کہ قسط بھرتی

ہے اور وہاں سے وہ جلدی واپس نہیں آسکتے، میمونہ صبح شام ان کا انتظار کیا کرتی تھی

وہ صبح صبح ہر نئی شام اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔... وہ کبھی کبھی بات

میمونہ نے کہا: ”وہ آپ کو قسطہ میں لے تھے؟“

اندیس نے جواب دیا: ”نہیں، وہ مجھے واپسی پر راستے میں مل گئے تھے۔“

میمونہ نے کہا: ”ٹھہرے بھائی جان! مجھے اپنی سرگزشت سنا کر جائے؟“

اندیس نے کہا: ”میں قسطہ سے واپس آ رہا تھا۔ شبیلہ کی سرحد کی بیرونی چوکی پر بھی پولیس کے ناظم علی کا حکم ملا کہ میں گھر جانے کی بجائے سیدھا قرطبہ کا رخ کروں۔ میں نے لڑا کیا کہ میں پہلے گھر جاؤں گا چنانچہ چوکی کے داروغہ نے مجھے حکم عدولی کے جرم میں گرفتار کر لیا اور چار سپاہیوں کے پرے میں قرطبہ کی طرف روانہ کر دیا، ہم وہاں سے کوئی دو کوس گئے ہوں گے کہ چیچے سے ایک سواری سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا ہم سے آ ملا۔ اس نے سپاہیوں سے قتل کا دستہ پوچھنے کے بہانے سے گھوڑا روکا اور پھر اپنے خود کا نقاب سر کا کہ میری طرف دیکھ کر کے بعد گھوڑے کو ایڑ لگا دی یہ سعد تھا۔“

”پھر کیا ہوا؟“ بوڑھی خالہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

”پھر تھوڑی دود آگے جا کر اس نے مجھے قید سے بچڑایا۔ ہم چند درختوں کے قریب گز رہے تھے کہ چانگ ایک درخت کی آڑ سے یکے بعد دیگرے چند تیر آتے دو سپاہی زخمی ہو گئے اور دو بھاگ گئے۔“

بوڑھی خالہ نے کہا: ”بیٹا اتنی جلدی نہ کرو تم نماز پڑھ کر آؤ۔ میں سارا واقعہ سنوں گی۔“

(۳)

بیٹے میں قاضی ابوالولید کے مکان کے ساتھ ایک کھلے میدان میں قوم کے اکابر کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اس اجلاس میں دو سو ایسے بااثر علماء شریک تھے، جو قاضی ابوالولید کی دعوت پر اندلس کے مختلف مقامات سے اس جگہ جمع ہوئے تھے۔ زیادہ تعداد ان حویلیوں کی تھی جنہیں حالات نے کچھ عرصے سے قوم کے مستقبل کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ غرناطہ کا مشہور عالم قاضی ابو جعفر اس جلسے کا صدر تھا اور قاضی ابوالولید اس کی تجویز پر بحث ہو رہی

تھی کہ عیناً کا ایک وفد اندلس کے تمام حکمرانوں کے پاس جائے اور اس سے مطالبہ کرے کہ وہ نصرانی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد اور منظم ہو جائیں۔ پہلے دن جن مقربین نے اس بحث میں حصہ لیا ان میں سے اکثر اس تجویز کے حامی تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو اس ہم کی کامیابی کے متعلق پر امید نہ تھے۔ تاہم انھوں نے بھی اس چیز کی مخالفت نہ کی۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمیں ملوک الطوائف سے کوئی توقع نہیں، پھر بھی ہمیں کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

سعد پہلے دن ایک خاموش تماشائی کی حیثیت میں اس جلسے کی کاروائی سن رہا تھا۔ آدھی رات کے بعد جلسے کی کاروائی اگلے دن پر منتوی ہوئی۔

سعد نے باقی رات ایک سہرائے میں قیام کیا۔ علی الصباح جب وہ نماز کے لیے مسجد میں گیا تو قاضی ابو جعفر وہاں موجود تھے۔ انھوں نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا: ”سعد تم یہاں کب آئے؟“

”میں پرسوں پہنچا تھا۔“

غرناطہ میں مجھے اچھا لگا تھا، اس نے مجھے تمہاری سرگزشت سنائی تھی۔ اب تمہارا رقم کیسا ہے؟“

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”اس اجتماع کی کاروائی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

”میں حیران ہوں کہ ابھی تک ہمارے بزرگ ہوائی قلعے تعمیر کر رہے ہیں۔ میں اس تجویز کے متعلق صرف آپ کے خیالات سننے کے لیے ٹھہر گیا ہوں۔“

”تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟“

”میں آپ سے صحیح رہنمائی کی توقع رکھتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ ابن عمار اور معتمد نے جو سبق ہمیں دیا ہے اس کی روشنی میں آپ ان لوگوں کو صحیح راستہ بتا سکیں گے۔“

قاضی ابو جعفر نے قدرے توقف کے بعد کہا: ”میری ذاتی رائے کچھ بھی ہو، مجھے صندری کی حیثیت میں اس مجلس کے متفقہ فیصلے کا احترام کرنا پڑے گا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ اس

جلس میں تم جیسا نوجوان جس خاموش بیٹھا رہا؟

سعد نے کہا مجھے ڈر تھا کہ اتنی برگزیدہ شخصیتوں کی موجودگی میں کوئی میری رائے نہ سن سکے۔
کیلے تیل نہ ہوگا۔

”آج قوم کو ان بڑھوں اور بابائوں کی بجائے ان سر پھرے جوانوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے جن کی دلوں میں زندگی کا خون ہے۔ میں آج کے اجتماع میں تمہیں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی دعوت دوں گا چلو!“

سعد قاضی ابوجعفر کے ساتھ باتیں کرتا ہوا جلسہ گاہ میں پہنچا۔ لوگ وہاں جمع ہو رہے تھے۔ تقوٰی دیر بعد دوسری مجلس کی کاروائی شروع ہوئی۔ اب وہ علماء و محققین نے اپنی ایک اس بحث میں حصہ نہیں لیا تھا، باری باری اس تجویز کی تائید کر رہے تھے۔

جب تمام علماء اپنی اپنی رائے کا اظہار کر چکے تھے تو قاضی ابوجعفر نے سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ”سعد! تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟“

سعد اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے جھکتے ہوئے اپنی تقریر شروع کی: ”میں گاہی ملت ایہ اندلس کی بد قسمتی ہے کہ آپ حضرات کو جو کام کئی برس پہلے شروع کرنا چاہیے تھا، وہ آپ آج کر رہے ہیں۔ ہماری اجتماعی بے بسی کے باعث نہ صرف وہ لوگ مسلط ہو چکے ہیں جن کے ساتھ کوئی نیک توقع وابستہ کرنا پڑے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہوگا۔ آپ یہ چاہتے ہیں، کہ اندلس کو ضرورتوں کی چیرا دستیوں سے نجات دلانے کے لیے ملوک الطوائف کو متحد اور منظم کیا جائے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ صلیب کے علمبرداروں کے مقابلے میں اسلام کا جھنڈا بلند کریں لیکن آپ کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنہیں اسلام کے ناموس اور قوم کی آزادی سے کہیں زیادہ الفانسو کی دوستی عزیز ہے جو

Scanned by iqbalmt

حکمران اپنی رعایا کا خون چوس کر الفانسو کو خراج میا کرتے ہیں۔ آپ ان سے کیا توقع کر سکتے ہیں؟ ان سے کسی بھلائی کی امید رکھنا ماضی کا منہ چڑانے اور حال سے آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہوگا۔

میرے بزرگو! میں آپ کے خلوص پر شہ پر کرنا گناہ سمجھتا ہوں لیکن اگر آپ ملحدی کے گھوڑوں پر سوار ہو کر کوئی بازی جیتنا چاہتے ہیں تو یہ ایک نئے دفنی ہوگی۔ یہ لوگ مر چکے ہیں ان کی لاشیں متھن ہو چکی ہیں اور اب کوئی مجھ رہی انہیں قبروں سے نکال کر اسلام کے غازیوں کی صف میں کھڑا کر سکتا ہے یہ خدا اور رسولؐ کے باغی ہیں۔ اگر ان میں کوئی انسانیت حتیٰ تو وہ خوشامد شاموس نقابوں اور مسخروں کی ہم نشینی کے باعث رخصت ہو چکی ہے۔

حضرات! مجھے اس معم میں آپ کی کامیابی کی امید نہیں۔ اگر مجلس آتا کہنے، آدراہ حور توں سے بے غیرتی کے مظاہرے کر دینے، دسترخوان بچانے اور شاہانہ تکلفات کی نمائش کرنے سے ہم اپنے دشمن کو مر جواب کر سکتے تو یہ لوگ ہمارے کام آسکتے تھے۔ اگر جنگ کے میدان میں سپاہیوں کی گواہوں کی بجائے شاعروں کے قصائد کام آسکتے تو صرف متحدہ کے دباری شاموس ساری دنیا کے شعراء کا ناٹھ بند کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ سب کو معلوم ہے، ان میں سے کوئی چیز قوم کی قسمت نہیں بنا سکتی، اس لیے ان لوگوں کے پیچھے بھاگنے سے ہمیں مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ لوگ جو قوم کے آنسوؤں سے اپنے قہقروں کا سامان جمیا کرنے کے عادی ہو چکے ہیں جنگ کی کلفتوں اور مصیبتوں میں قوم کا ساتھ نہیں دیں گے!“

ایک شخص نے اٹھ کر سوال کیا: ”تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم ملوک الطوائف سے قطعی مایوس ہو کر یہ سمجھ لیں کہ اندلس میں مسلمانوں کی آزادی کے دن گئے جا چکے ہیں اور

دے لیے ترک وطن کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔

سعد کا چہرہ غصے سے تتکا اٹھا، اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا:

”نہیں، میرے متعلق آپ کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ میں اندرس کی خاک کے لیکل یک قدم کے لیے اپنا خون بہاؤں گا۔ میں صرف آپ حضرات کو غلط امیدوں کے چکر سے لٹکانا چاہتا ہوں۔ میں اس تجویز کا مخالف ہوں کہ میرا جنگ میں بھی حوام کی قیادت ملوک الطوائف کو سونپ دی جائے۔ اگر ہم اسلام کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم حوام کو ان جاہ پسندوں کے تخت و تاج کی حفاظت کی بجائے اسلام کی حفاظت کے لیے بیدار کریں۔ اندرس کی حفاظت کا مسئلہ آج ان لوگوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے جو مسلمان رہ کر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان امراء کے مرمریں الیانون کی بجائے حوام کے چھوٹے بڑوں کی طرف توجہ دینا چاہیے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آج ہی یہ کام شروع کر دیں۔ ہمارے راستے میں بہت سی مشکلات ہوں گی۔ برسرِ اقتدار طبقہ اسلام کے نام پر حوام کی بیداری کو اپنے ایک خطرہ سمجھے گا۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم نیک نیتی اور صبر و استقلال کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کے احکام پر چلیں تو ہم ہر خطر کے مقابلے میں ایک ناقابلِ تسخیر جہان ثابت ہو سکتے ہیں۔ بزرگانِ دین! آج یہ حالت ہے کہ دشمن کیل کانٹے سے لیس ہو کر ہمیں میدان میں لاکھڑا ہے اور آپ مردہ گھوڑوں پر زینیں ڈالنے کی فکر میں ہیں۔ میں آپ کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کرتا۔ لیکن جب آپ ملوک الطوائف کو قریب سے دیکھیں گے تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ ہماری سہل انگاری نے روئے زمین کی تمام دولتیں کو خیر گھڑیوں میں باندھ کر قوم کی پیٹھ پر لا دیا ہے۔ آئیے قوم کو جہد و عمل

Scanned by iqbalmt

کا راستہ دکھانے سے پہلے اسے اس ذلیل بوجھ سے آزاد کرادیں:

(۲)

سعد کی تقریر کے بعد بحث کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ بعض مقررین نے انتہائی شدت کے ساتھ سعد کے خیالات کی حمایت کی لیکن علماء کی اکثریت اپنی رائے پر قائم رہی چند مقررین کا بوش و خروش دیکھ کر قاضی ابوالولید نے ابوجعفر سے اپیل کی، کہ اگر آپ ہمیں موقع دیں تو ہم چھ ماہ کے اندر آپ کو اپنی کارگزاری کے نتائج سے آگاہ کر سکیں گے۔

قاضی ابوجعفر نے اپیل کا جواب دیتے ہوئے کہا: ”حضرات! میری رائے آپ سب کو معلوم ہے۔ سعد بن عبدالنعم بہت حد تک میرے خیالات کی ترجمانی کر چکا ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ کے اس ارادے کی مخالفت نہیں کروں گا کہ ملوک الطوائف کو صبح کا آخری موقع دیا جائے۔ ان لوگوں سے اس تمام نفرت اور حقارت کے باوجود جس کا اظہار میری قلم اور زبان سے کئی بار ہو چکا ہے۔ میں یہ دُعا کرتا ہوں کہ خدا اور اس کے رسول کے یہ باغی راہِ راست پر آجائیں اور وہ ملت فروش کملانے کی بجائے اسلام کے غازی بن جائیں۔ علماء کے وفد کی قیادت کے لیے قاضی ابوالولید نہایت موزوں ہوں گے اور یہ چلے ہو گا کہ وہ خود ہی ارکانِ وفد منتخب کریں..... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ وہ حضرات جو میری طرح اس مہم کے متعلق بہت زیادہ پرامید نہیں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں۔ ہمیں اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے قوم کو تیار کرنا چاہیے جو اس مہم کی ناکامی کے باعث پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر ملوک الطوائف اپنی اصلاح پر آمادہ نہ ہوں تو ہمیں ان کے ساتھ ٹکر لینی پڑے گی۔ بیک وقت اندرونی اور بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں بہت بڑی قوت کی ضرورت ہوگی اور ایسی قوت کے فراہم کرنے کے لیے ہمیں ابھی سے کام شروع کر دینا چاہیے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیجیے کہ آج تک ہم نے جو کام کیا ہے وہ بہت حد تک مناشی تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری عزت اور آزادی کے اندرونی اور بیرونی دشمن بہت زیادہ چوکنے ہو گئے ہیں۔ اس مجلس میں

کئی نوجوان موجود ہیں۔ میں ان نوجوانوں کو یہ مشورہ دوں گا کہ تم قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے دن رات ایک کر دو۔ وقت کا نصیب زندگی کی روزگاریں کھڑا نہیں پکا رہا ہے اپنی کمائیں درست کر لو۔ اپنے ترکش تیزوں سے بھرو۔ پھر شاید ہم میں سے کوئی تمہیں یہ بتا سکے کہ تمہارا بدن کیا ہے۔ قاضی ابوالولید نے اٹھ کر دفتر کے سات ارکان کے ناموں کا اعلان کیا اور یہ مجلس برخاست ہوئی۔

چند آدمی جلسہ برخاست ہوتے ہی سعد کے گرد جمع ہو گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے تو بعض نے اُسے اپنے پاس ٹھہرانے پر امر کیا لیکن سعد نے کہا میں آج ہی یہاں سے روانہ ہونا چاہتا ہوں۔ کئی آدمی ابوجعفر کے گرد جمع ہو گئے لیکن وہ انہیں ادھر ادھر ہٹاتا ہوا سعد کے قریب پہنچا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا "سعد! تم گھر جانے سے پہلے مجھ سے ضرور ملو۔ میں تم سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ ظہر کی نماز کے بعد میرے پاس آ جاؤ۔"

قاضی ابوجعفر ابوالولید کے ہاں حمان تھے۔ سعد نماز کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے کرسی سے اٹھ کر سعد کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے اپنے قریب ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا "مجھے اندیشہ ہے کہ چند ماہ کے بعد یہ علماء پھر کرسی جگہ جمع ہوں گے تو انہیں یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ ہم نے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ اپنی نیک دعاؤں کے باوجود مجھے اس محکم کا مہیا بنی کی امید نہیں۔ لوگ الطوائف اسلام سے بہت ددر جا چکے ہیں۔ ان سے کوئی نیک توقع کرنا باعث ہے۔ ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم عوام کو بیدار کریں۔ ہر شہر اور بستی میں گناہ کار کونوں کی جماعتیں تیار کی جائیں، جن کا نصیب العین جہنم کو اسلام کے نام پر بیدار کرنا ہو۔ لیکن تم جانتے ہو کہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوگا۔ لوگ الطوائف اندلس میں اسلام کے احیاء کی تحریک کو اپنے ذاتی اقتدار کے لیے خطرناک سمجھ کر فوراً ہمارے خلاف متحد ہو جائیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ جو ہاتھ اسلام کا جھنڈا بلند کریں

گئے۔ وہ کسی دن ان قلت فردشوں کی قبائیں نوچنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ پھر بھی اگر ہم چند سال صبر اور سکون کے ساتھ کام کر سکیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں کامیابی نہ ہو لیکن شمال سے عیسائیوں کا سیلاب جس تندہی اور تیزی سے آرہا ہے، وہ شاید ہمیں زیادہ دیر کام کرنے کی مہلت نہ دے۔ ان حالات میں افریقہ کے مسلمان ہماری آخری امید ہوں گے۔ اس وقت جب کہ قریباً تمام عالم اسلام پر ایک موجود طاری ہو رہا ہے، افریقہ میں ایک نئی طاقت ظہور میں آرہی ہے۔ میں مرابطین کے امیر یوسف بن تاشفین کے متعلق بہت کچھ سُن چکا ہوں۔ اس نے الجزائر سے لے کر طنجہ تک تمام بربری قبائل کو متحد کرنے کی ہم شروع کر رکھی ہے۔ اس کی نیکی اور پاکبازی کے باعث افریقہ کے طول و عرض میں صالحین کے گروہ اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ اب تک وہ سینکڑوں سرکش اور باغی قبائل کے سرداروں سے اپنا لوہا منوا چکا ہے۔ ہزاروں غیر مسلم اس کی سیرت اور کردار سے متاثر ہو کر کلمہ توحید پڑھنے لگے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اولوالعزم مجاہدائے چن کر اس دور کا اصل عظیم ثابت ہو۔ دو سال قبل جب میں حج پر گیا تھا تو افریقہ کے کئی فقہاء اور شیوخ سے میری ملاقات ہوئی تھی، وہ اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ حج سے واپس آکر میں نے تین علماء کو اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ یوسف بن تاشفین سبتہ سے سینکڑوں میل جنوب کی طرف سرکش قبائل کی بغاوت فرو کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ یہ لوگ سبتہ میں بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ چند ہفتوں کے بعد ایک کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ واپس آگیا۔ باقی دو انتظار سے تنگ آکر صحرا میں اس کی قیام گاہ تک پہنچے لیکن گرمی کی شدت کے باعث ایک کو اندس کی یا زنی ستایا اور وہ بھی واپس چلا آیا۔ تیسرے نے ذرا ہمت سے کام لیا۔ امیر یوسف نے اس کی آؤ بھگت کی اور اس سے درخواست کی کہ تم یہاں رہ کر اسلام کی تبلیغ کرو۔ وہ تین مہینے امیر یوسف کے ساتھ رہا لیکن اس کے بعد وہ بھی یہ کہہ کر واپس چلا آیا کہ یہاں کسی ایسے انسان کی ضرورت ہے۔ جو بربروں کی زبان سمجھ سکتا ہو جو حقیقت نہ

تھی کہ یہ لوگ تن آسان تھے۔ وہاں صرف ایسے لوگ کام کر سکتے ہیں جو پہلے دوجہ سے جاس ہوں۔ اگر میری عمر اور صحت میرے ارادے میں حائل نہ ہو تو میں خود عزرائیل کی بجائے ان لوگوں کے ساتھ صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے کو ترجیح دوں۔“

سعد نے کہا: میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں جو کام آپ میرے سپرد کریں گے اُسے پورا کیے بغیر واپس نہیں آؤں گا۔ میں اہل بربری زبان بھی جانتا ہوں ابو جعفر نے چونک کر کہا: ”تم بربری زبان جانتے ہو! مجھے اس بات کا علم نہ تھا تو میں پچھلے سال ہی یہ ہم تمہارے سپرد کر دیتا.... اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہیں قلات میرے پاس لے آئی ہے۔ تم فوراً سر اٹکس جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہاں تمہارا پہلا کام یہ ہو گا کہ تم یوسف بن تاشفین تک رسائی حاصل کرو۔ بربری فوج کے تمام شیوخ اور فقہاء رابطہ پیدا کرو اور پھر جب یہ دیکھو کہ تمہاری آواز کوئی اثر رکھتی ہے تو انھیں اس خطرہ عظیم سے آگاہ کرو جو عالم اسلام کے خلاف الفاسوقی شخصیت میں نمودار ہو رہا ہے۔ یوسف بن تاشفین کی تلوار اگر اسلام کے لیے بے نیام ہوئی تو یمنکین نہیں کہ وہ اندلس کے مسلمانوں کی تباہی ایک خاموش تماشائی کی حیثیت میں دیکھ سکے۔ اندلس کے خواص اور عوام بربریوں کو جاہل اور

خونخوار سمجھتے ہیں اور موجودہ مصائب کے باوجود وہ شاید اندلس کے معاملات میں اہل بربری کی مداخلت کو اور انہیں کریں۔ لیکن جب المانسون کی افواج اسیلیہ اور قریطہ تک پہنچ جائیں گی تو اندلس کا ہر مسلمان ان لوگوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے گا۔ شاید لوگ اللوات بھی اُسے اپنا آخری سہارا سمجھیں۔ سعد! میں جانتا ہوں کہ یہ ہم بہت کٹھن ہے۔ اندلس میں بہت کم نوجوان ایسے ہوں گے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں اپنا پسند کریں گے لیکن یاد رکھو قوم کی عزت اور آزادی کی تاسخ نگشام مجاہدوں کے خون اور پسینے سے لکھی جاتی ہے۔ افریقہ پہنچ کر اگر تمہیں کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آئے تو واپس چل آؤ۔ لیکن اگر تم یہ دیکھو کہ تم وہاں چند عیسائی یا چند برسر رہ کر یوسف بن تاشفین کو مسلمانان

اندلس کی مدد کے لیے آمادہ کر سکتے ہو تو تم وہیں رہو۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم کسی دن اندلس کے نجات دہندہ بن کر آؤ گے۔ اگر یوسف بن تاشفین کے متعلق میری توقعات صحیح نہ بھی ہوں تو میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ زندگی کی جو آگ اندلس میں سرد ہو چکی ہے، افریقہ میں ابھی تک سرد نہیں ہوئی۔ وہاں تمہیں کوئی نہ کوئی مرد مجاہد ضرور مل جائے گا۔“

قاضی ابو جعفر کی گفت گو کے دوران سعد کا دل اور دماغ کہیں اور تھا۔ وہ افریقہ کے صحراؤں جنگلوں اور پہاڑوں میں گھوم رہا تھا۔ افریقہ کے محلِ فطیم کی مختلف تصویریں اس کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ (۵)

ادریس کو شیخ ابو صالح نے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لیا تھا اور وہ دن کے وقت عام طور پر باہر رہا کرتا تھا۔ شیخ ابو صالح کا مکان سعد کے مکان سے کوئی تین سو گز دور تھا۔ میمون ہر روز کبھی شیخ کی بیوی اور کبھی اپنی خادمہ کے ساتھ سعد کی ماں کے پاس چلی جاتی اور جب کبھی اُسے دیں ہوتی سعد کی ماں خود اس کے پاس آ جاتی۔

ایک دن صبح کی نماز کے بعد میمون نے اپنی خادمہ کے ساتھ ادریس کے گھر جانے کی نیت سے باہر نکلی تو دروازے سے چند قدم دور اُسے سعد دکھائی دیا۔ وہ ایک ٹانہ کے لیے رُکی اور پھر تیزی سے قدم اٹھا کر ہوئی واپس لوٹ آئی اور بیرونی دروازے کے ایک نیم دائرہ کی آڑ میں کھڑی ہو کر باہر جھانکنے لگی۔ سعد خادمہ کے قریب آ کر کرا۔ وہ پوچھ رہا تھا: ”میمونہ کیسی ہے؟“ خالد جان کیسی؟ میمونہ زیادہ دیر وہاں کھڑی بندہ سکی شیخ کی بیوی اچانک کمرے سے باہر نکلی اور اُس نے آواز دی: ”میمونہ بیٹی تم ابھی تک نہیں ہو؟“ اچھا ٹھہرو! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔“ میمونہ نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور اس کے چہرے پر حیا کی سُرخ چھا گئی۔ وہ بجاتی، سُرخاٹی اور سُکھٹی ہوئی آگے بڑھی۔ انتہائی کوشش کے بعد اس کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے: ”امی جان! وہ..... وہ آگے ہیں۔“

”حسن کے بھائی۔ یہ کہہ کر تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

سعد دروازے سے نمودار ہوا۔ بوڑھی خالہ کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔ سعد نے بڑھ کر سلام کیا اور خالہ نے اُسے دُعا دیتے ہوئے پوچھا: ”تم کب آئے بٹیا؟“

”خالہ جان میں رات کے پچھلے پہر یہاں پہنچا تھا۔“

وہ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میمونہ ساتھ والے کمرے کے دروازے کی آڑ میں کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ خالہ اچانک سعد پر برس پڑی: ”تم کیسے احمق ہو۔ اتنی دیر غیر حاضر رہے۔ دشمن کے خلاف جہاد کو خیر ایک فرض تھا لیکن تم پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ تم معتد اور رمیکہ کو دُعا سنانے کے لیے چلے گئے تھے؟“

”خالہ جان یہ بھی ایک فرض تھا۔“

”لیکن تم نے کب سے ساری دنیا کے فرائض اپنے ذمے لے لیے ہیں۔ کیا اشیلیہ میں یہ فرض ادا کرنے والا کوئی اور نہیں تھا؟“

سعد نے سُسکراتے ہوئے کہا: ”قدرت کو یہی منظور تھا کہ یہ سعادت میرے حصے آئے۔“ لیکن اس سے فائدہ کیا ہوا؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہاری تقریر سے خدا اور رسول کے باغیوں کی اصلاح ہو گئی ہے؟“

”نہیں، خدا اور رسول کے باغیوں کی اصلاح کرنا میرے پس کی بات نہیں لیکن میں نے ان باغیوں کو یہ احساس ضرور دلایا ہے کہ یوم حساب دُور نہیں۔ میں نے صرف ابتدائی ہے آپ دیکھیں گی کہ اشیلیہ میں ہزاروں زبانیں ان لوگوں کے خلاف کھل جائیں گی جس نے آپ کو نہیں بتایا کہ احمد کی چھوٹی سی نظم اشیلیہ کے ہر درو دیوار کے ساتھ چسپاں ہے! یہاں تک کہ معتد کے محل کی دیواروں پر بھی ایسے اشتہار لگا دیے جاتے ہیں۔“

خالہ نے قدرے لاجواب ہو کر کہا: ”تم سب اپنے باپ کی طرح ہو۔“

”خالہ جان مجھے ان برقعہ پر اور وہ دن دور نہیں جب سارا اندلس ان پر فخر کرے گا۔“

خالہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے گفت گو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا: ”بٹیا! اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

”خالہ جان میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ اب میں بہت دور جا رہا ہوں۔“

”کہاں؟“ خالہ نے بدحواس ہو کر سوال کیا۔

”میں افریقہ جا رہا ہوں۔“

”نہیں۔ نہیں!!“

”سچ کہتا ہوں خالہ جان! میں کل علی الصباح روانہ ہو جاؤں گا۔ اب مجھے بہت سے کام ہیں۔ میں شام کو پھر آؤں گا۔“ یہ کہتے ہوئے سعد اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

خالہ نے کہا: ”تم سچ افریقہ جا رہے ہو؟“

”ہاں۔“

”اپنی ماں سے اجازت لے چکے ہو؟“

”ہاں! انھوں نے خوشی سے مجھے اجازت دی ہے۔“

”لیکن وہاں کیا کام ہے تمہارا؟“

”میں یہ معلوم کرنے جا رہا ہوں کہ اگر الفانسو نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تو ان کے سے ہمیں کیا مدد مل سکتی ہے۔ اب اجازت دیجیے۔“

خالہ نے قدرے تذبذب کے بعد کہا: ”سعد تم نے میمونہ کا حال نہیں پوچھا؟“

سعد نے آنکھیں جھکاتے ہوئے کہا: ”گھر پہنچ کر اُمّی جان سے میرا پہلا سوال انہی کے متعلق تھا۔ آپ انھیں میرا سلام کہہ دیجیے۔“

سعد باہر نکلا تو اس کی خالہ میمونہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ میمونہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ وہ خوبصورت آنکھیں جو ایک لمحہ پیشہ مستوں کا گموارہ تھیں اب آنسوؤں سے

دھری تھیں۔

ناظم نے کہا: "ایسے آدمی کو گرفتار کرنے کے لیے آپ کو سیری اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ ہوتا کہ آپ اُسے غرناطہ پہنچتے ہی گرفتار کر لیتے۔"

"وہ ہمارے جاسوس ہے پہلے یہاں پہنچ گیا تھا اور آپ کے ساتھ مشورہ کرنا میں اس لیے بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس نوجوان کو قاضی ابو جعفر جیسے بااثر لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔ وہ سیدہ امیر عبداللہ کے پاس جائیں گے اور امیر ان سے اس قدر خائف ہے کہ وہ فوراً اس کی زبانی کا حکم صادر کر دے گا اور مجھے جنت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

ناظم نے کہا: "قاضی ابو جعفر کے ساتھ امیر عبداللہ کے تعلقات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ خصوصاً جب سے انھیں اس بات کا علم ہوا ہے کہ رضا کاروں کا دستہ قاضی ابو جعفر کی طرف منظم کیا تھا وہ اسے اپنا بدترین دشمن خیال کرتے ہیں۔ اگر امیر کی والدہ قاضی ابو جعفر کی طرف سے یہ کرتیں تو وہ اب تک قید خانے کی کسی تاریک کھڑی میں ہوتا۔"

کو تو ان نے کہا: "پھر بھی یہ مناسب ہو گا کہ آپ سلطان سے مل لیں۔ جملہ جہت کہ سعد کی گرفتاری کے بعد شہر کے نوجوان کوئی ہنگامہ نہ پائیں اور ہمیں زیادہ وسیع اختیارات کی ضرورت ہو۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ جب امیر عبداللہ پریشان ہوتے ہیں تو قیدیوں کو رہا کر دیا جاتا ہے اور کو تو ان کو قید خانے میں بھیج دیا جاتا ہے۔"

"تم درست کہتے ہو۔ میں ابھی سلطان کے پاس جاتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تھوڑی دیر تک سلطان کا تحریری حکم تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔"

(۷)

عشار کی نماز کے بعد سعد احمد حسن اور ادیس کو ساتھ لے کر ایلاس کے گھر چلا گیا۔ وہاں ایک کشادہ کمرے میں کوئی پندرہ نوجوان اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سب اٹھ کر یکے بعد دیگرے اس کے ساتھ بغل گیر ہوئے۔ سعد نے ان کے سوالات کے جواب میں مختصر اپنی سرگزشت بیان کرنے اور بیگز میں علماء کے اجتماع کی رونمائی سنانے کے بعد یہ اعلان

"بیٹی! تم فکر نہ کرو۔ شام کو تمہارا خالو آئے گا وہ اسے سمجھالے گا۔"

"نہیں، نہیں۔" میمون نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: "آپ انھیں اپنا فرض پورا کرنے سے نہ روکیے؟"

(۸)

غرناطہ کا کو تو ان، شہر کے ناظم اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے آداب بجا لائے کے بعد کہا: "بیگم سے ہمارا جاسوس آگیا ہے اور وہ نہایت اہم خبریں لایا ہے۔"

ناظم نے اپنی میز کے سامنے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "تشریف لے کر کو تو ان بیٹھ گیا اور ناظم نے جلدی جلدی چند کاغذات دیکھنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "اچھا اب بتائیے وہ اہم خبریں کیا ہیں؟"

کو تو ان نے اس سوال کے جواب میں بیگم کے اجلاس کی روداد بیان کر دی اور اس کے بعد اپنی جیب سے چند کاغذ نکال کر ناظم کو پیش کرتے ہوئے کہا: "یہ سعد بن عبدالمنعم کی تقریر ہے۔ اسے پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ غرناطہ میں ایسے نوجوانوں کی سرگرمیاں کس قدر خطرناک ہیں۔"

ناظم نے کاغذات دیکھنے کے بعد سوال کیا: "یہ وہی نوجوان ہے جو پچھلے دنوں شہر والوں کی مدد کے لیے یہاں سے رضا کاروں کا دستہ لے کر گیا تھا؟"

"جی ہاں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ غرناطہ پہنچ چکا ہے اور میں آپ سے اُسے گرفتار کرنے کی اجازت لینا چاہتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ جب علماء کا وفد اندلس کا دورہ کرنے کے بعد واپس آئے گا تو اپنی ہم کی ناکامی کی صورت میں یہ لوگ اندلس کے تمام حکمرانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنائیں گے اور پھر ان کی قیادت اس قسم کے سرکش نوجوانوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ عوام یقیناً ان کا ساتھ دیں گے۔ سعد کی تقریر اندلس کے تمام حکمرانوں کے خلاف تھی لیکن ہم نے غرناطہ کو اس کی سرگرمیوں کا مرکز بننے دیا تو سب سے پہلے ہماری شہادت آئے گی۔"

الماس نے کہا: ”پہلے پولیس کا ایک داروغہ دو سپاہیوں کے ساتھ آیا اور اس نے مجھے کہا کہ سعد کو ناظم اعلیٰ نے بلایا ہے۔ جب میں نے یہ کہا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں تو وہ واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد پولیس کے آٹھ دس سپاہی لے کر آگیا۔“

سعد نے کہا: ”انھوں نے کسی کے ساتھ بدسلوکی تو نہیں کی؟“

”نہیں۔ لیکن مجھے دھمکیاں ضرور دی ہیں۔“

سعد نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ”وہ مجھے شہر میں ہر جگہ تلاش کریں گے۔ اب ہمیں فوراً ایک دوسرے سے جدا ہو جانا چاہیے۔“

الماس نے: ”آپ کہاں جاتیں گے؟“

”میں اسے نکلنے کے بعد میرا رخ سبتہ کی طرف ہوگا۔ میں اب گھر نہیں جاسکتا۔“

”بہت اچھا آپ میرا گھوڑا لے جائیے۔“

”مجھے تمہاری زدہ اور توار کی بھی ضرورت پڑے گی۔ میں اپنے ساتھ کچھ نہیں لایا۔“

الماس نے کہا: ”آپ دریا کے پل کے پار جا کر میرا انتظار کریں۔ میں آپ کے سفر کا تمام ضروری سامان لے کر پہنچ جاؤں گا۔“

سعد نے اپنے جھاتیوں کی طرف دیکھا اور کہا: ”تم اب گھر جاؤ! ممکن ہے کہ وہ میری بجائے تمہیں گرفتار کر لیں۔ کاش میں ادریس کو یہاں نہ لاتا۔“

ادریس نے کہا: ”جو سزا احمداور حسن کے لیے قابل برداشت ہوگی، وہ میرے لیے ناقابل برداشت نہیں ہوگی۔“

الماس نے کہا: ”آپ ان کی فکر نہ کریں۔ اول تو وہ ان پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے اور اگر انھوں نے انھیں گرفتار کر بھی لیا تو بھی جب انھیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ آپ غائب ہیں تو وہ انھیں چھوڑ دیں گے۔ ورنہ ہم میں اتنی طاقت ہے کہ ہم چند گینا بہوں کو ان کی قید سے نکال سکیں۔ اس وقت ہمارا اولین مقصد یہ ہے کہ آپ افریقہ پہنچ

کیا کہ میں علی الصباح افریقہ جا رہا ہوں۔۔۔۔۔ اس کے بعد کچھ دیر اندلس اور افریقہ کی تازہ صورت حال پر بحث ہوتی رہی۔ سعد اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ میں مراہطین کے امیر کے پاس بہت بلند توقعات لے کر جلا رہا ہوں ممکن ہے کہ وہ ہمارا نجات دہندہ ثابت ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ تمہارا فرض ہے کہ تم قوم کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز کر دو۔“

بعض جوانوں نے افریقہ کے سفر میں سعد کا ساتھ دینے کی خواہش کی لیکن اس نے کہا: ”جب تک مجھے افریقہ کے حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا میں کسی کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کروں گا۔“

آدھی رات کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی، سعد اپنے دوستوں کے ساتھ گھر گیا۔ آدھی رات کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی، سعد اپنے دوستوں کے ساتھ گھر گیا۔ آدھی رات کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی، سعد اپنے دوستوں کے ساتھ گھر گیا۔ آدھی رات کے قریب یہ مجلس برخاست ہوئی، سعد اپنے دوستوں کے ساتھ گھر گیا۔

سعد نے کہا: ”بلاؤ اسے؟“

تھوڑی دیر بعد الماس اندر داخل ہوا۔ سعد نے اسے بدحواس دیکھ کر سوال کیا: ”کیوں خیر ہے نا؟“

الماس نے کہا: ”پولیس آپ کو تلاش کر رہی ہے۔ وہ آپ کے اور آپ کے خالو کے گھر کی تلاش لے چکے ہیں۔ چند سپاہی ابھی تک وہاں پہرہ دے رہے ہیں۔ ہم میں سے کسی کو باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ میں بڑی مشکل سے کچھ اڑے کی دیوار پھانڈ کر باہر نکلا ہوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ یہاں ہیں۔ میں آپ کے کئی دوستوں کے گھروں سے آپ نے متعلق پوچھتا ہوں یہاں پہنچا ہوں۔“

تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ بالاخر سعد نے کہا: ”معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بیغیر میں میری تقریر کی اطلاع مل گئی ہے۔“

زورہ اور کپڑوں کے دو جوڑے حرجی میں ڈال دیے ہیں۔ کپڑے کی ایک تھیلی میں اڑھائی سو دینار ہیں۔ ایک ہفتہ تک میں کسی کو سبتہ میں آپ کے پاس بھیجوں گا۔ اس کی زبانی پولیس کی کارروائی کی اطلاع مل جائے گی۔ آپ بھی ہمیں اپنی کارگزاریوں سے مطلع کرتے رہیں۔ اگر مزید پڑے کی ضرورت ہو تو بلا توقف مجھے اطلاع دیں۔“

سعد نے جواب دیا: ”میرے لیے یہ رقم بھی بہت زیادہ ہے۔“

”اچھا گھوڑے پر سوار ہو جاتے“

سعد گھوڑے پر سوار ہوا تو حسن گھوڑے کی باگ پکڑ کر آگے آگے چل دیا چند قدم دور
جا کر سعد نے گھوڑا روکا اور کہا ”جاؤ حسن! اسی جان کو تسلی دینا۔ اگر تم پر کوئی مصیبت آئے
تو یہ سمجھنا کہ ہر مومن کی زندگی ایک بلند مقصد کے لیے ہے۔“ حسن نے کہا ”بھائی جان! میں
اپنے گھر جانے سے پہلے خالہ کے گھر جانے کی کوشش کروں گا۔ آپ میمونہ کو کوئی پیغام نہیں
دینا چاہتے؟“

سعد نے اطمینان سے جواب دیا "میمونہ کو یہ کہنا کہ میں رات کے وقت یہاں سے اس امید پر رخصت ہو رہا ہوں کہ جب میں واپس آؤں گا تو اس کے لیے نئی صبح کا پیغام آؤں گا اور صرف میمونہ کے لیے ہی نہیں وہ صبح اندس کی لاکھوں بیٹیوں اور بیٹوں کے لیے صبح مسرت ہو گی۔ خدا حافظ! سعد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

جائیں۔ اب یہاں باتیں کرنے کا وقت نہیں۔ آپ پل کے پار پہنچ جائیں۔ وہاں کسی مخدوم پر
پر ہم اطمینان سے باتیں کر سکیں گے۔“

سعد دروازے کی طرف آیا۔ لیکن اچانک اُسے کوئی خیال آیا اور اس نے مڑ کر الماس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: چچا الماس! مجھے آپ کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔ میں آپ کے وطن جا رہا ہوں۔ اگر حالات سازگار ہوتے تو شاید آپ کو بھی بلا لوں۔ اب آپ کا حسن اور احمد سے پہلے گھر پہنچنا ضروری ہے۔ مکان کے اندر داخل ہونے کے لیے آپ اسی طرح بچھوڑے کی دیوار عبور کریں تاکہ پولیس کو شبہ نہ ہو۔“

کچھ دیر بعد سعد دیراکے پل کے پار سڑک سے ایک طرف کھڑا تھا اور اس کے سامنے
نہیں تین اور چار چار کی ٹوبیوں میں مختلف راستوں سے اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ ادیس
احمد اور حسن بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔

چاند کی روشنی میں ان سب کی نگاہیں سعد کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ سعد نے کہا: ہم نے اپنے لیے جو راستہ منتخب کیا ہے۔ اس میں ایسے کئی مراحل آئیں گے۔ ممکن ہے کہ ہمیں جیسے زیادہ سختیاں جھیلیں پڑیں لیکن اگر تمہارے پاؤں متزلزل نہ ہوئے تو یہ مختصر سا گروہ کسی دن اندلس کا نجات دہندہ ثابت ہوگا۔ آئے ہم نئی وحدت کی فتح کے لیے دُعا کریں۔“

سعد کی تعقید میں انھوں نے ہاتھ اٹھالیے۔ سعد کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز رحمتِ نیرداں کو بکبار بھی تھی۔ اس کے آنسو قوم کے دامن سے ذلت اور سوائی کے داغ دھو بیٹھے تھے اور اس وقت شاید رحمت کا کوئی قریشیہ افریقہ کے ایک صحرائین کو بیابان سے رہا تھا کہ قدرت نے تمہارے عزم و ہمت کے امتحان کے لیے وہ درزم گاہیں منتخب کی ہیں جہاں ملان ملان اور موسیٰ نے اسلام کی فتوحات کے پرچم لہرائے تھے !

میں ختم ہوئی اور اتنی دیر میں اباس گھوڑا بھگتا مارا ہوا چلا گیا۔

موت کے لمحہ میں سے اتر کر اس کے گھر پہنچا اور اس کے گھر کے دروازے پر آ کر بے ہوش ہو گیا۔

المراطين

جب اس لامرکزیت، انتشار اور آلام و مصائب کے دور میں اندلس کے مسلمانوں کی نگاہیں کسی نجات دہندہ کی متلاشی تھیں۔ افریقہ کے افق پر گرد و غبار کے بادل کسی شہسوار کی آمد کا پیغام اے رہے تھے۔ جب قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ کی عظیم الشان درگاہوں کے معلم قوم کے مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے۔ افریقہ کے صحرائی نشینوں کے جھونپڑوں میں زندگی کے نئے دلوں لے کر وٹیں لے رہے تھے۔ اندلس میں اموی حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ بڑے روم کے دوسرے کنارے ایک نئی طاقت ظہور میں آرہی تھی۔ پانچویں صدی کے نصف اول میں اسلام کے کسی گمنام مبلغ کی کوششوں سے افریقہ کے بربروں میں سے ایک سرکش اور جنگجو قبیلہ کے لوگ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے مراطین کے نام سے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ابو بکر بن عمر اس سلطنت کا پہلا امیر منتخب ہوا۔ ابو بکر کی دینداری اور قوت کے باعث مراکش کے بعض دوسرے قبائل نے بھی جو پہلی صدی ہجری میں مسلمان ہو چکے تھے اس کی قیادت تسلیم کر لی تاہم الجزار سے لے کر طنجبک بے شمار بربری قبائل افریقہ میں کسی طاقتور سلطنت کے ظہور کو اپنی آزادی کے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔ ان میں سے جو مسلمان تھے ان کے سردار بھی اپنی انفرادیت کو اسلام کی وحدت میں گم کرنے کے لیے تیار نہ تھے، جب مراطین کے امیر ابو بکر نے ان لوگوں کو متحد کرنے کی ہم شروعات کی تو انھوں نے مراطین کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا۔ غیر مسلم قبائل جو افریقہ میں اسلام کے عروج سے براہ راست اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے تھے ان کے ساتھ ہو گئے اور انھوں نے جنگوں، صحرائوں اور پہاڑوں سے نکل کر ان

کے ساحل کے ساتھ ساتھ پرامن شہروں اور بستیوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا طوفان مچا کر دیا۔ بربروں کی قبائلی عصبیت نے اس خانہ جنگی کو فروغ دیا۔

اس نازک دور میں ایک اولوالعزم انسان نمودار ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ شعلہ اور شبنم کا یہ امتزاج مراطین کے امیر ابو بکر بن عمر کا نوجوان بھتیجا یوسف بن تاشفین تھا۔ اس کے ہر گلاب ایک طرف وہ غازی تھے، جن کی تلواریں سرکشوں، باغیوں اور اسلام کے دشمنوں کے لیے موت کا پیام تھیں اور دوسری طرف وہ علماء اور فضلاء تھے جو افریقہ کے تاریک ترین گوشوں میں اسلام کی فندعلیں روشن کر رہے تھے۔

مراطین کی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت میں یوسف بن تاشفین نے شاندار فتوحات حاصل کیں اور مراطین ایک طاقتور سلطنت کے مالک بن گئے۔ تاہم ابھی اس کے سامنے ایک بہت بڑا کام تھا۔ باغی اور سرکش عناصر افریقہ کے وسیع و عریض علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ان سب کو مغلوب کرنے کے لیے ایک طویل عرصہ درکار تھا۔ افریقہ کے پہاڑوں، جنگلوں اور صحرائوں کے علاوہ بحیرہ روم پر بھی اہل بربر کا کافی تسلط تھا۔ افریقہ اور یورپ کے ساحلی علاقوں کی لوٹ مار سے محفوظ نہ تھے۔ بحیرہ روم کے بعض ناپو اور افریقہ کے ساحل پر کی چھوٹی چھوٹی بندگاہیں ان کے قبضے میں تھیں۔ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے یوسف بن تاشفین نے ایک جنگی بیڑہ تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

۳۴۷ء میں ابو بکر بن عمر نے وفات پائی اور مراکش کے علماء کی تحریک پر بربری قوم کے اکابر نے متفقہ طور پر یوسف بن تاشفین کے ہاتھ پر بیعت کی سب سے پہلے بیعت کرنے والا اس کا چچا زاد بھائی سیرین ابو بکر تھا۔

امیر یوسف نے مراطین کا امیر بننے کے بعد افریقہ کو ایک عظیم الشان سلطنت بنانے کی کوششیں تیز کر دیں۔ چند برس میں افریقہ کا یہ شہسواران دور افتادہ مقامات میں اپنی فتوحات کے پرچم لہرا رہا تھا۔ جہاں ابھی تک کوئی مسلمان فاتح نہیں پہنچا تھا۔ افریقہ کے ان تاریک

گوشتوں میں اللہ اکبر کی اذانیں گونج رہی تھیں جہاں ابھی تک نیم برہنہ انسان بسے ہے :

(۲)

سبتہ پنج کو سعد کو معلوم ہوا کہ امیر یوسف بن تاشفین جنوب مغرب میں کسی دُورانی
خاویز پر برسہ پیکار میں اور محاذ جنگ سے خارج ہو کر وہ سبتہ آنے سے پہلے کچھ عرصہ طنجہ میں قیام
کریں گے۔ سبتہ کے سرکاری مکان خانے کے دروازے ہر اجنبی کے لیے کھلے تھے۔ سعد نے چند
دن تک وہاں قیام کیا۔ اپنے بھائیوں اور ادریس کے متعلق وہ بہت پریشان تھا اُسے یقین تھا
کہ وہ اسے اپنے متعلق اطلاع دینے میں تاخیر سے کام نہ لیں گے۔ وہ علی الصباح بندر گاہ پر
بلا جاتا اور شاہک اندلس سے آنے والے ہر جہاز کے مسافروں کو دیکھتا۔ ایک دن ایک جہاز
سے ایک عمر سیدہ آدمی اترا۔ سعد نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ اس کے دوست الیاس کا
لوگر تھا۔ سعد لوگوں کو باہر ادھر مٹاتا ہوا آگے بڑھا اور اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے
گیا۔ سعد کے سوالات کے جواب میں بوڑھے لوگ نے اسے بتایا کہ جس رات آپ غرناطہ سے
روانہ ہوئے۔ اسی رات پولیس نے احمد حسن اور ادریس کو گرفتار کر لیا تھا۔ چھ دن تک وہ غنجر
سخت اذیتیں دیتے رہے لیکن جب حکومت کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ آپ غرناطہ میں نہیں
ہیں تو انھیں رہا کر دیا گیا۔ میں آپ کے پاس الیاس اور احمد کے خطوط لے کر آیا ہوں۔ سعد نے
جلدی جلدی یہ دونوں خط اپنے خط میں تفصیل کے ساتھ احمد حسن اور
ادریس کی گرفتاری کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا تھا کہ انھوں نے جس صبر و استقلال
کا مظاہرہ کیا ہے وہ ہمارے لیے باعث فخر ہے۔ انھیں سخت اذیتیں دے کر آپ کا پتہ اور
ہماری جماعت کے ارکان کے نام ظاہر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اگر وہ ذرا اسی کمزوری دکھاتے
تو ہم اس وقت تک قید خانے میں ہوتے۔ سب سے زیادہ اذیت حسن کو پہنچائی گئی اور اس
کی دیر ہی تھی کہ اس نے کو تو ال کی بد زبانی سے طیش میں آ کر اس کے منہ پر ایک مکار سید کر لیا
تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے جسم پر کٹوڑوں کے نشان دیکھے ہیں۔ اندلس میں معلوم

Scanned by iqbalmt

انسانیت یوم حساب کا انتظار کر رہی ہے اور ہماری تمام امیدیں آپ کی رحم کی کامیابی کی تھوڑی دیر سے
احمد کا مکتوب مختصر تھا اور اس نے اپنی تکالیف کا ذکر کرنے کی بجائے سعد کو گھر کے حالات سے
مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی اس نے لکھا تھا کہ اُمّی خالہ اور خالو بہن میمنہ اور چچا الیاس آپ کی
کامیابی کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔

اگلے دن سعد نے الیاس کے لوگر کو اپنے دوستوں اور بھائیوں کے نام مکتوب لے کر نصرت کیا
اور غنجر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد سعد چند ہفتے ادھر ادھر پھرتا رہا اور غرناطہ میں اپنے بھتیجے
کوئی اطلاع نہ بھیج سکا۔ اس کے بھائی اور رفقاء یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کہیں دور جا چکا ہے۔ قریباً دو ہفتہ
اہ کے بعد ایک دن سبتہ کا ایک تاجر احمد بن عبد المنعم کا پتہ پوچھتا ہوا اُن کے مکان پر پہنچا اور اُس
نے سعد کا خط دیا۔ احمد نے اپنے بھائی کا خط پڑھا۔ اس نے لکھا تھا :

”میرے عزیز بھائی! الیاس کے لوگر کو سبتہ سے روانہ کرتے ہی میں غنجر چلا گیا تھا۔ دو
ہفتے غنجر میں قیام کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ صحرائے اعظم سے بے شمار غیر مسلم اور
وحشی قبائل الجزائر کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور یوسف بن تاشفین سیدھے اس
طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ چند دن غنجر میں رہ کر میں نے محسوس کیا کہ یہاں وقت ضائع
کرنا سبب نہیں صحرائے اعظم اور الجزائر میں امیر یوسف کی افواج کی نقل و
حرکت کے متعلق مجھے سبتہ میں نسبتاً آسانی سے اطلاع مل سکیں گی حقیقت یہ ہے
کہ میں افریقہ کے شاہسوار کے ساتھ اندازت کی مسند کی بجائے جنگ کے میدان
میں متعارف ہونا چاہتا تھا چنانچہ میں سبتہ میں واپس آ گیا۔ یہاں مجھے معلوم ہوا
کہ سبتہ میں جو فوج تھی، وہ بھی جہازوں پر الجزائر کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ اگر میں
بہت پہلے یہاں پہنچ جاتا تو ممکن تھا کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ جانے کا موقع مل جاتا
کل مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے سامان رسد کا ایک جہاز الجزائر کی طرف جانے
والا ہے۔ میں نے اس جہاز کے کپتان کے پاس پہنچ کر درخواست کی کہ مجھے اس

جہاز میں سفر کرنے کی اجازت دی جائے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے بہن میں کسی سواری کے لیے جگہ نہیں۔ اگر جگہ ہوتی تو بھی میں کسی اجنبی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

اس مرحلے پر بطرح کے ایک فقیر نے میری اعانت کی۔ وہ مجھے شہر کے عامل کے پاس لے گئے۔ میں بڑی مشکل سے عامل کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوا کہ میں ایک رضا کار کی حیثیت میں مرا بطین کی فوج کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔

شہر کے عامل نے کپتان کے پاس میری سفارش کی اور وہ بادل نخواستہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر رضا مند ہو گیا۔ انشاء اللہ کہ میں اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ کپتان نے مجھے بتایا کہ وہ سمندر کے ساحل پر ایک چھوٹے سے قلعے میں سامان رسد لے کر جا رہا ہے۔ وہاں سے امیر روست کی قیام گاہ تک پہنچنے کیلئے مجھے بے آب گیاہ صحرا میں سفر کرنا پڑے گا۔ اب ممکن ہے کہ چند فلوں تک افریقہ کے جبل عظیم کو دیکھ سکوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں پہنچ کر بھی میں صرف غبارِ راہ دیکھوں اور وہ شاہِ سوار کسی اور منزل کی طرف روانہ ہو چکا ہو!

افریقہ کی زمین پر پاؤں رکھتے ہی میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ میں ایک نئی دنیا میں آ گیا ہوں۔ آج جب اندلس کے مرمریں ایوانوں میں بسنے والوں پر بے حسی اور نموداری ہو رہا ہے، یہاں مٹی کے گھروں اور خس و خاشاک کے بھونپڑوں میں ایک صحت مند قوم کی تخلیق ہو رہی ہے۔ اندلس کے متوح کے قلم کی سیاہی خشک ہو چکی ہے لیکن افریقہ کا مجاہد اپنی تلوار کی نوک سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا باب لکھ رہا ہے۔

”کیا یہ لوگ خطرے کے وقت ہماری مدد کریں گے؟“ میں نے یہ سوال ایک سادہ دل بربری سے پوچھا تھا اور اس کا جواب یہ تھا کہ جب ہمارا امیر ہمیں حکم دے گا ہم

سمندر میں گھوڑے ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ سروسٹ اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر میں حرت اتنا کہہ سکتا ہوں کہ افریقہ میں امیر روست کا کام بہت وسیع ہے۔ وہ الجزائر سے لے کر دیانے سینگال تک تمام قبائل کو ایک حکومت کے ماتحت لائے گا۔ عزم کر چکا ہے اور اس کام کے لیے شاید ایک لمبا عرصہ درکار ہو۔ جب تک یہ کام ختم نہیں ہوتا، وہ شاید کسی نئے محاذ کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ بہر حال میں یہ سمجھ کر اس کی فوج میں شامل ہونے کے لیے جا رہا ہوں کہ اندلس کے دفاع کی جنگ اس وقت افریقہ میں لڑی جا رہی ہے۔ میرے لیے ہمت اور استقامت کی کیا عیجیہ؟

”تمہارا بھائی“ سعد

(۳)

ایک شام سعد بن عبد المنعم جہاز کے تختے پر کھڑا جنوب کے افق پر ساحل کی پہاڑیوں کا دھندلا سا منظر دیکھ رہا تھا۔ کپتان کی بنائی اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ جہاز اپنی منزل مقصود کے قریب پہنچ چکا ہے۔ ساحل کے دھندلے مناظرات کی تائید میں روپوش ہو گئے اور سعد آسمان کے ستاروں کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاز کا کپتان تیزی سے ادھر ادھر گھوم کر فلاح کو ہدایت دے رہا تھا، اچانک ایک فلاح نے بلند آواز میں کہا: ”ہوشیار ساحل پر روشنی نظر آ رہی ہے؟“

تھوڑی دیر میں کپتان اور اس کے فلاح بدحواس ہو کر جنوبی افق پر ایک غیر معمولی روشنی دیکھ رہے تھے۔ یہ روشنی پھیلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ ساحل پر ایک بہت بڑا ڈالو اُبل رہا ہے۔ کپتان نے کہا: ”یہ روشنی قلعے سے دور نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ہمارے کسی جہاز کو آگ لگ گئی ہے؟“

کپتان کا قیاس صحیح تھا۔ ایک ساعت کے بعد انھیں ایک جلتے ہوئے جہاز کا ڈھانچہ نظر آ رہا تھا۔ یہ آگ آہستہ آہستہ مدھم ہو گئی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی دو اور جلتے ہوئے جہازوں کے آگ بھڑک کر کشتیاں اور جہاز دیکھ کر کپتان چلا ہوا جہاز کے بادبان بگڑا اور لشکر ڈال دیا۔

ہم آگے نہیں جاسکتے۔

سعد کپتان اور قلاحوں کی نسبت کم پریشان نہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کپتان سے سوال کیا: ”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

کپتان نے جواب دیا: ”آپ دیکھ سکتے ہیں۔ دشمن نے یہاں ہمارے بحری اڈے پر حملہ کر دیا ہے اور انھوں نے صرف جہازوں پر ہی حملہ نہیں کیا ہوگا بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ خشکی سے ہمارے قلعے کا محاصرہ بھی کر چکے ہوں گے۔“

”لیکن اتنے جہاز وہ کہاں سے لے آئے؟“

”آپ کو شاید معلوم نہیں کہ لوط کے کئی قزاق ہمارے دشمنوں کے حلیف بن چکے ہیں۔“

”اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

”میرا اولین فرض یہ ہے کہ میں اس جہاز کو دشمن کے ہاتھ آنے سے بچاؤں۔ خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی دیر پہلے یہاں نہیں پہنچ گیا۔ ورنہ یہ جہاز تو ایک معمولی کشتی کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ سعد نے کہا: ”لیکن یہ بھی تو ضروری نہیں کہ جن جہازوں کو آگ لگی ہے وہ ہمارے ہی ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ جہاز دشمن کے ہوں؟“

کپتان نے کہا: ”مجھے علم ہے کہ یہاں صرف سامانِ رسد کے جہاز بھیجے گئے تھے۔ ہمارے جنگی بیڑے کے بعض جہاز طونس کے ساحل پر ہیں اور بعض سمندر میں گشت کر رہے ہیں تاہم میں کشتی پر آدمی بھیج کر پتہ کرتا ہوں۔ اگر کوئی خطرہ ہو تو ہمارے لیے واپس لوٹ کر کوئی محفوظ مقام تلاش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔“

تھوڑی دیر بعد جب جہاز سے ایک کشتی اُتاری گئی اور کپتان کی ہدایات سُننے کے بعد چلا۔ طلاح اس پر سوار ہونے کے لیے تیار ہو گئے تو سعد نے کہا: ”میں بھی ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔“ آپ انھیں یہ کہہ دیکھے کہ اگر یہ کوئی خطرہ محسوس کریں تو بھی مجھے ساحل پر اتاریں۔“

کپتان نے کہا: ”آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟“

”قلعے تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔“

”دیکھیے۔ آپ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ دشمن نے خشکی کی طرف سے قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہوگا۔ اگر میرے آدمی آپ کو ساحل کے کسی محفوظ مقام پر اتار بھی دیں تو بھی دشمن کی صفوں سے گزر کر آپ کا قلعہ تک پہنچ جانا ایک معجزہ ہوگا۔“

کپتان کے ساتھ تھوڑی دیر بحث کرنے کے بعد سعد نے ایک فیصلہ کن انداز میں کہا: ”تیرا مقصد اس قلعے تک پہنچنا ہے اور میں اس کے لیے ہر خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ کپتان نے کہا: ”بہت اچھا آپ جاسکتے ہیں لیکن اگر میرے آدمیوں نے ساحل کے پاس کشتی لے جانے میں کوئی خطرہ محسوس کیا تو انھیں فوراً واپس آنا پڑے گا۔“ سعد نے کہا: ”میں تیرا سکا ہوں؟“

کپتان قلاحوں کی طرف متوجہ ہوا: ”دیکھو، اس وقت ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اگر تم یہ دیکھو کہ دشمن نے خشکی سے بھی قلعے کا محاصرہ کر رکھا ہے تو فوراً واپس آ جاؤ۔ ورنہ قلعے کے محافظ کو میرا پیغام دو کہ میں ان حالات میں جہاز کو ساحل تک نہیں لاسکتا۔ یہاں سے کوئی بڑا ہوسٹیل پہنچے ہمارا ایک اور بحری مستقر ہے۔ میں وہاں سے جنگی کشتیوں کی کمک لے کر فوراً واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ حملہ آور فوج ہو چکے ہیں اور جہاز کو آگ لے جانے میں کوئی خطرہ نہیں تو قلعے کے برج پر روشنی کر دو۔“

(۴)

ساحل پر ایک تنگ طبع کا آخری بسرا اس چٹان کو چھوتا تھا جس پر قلعہ تعمیر تھا۔ حملہ آور ہراہین کے تین جہازوں کو آگ لگانے اور اپنا ایک جہاز ضائع کرنے کے بعد اس فلیج قابض ہو چکے تھے اور اب وہ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر میں دشمن کے بچے کچھ سپاہیوں اور قلاحوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ ساحل پر بھی پہلے یاروں کی ایک فوج کھڑی تھی۔ اگر کوئی سپاہی پانی میں ہاتھ پاؤں ڈالنے کے بعد سمندر کے کنارے پہنچے ہیں گا۔ یہاں ہوتا تو اسے پہلے یاروں کے تیروں کا سامنا کرنا پڑتا۔

سعد اور اس کے ساتھیوں نے کنارے سے کچھ فاصلے پر کشتی کو زد کر صورت حالات کا جائزہ لیا۔ بالآخر ایک بوڑھے ملاح نے کہا: "ہمارے کپتان کا قیاس درست تھا۔ دشمن نے صرف ہمارے جہازوں پر ہی حملہ نہیں کیا، بلکہ وہ خشکی سے قلعے کا محاصرہ بھی کر چکا ہے۔ کشتی کو مغرب کی طرف لے چلو ہم سعد کو وہاں کسی محفوظ جگہ اتار کر واپس چلے جائیں گے۔"

قلعے کے مغرب کی طرف دو میل فاصلے پر کھڑے کے بعد ملاح کشتی کو کنارے کے قریب لے آئے اور سعد اپنے سناٹھوں کو خدا حافظ کہنے کے بعد ریتیلے ساحل پر کر کے برابر پانی میں اتر پڑا۔ بوڑھے ملاح نے کہا: "دیکھو بیٹا! اگر تم صبح کی روشنی سے پہلے قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکتے تو یہاں دو روز تک تمہارے لیے جاتے پناہ نہیں ہوگی۔ کنارے کے ساتھ دشمن کے سپاہی بہت جوکس ہوں گے، اس لیے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تم فوراً قلعے کے جنوب کی طرف پہنچ جاؤ۔ اس طرف بھی اگر کوئی دشمن جمع ہوں تو بھی رات کی تاریکی میں کوئی یہ معلوم نہیں کر سکے گا کہ تم اجنبی ہو۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ تم قلعے کے اندر کیوں داخل ہو سکتے ہو۔ اگر وہ قلعہ سمندر کی طرح خشکی کی طرف سے بھی محاصرے میں ہے تو رات کے وقت تمہارا لیے کوئی دروازہ نہیں کھولے گا اور صبح کی روشنی میں خدا بہتر جانتا ہے کہ تمہارا انجام کیا ہوا۔"

میں تو اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ واپس چلو۔

"آپ میری فکر نہ کریں۔" سعد یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

کنارے پر پہنچتے ہی سعد منہ کے بل ریت پر لیٹ گیا اور کچھ دیر تاریکی میں آنکھیں بھٹا بھٹا کر اُدھر اُدھر دیکھنے کے بعد کنبینوں اور گھٹنوں کے بل لیٹا ہوا آگے بڑھا۔ چند گز ریت پر چلنے کے بعد وہ ایک چٹان کے سامنے کھڑا تھا۔ تاریکی میں اسے چٹان پر چڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ قلعے کی سمت غیر محفوظ سمندر کے مغرب کی طرف چٹان کے ساتھ ساتھ چلنا گیا۔ ایک جگہ رک کر وہ چٹان پر چڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اُسے اپنے دائیں ہاتھ چند قدم دور کوئی شے نظر آئی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے ترکش سے تیز نکال کر کمان میں چڑھایا اور نرم

ریت پر لیٹ کر آہستہ آہستہ زینکا ہوا آگے بڑھا۔ یہ ایک کشتی تھی اور اس کے اندر دو چاند لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ سعد کو یہ سمجھنے ہوئے دیر نہ لگی کہ یہ کشتی کسی ڈوبتے ہوئے جہاز کے ملاحوں کا آخری سہارا تھی اور ان لوگوں کے قاتل و مٹھی حملہ آوروں کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ دشمن دو دو ایک ساحل کی نگرانی کر رہا ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے چٹان پر چڑھنے کا ارادہ ترک کر کے کچھ دور اور مغرب کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی وہ اٹھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اسے ریت پر کوئی متحرک شے نظر آئی۔ غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ ایک آدمی اپنے گھٹنوں اور کنبینوں کے بل چلتا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے۔ سعد نے ایک لاش کی آڑ لے کر اپنے تیر کا رخ اس کی طرف کر دیا۔ لیکن اس کی غلط فہمی جلد دور ہو گئی۔ آنے والے کا رخ اس کی بجائے کشتی کی طرف تھا۔ کشتی کے قریب پہنچ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اٹھ کر کشتی کو پانی کی طرف دھکیلنے لگا۔ کشتی پانی سے چند قدم دور ریت میں دھنسی ہوئی تھی اور اسے سمندر میں ڈالنے کے لیے ایک سے زیادہ آدمیوں کی طاقت کی ضرورت تھی۔ اجنبی کچھ دیر زور لگانے کے بعد مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر جب پانی کی لہر آئی تو وہ جلدی سے اٹھا اور کشتی کو دوبارہ سمندر کی طرف دھکیلنے لگا۔ لیکن اس قدر بلکی تھی کہ اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اچانک کنارے کی چٹان سے کسی کی آواز سنائی دی اور اجنبی جلدی سے کشتی کے پیچھے لیٹ گیا۔ کوئی بربری زبان میں کہہ رہا تھا: "ہم دور دور تک دیکھ آتے ہیں، میرے خیال میں وہ کہیں آس پاس ہی ہوگا۔ ہمیں ایک آدمی کے متعلق اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آج ہم نے جی بھر کے شکار کھیلایا ہے۔"

دوسرے آدمی کی آواز آئی۔ "لیکن اس نے ہمارے تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کشتی کے اندر ہی چھپ کر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ اچانک چھپنے کی طرح نمودار ہوا اور ان کی آن میں ہمارے تین ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔"

ایک اور آواز آئی: "اب شور مچانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ بچ کر نہیں جاسکتا۔ اگر

موت کے گھاٹ آئیں گے۔ میں ڈوبتے ہوئے جہاز سے بچ کر یہاں پہنچا لو وہ تاک لگائے بیٹھے تھے۔ یہاں اپنے پانچ ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر نکلا تو چٹان پر چڑھ کر مجھے معلوم ہوا کہ آگے دشمن کے بے شمار سپاہی گشت کر رہے۔ اس کے بعد دیر تک میں ایک کھڈ میں پڑ رہا۔ پھر کشتی کو اپنا آخری سہارا سمجھ کر واپس آیا تو آنکھوں کے چٹان پر دو سپر مار بٹھا دیے ہیں۔ اب ہمارے لیے آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں۔

سعد نے کہا: ”دیکھیے ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم ان دو آدمیوں سے نجات حاصل کریں۔ میں نے ایک تجویز سوچی ہے۔ آپ حملے کے لیے تیار ہیں۔ یہ کہہ کر سعد نے اپنی تلوار نکالی اور لیے لیے کشتی سے ذرا آگے سرک کر ایک زخمی کی طرح گرا ہنا شروع کر دیا۔ چٹان کے ایک سپر مار نے اپنے ساتھی سے کہا: ”ارے سنو! کسی کم بخت میں ابھی تک جان باقی ہے!“

سعد نے کراہنے کے ساتھ ساتھ بلند آواز میں کہا: ”پانی! پانی! پانی!“

سپر مار چلایا: ”ٹھہرو ابھی تمہیں پانی پلاتے ہیں۔“

سپر مار چٹان سے اتر کر بھاگتے ہوئے آگے بڑھے۔ سعد خاموش ہو گیا۔ وہ تلواریں نکالا۔ کادھر اُدھر گھرمی ہوئی لاشوں کو دیکھ رہے تھے کہ سعد اور اس کے ساتھی نے اچانک اٹھ کر ان پر دھاوا بول دیا۔ پلک بچھکنے کی دیر میں زمین پر ان کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

ان دو آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد سعد اور اس کا ساتھی ایک لمحہ کے لیے بے حس حرکت کر پڑے۔ اُدھر اُدھر دیکھ رہے، قلعے کی سمت آدمیوں کی چیخ پکار کم ہو چکی تھی۔ اجنبی نے کہا: ”اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

سعد نے جواب دیا: ”آپ کی آمد سے پہلے میں قلعے تک پہنچنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا اور اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ میرے راہنما ہیں۔“

اجنبی نے کہا: ”ہم دونوں قدرت کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ دشمن نے قلعے کو چاروں طرف

وہ سمندر کی گھلی نہیں تھا، لوہم صبح کی روشنی میں اُسے تلاش کر لیں گے۔ اب دو آدمی مائل رہیں۔ ممکن ہے کہ وہ کشتی کی طرف آئے۔“

قدرے توقف کے بعد کسی کی آواز آئی: ”کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اس کشتی کو اپنے جہازوں کے پاس پہنچا دیں؟“

کسی نے کچھ فاصلے سے جواب دیا: ”نہیں ہم نے کشتی کو کھینچ کر ریت پر چڑھا دیا۔ ایک آدمی اُسے دھکیل کر سمندر میں نہیں ڈال سکتا۔ اگر وہ یہ لوٹش کرے بھی تو یہاں سے

تمہارے تیروں کی زد میں ہوگا۔ تم ہو شیاد رہو۔ ممکن ہے کہ وہی آدمی دشمن کے پرے کا ایریو ہو۔ جب سعد کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ چٹان پر صرف دو آدمی رہ گئے ہیں، تو اس نے

گیلی ریت کی ایک مٹھی اٹھا کر کشتی کی طرف پھینکی۔ کشتی کے پیچھے لپٹا ہوا آدمی سر اٹھا کر اُدھر دیکھنے لگا۔ سعد نے آہستہ سے عربی زبان میں کہا: ”گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارا دست ہوں

تم وہیں رہو۔ میں تمہارے پاس آتا ہوں۔“

سعد آہستہ آہستہ رنگتا ہوا کشتی کے قریب پہنچا اور بولا: ”میں اس جہاز پر آیا ہوں جو سب سے اس قلعے کے لیے رسد کا سامان لا رہا تھا۔“

اجنبی نے عربی میں سوال کیا: ”وہ جہاز کہاں ہے؟“

”وہ یہاں خطرہ دیکھ کر واپس لوٹ گیا ہے۔ جہاز کے کپتان نے مجھے کشتی پر یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ اب آپ میرے رہنما ہیں۔“

اجنبی کشتی کے عقب سے سرکوتا ہوا سعد کے قریب آگیا اور بولا: ”اگر تم ہمارے ساتھی ہو تو تم نے جہاز چھوڑ کر یہاں آئے تین غلطی کی ہے۔ اب تھوڑی دیر کے بعد صبح کی روشنی میں تم ہر چٹان کے پیچھے دشمن کے تیر انداز دیکھو گے۔“

سعد نے کہا: ”صبح کی روشنی سے پہلے ہم بہت کچھ سوچ سکتے ہیں۔“

اجنبی نے کہا: ”اب شاید تم اس کے ہوا اور کچھ نہ سوچ سکیں کہ صبح وہ ہمیں کس طرح

سعدی کی حوصلہ افزائیوں نے اس کے ساتھی کی ہمت تازہ کر دی اور وہ انتہائی تکلیف کے باوجود دلوری رفتار سے اس کا ساتھ دینے لگا۔ صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ کوئی لاکھ میل چلنے کے بعد سعدی اس کا ساتھی اپنے بائیں ہاتھ ایک ادی میں دشمن کی فوج کا وسیع پیمانہ دیکھ رہے تھے۔ سعدی کی نظر سے بچنے کے لیے دائیں ہاتھ مڑا اور پھر ٹیلوں اور پہاڑیوں کے ناموں پر اسے پرچنے لگا۔ صبح کی بڑھتی ہوئی روشنی کے ساتھ اس کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔ اس نے ٹھکر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ اجنبی کے چہرے کے خدو خال میں غایت درجہ کی دغربی تھی۔ عمر میں بھی وہ سعدی سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سعدی اس کے سٹول جسم، کھلے ہوئے سانسوں، رنگ اور عجبائی نگاہوں سے متاثر ہونے لگا۔ اس نے کہا: ”آپ بہت تکلیف میں ہیں مجھے یقین ہے کہ تھوڑی دُور جا کر ہم خطرے کی زد سے باہر ہوں گے، دیکھیے قدرت ہماری مدد کر رہی ہے۔ دشمن رات کے وقت کس قدر ہوشیار تھا اور اب کتنا بے خبر ہے؟“

اجنبی نے اپنے تشنگ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا: ”ان کی ساری توجہ قلعے کی طرف ہے۔ پھر بھی جب تک ہم صحرا کا رخ نہیں کرتے ہمیں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے۔ مجھے پاس بہت تکلیف دے رہی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ قلعے سے کچھ دور مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا چشمہ ہے، میرے خیال میں وہ یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہوگا۔ اگر پانی کے چند گھونٹ مل جائیں تو ممکن ہے کہ کچھ دُور اور آپ کا ساتھ دے سکوں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہاں بھی دشمن کے آدمی موجود نہ ہوں۔“

سعدی نے چونکا ہوا کہ اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”میرے خیال میں یہ اونٹوں کی بلالہٹ ہے۔ آپ یہیں ٹھہریں۔ میں ابھی معلوم کر کے آتا ہوں؟“

سعدی جھانکا ہوا ایک بلند ٹیلے پر چڑھا۔ اس کا ساتھی ایک چھری کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سعدی اس طرح جھانکا ہوا واپس آیا اور بولا: ”آئیے میں نے آپ کے لیے پانی اور سواری دونوں کا بندوبست کر لیا ہے۔ چشمہ اس ٹیلے کے پیچھے ہے اور وہاں ایک آدمی اونٹوں پر پانی

سے گھیر رکھا ہے۔ صبح پر ان کے جہازوں کا قبضہ ہے اور اس پاس کی چٹانوں اور پہاڑیوں پر لوہے کے پیادوں اور سواروں کا قبضہ ہے۔ اگر ہم رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر قلعے کی چار دیواری تک پہنچ جائیں تو بھی ممکن نہیں کہ وہاں دشمن کے سپاہیوں کی موجودگی میں ہم اندر داخل ہو سکیں۔ اب اگر ہم کشتی کو پانی میں دھکیل کر یہاں سے جانے کی کوشش کریں تو صبح تک ہم زیادہ دُور نہیں جاسکتے۔ کشتی کو یہاں نہ پا کر وہ یقیناً ہماری تلاش کریں گے۔ کچھ دیر پہلے میرا خیال تھا کہ میں کشتی پر بیٹھ کر چند میل مغرب کی طرف نکل جاؤں اور پھر ساحل پر اتر کر صحرا کا رخ کروں۔ لیکن اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ کوشش خطرناک ہوگی۔ اب آخری صورت یہی ہے کہ ہم جو پانچ کالٹ کریں۔ ہماری فوج کا مستقر یہاں سے چالیس کوں ہے۔ اگر ہم کسی طرح وہاں پہنچ جائیں یا انھیں قلعے کی صفحہ شمال سے باخبر کر سکیں تو قلعے کے محافظ دسے کو بچا یا جاسکتا ہے۔“

سعدی نے کہا: ”پچھلے اب دیر نہ کیجیے۔ صبح ہونے والی ہے؟“

اجنبی نے کہا: ”غیر سعدی کے آگے ہوا، لیکن چند قدم چلنے کے بعد سعدی نے محسوس کیا کہ بُری طرح تھکا رہا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا: ”آپ زخمی ہیں؟“

اجنبی نے جواب دیا: ”جب میں چلتا ہوا جہاز چھوڑ کر کشتی میں سوار ہوا تھا، دشمن کا ایک تیر میری ٹانگ پر لگا تھا۔ تیر میرے ایک ساتھی نے نکال دیا لیکن رگوں میں کچھ کھماؤ محسوس کرتا ہوں۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

چٹان کے قریب پہنچ کر سعدی نے اپنے ساتھی کو وہاں ٹھہرنے کیلئے کہا اور خود چٹان پر چڑھ کر اچھڑا دم کھینچنے کے بعد واپس آکر کہا: ”آئیے!“

کوئی ڈیڑھ میل طے کرنے کے بعد سعدی کو اپنے ساتھی کی دست برداری ایک زخم کی تکلیف کا پتہ دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اجنبی نے کہہ کر کہا: ”آپ کا سیریکو بوجھ بستر سے مل پڑا تا سب نہیں۔ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آپ مجھے یہیں چھوڑ دیں۔ وہاں کے خاتمے ہونے کی بجائے ایک کا بج لکھنا بہتر ہے۔ ممکن ہے آپ امیر شکر تک پہنچیں۔“

اسیاب مددگار اور قلعے کے محافظ بن جائیں؟

سعدی نے کہا: ”آپ خدار تو کل کیجیے۔ ممکن ہے آپ کو زیادہ دُور چلنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔“

بربری نے اپنے ساتھی کو بھی زندگی سے زیادہ موت کے قریب دیکھا تو فوراً سعد کے حکم کی تعمیل کی اور اپنا خنجر بھینکنے کے بعد دوبارہ اونٹ کی ٹوکیل پکڑ کر دائیں ہاتھ ہو گیا۔

سعد افسوس کا ساتھ ہی انھیں ڈر دھکا کر اونٹ کو تیزی سے ہانکنے پر مجبور کر رہے تھے کوئی بین سوگزی ایک ناہموار راستے پر چلنے کے بعد انھوں نے ایک ٹیلے کی آڑ میں پہنچنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔ بربریوں نے ان کے حکم سے اونٹوں کو بٹھا دیا۔ سعد نے اپنے ساتھی سے کہا: ”آپ پانی پی سکتے ہیں؟“

”نہیں، اب ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔ میں تھوڑی دود جا کر پانی پی لوں گا۔ اب مشکیزہ کھولنے اور بند کرنے میں دیر نہ لگے گی۔“

سعد نے کہا: ”کیا آپ کے خیال میں چاروں اونٹوں پر پانی ہماری ضرورت سے بہت زیادہ نہیں؟“

”نہیں، فالتو پانی اونٹوں کے کام آئے گا۔ ممکن ہے کہ ہمارا سفر توقع سے زیادہ طویل ہو گا۔“ یہ کہہ کر سعد کا ساتھ ہی بربریوں کی طرف متوجہ ہوا۔ سو کیو اگر تم شلوفت نے ہمارا ساتھ

دو تھوڑی جانیں محفوظ ہوں گی۔ ہم امیر یوسف کے لشکر کی قیام گاہ تک پہنچنا چاہتے ہیں اگر تم ہمیں وہاں لے چلو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم آزاد کر دیے جاؤ گے اور یہ اونٹ بھی تمہیں دلاں گے۔

یہ بے جا جانیں گے لیکن اگر تم نے ہمیں دھوکا دینے یا بھاگنے کی کوشش کی تو قتل کر دیے جاؤ گے۔ ایک بربری نے کہا: ”میں نے اپنے سردار کی سختیوں سے مجبور ہو کر لڑائی میں حصہ لیا ہے۔

اگر آپ وعدہ کریں کہ ہمیں مراہطین کے امیر کے پاس تپا مل جائے گی تو ہم آپ کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہیں۔“ میں دھوکا کتا ہوں۔ تم بھی اونٹوں پر سوار ہو جاؤ اور ہمارے آگے چلو۔“ ایک کہہ کر وہ

سعد کی طرف متوجہ ہوا اور عربی زبان میں بولا: ”آپ عطا فرمیں۔ ابھی مجھے ان کے وعدوں پر یقین نہیں۔“

سعد نے ایک اونٹ پر کود کر سوار ہوتے ہوئے کہا: ”آپ مطمئن رہیں میرا کوئی تیر خالی

لا دو رہاں سے نکل جائے گا کہ ہم تھوڑی دیر پہلے پہنچ جاتے تو تنگ دواہی کے کسی موڑ پر اسے پکڑ لیتے۔ لیکن اب وہ در جا چکا ہو گا۔ ہمیں کسی اور کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

تھوڑی دیر بعد سعد اور اس کا ساتھ ہی چشمے دواہی کی طرف جانے والی ٹوکیل کے ایک موڑ پر پہنچے، سعد اپنے ساتھی کو دہاں کھڑا کر کے دوبارہ ٹیلے پر چڑھا۔ جب چشمے سے

اونٹوں کا ایک تینا قافلہ روانہ ہوا۔ تو وہ اپنے ساتھی کو ہاتھ سے اشارہ کرنے کے بعد پیچھے اتر کر

”دواہی چار اونٹوں کو لے کر آ رہے ہیں۔“ سعد نے اپنی کمان میں تیر چڑھاتے ہوئے کہا۔ اجنبی نے نیام سے تھوڑا نکال لی اور سوال کیا: ”چشمے پر باقی کتنے آدمی ہیں؟“

”کوئی پندرہ بیس ہوں گے۔ اونٹوں کی تعداد شاید ان سے دو گنا زیادہ ہو۔ لیکن چشمہ یہاں سے کافی دور ہے۔ جب تک دوسرا قافلہ آئے گا ہم کم از کم اودھ میل دود جا چکے ہوں گے۔ اب راستہ بتانا آپ کا کام ہے۔“

خدا ہمارے لیے سواری بھیجے گا تو راستہ بتانے والے بھی مل جائیں گے۔ صحرائیں ان لوگوں سے بہتر ہمارے دشمن کی کنی نہیں کر سکتا۔ ہماری کوشش یہ ہوئی چاہیے کہ اونٹوں کے

ساتھ ان آدمیوں کو بھی پکڑ کر ساتھ لے جائیں۔“

جب کچھ دور دواہی باتیں کرتے ہوئے ستائی دیے تو سعد اور اس کا ساتھ ہی ٹوکیل کے ایک موڑ پر ایک پتھر کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ ایک صحرائی اگلے اونٹ کی ٹوکیل پکڑے ہوئے

تھا اور دوسرا آخری اونٹ کے پیچھے بچے آ رہا تھا۔ جو بھی پچھلا آدمی موڑ پر پہنچا۔ سعد کے ساتھ نے اچانک پتھر کی آڑ سے نمودار ہو کر اس کے سینے پر تھوڑا کی ٹوک رکھ دی اور سعد نے

آگے بڑھ کر اگلے آدمی کی طرف کمان سیدھی کرتے ہوئے بربری زبان میں کہا: ”تھرو!“

اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور بدحواس ہو کر اونٹ کی ٹوکیل پھوڑ دی۔ سعد نے کہا: ”اونٹ کی ٹوکیل پکڑ لو اور دائیں ہاتھ چلو! بھاگنے یا شرمچانے کی کوشش کر وگے تو مارے جاؤ گے اور اپنا خنجر خنجر جیک دو۔ جلدی کرو!“

نہیں جائے گا؟

(۵)

کوئی تین کوس چلنے کے بعد سعد اور اس کے ساتھی نے اونٹوں سے اتر کر ایک مندر پر کھڑا اور پانی پینے کے بعد دوبارہ سوار ہو گئے۔ سعد کے ساتھی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا: اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن ہمارا ہر لمحہ قیمتی ہے۔ قلعے کے محافظ دشمن کنیاہ در نہیں روک سکیں گے۔ اگر دشمن قلعے پر قابض ہو گیا تو ہماری صحرائیں لڑنے والی فوج کے عقب میں رسوا ملک کے راستے خطرے میں پڑ جائیں گے۔

سعد کے چند سوالات کے جواب میں اس کے ساتھی نے بتایا کہ میں مراہٹین کی برفی فوج کا ایک عہدہ دار ہوں۔ میں نے دو جہازوں کے ساتھ بحیرہ روم کے ایک ٹاپو میں ڈاکوؤں کے اڈے پر حملہ کیا تھا۔ ہم نے ان کا ایک جہاز جلا دیا۔ دوسرا بھاگ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک خزاؤں کے چار اور جہاز اس طرف آ نکلے۔ میں نے مجبوراً وہاں سے حکم دیا قلعے کی طرف کے لیے میں دو جہاز چھوڑ آیا تھا اور خیال تھا کہ اگر ہم واپس اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو جاتیں تو دشمن کو آسانی سے شکست دے سکیں گے۔ قلعہ زیادہ دور بھی نہ تھا لیکن ہم دشمن کے قواقیب سے بچ کر ساحل کے قریب پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا دشمن کے چند اور جہاز جہاز جہازوں کو جلائے کے بعد خلیج پر قابض ہو چکے ہیں۔ اب ہمارے لیے آگے بڑھنے یا پچھے ہٹنے کے لیے کوئی نیکہ نہ تھی۔ وہ پانچ جہاز تو ہمارا ہیچا کر رہے تھے قریب پہنچ چکے تھے۔ فوج اڑھائی سے بے پردا ہو کر ہم نے خلیج کی طرف جمع ہونے والے جہازوں پر حملہ کیا اور دشمن کے دو جہازوں کو آگ لگا دی۔ لیکن اتنی دیر میں ہم چاروں طرف سے ان کے نرغے میں آ چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے ایک جہاز کو آگ لگ گئی۔ میں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنا جہاز ایک طرف نکالنے کی کوشش کی لیکن جلتے ہوئے جہازوں کے شعلوں نے دشمن کیلے شعل کا کام دیا۔ جب انھوں نے اس جہاز کو بھی آگ لگا دی تو ہم نے اچانک جلتے ہوئے

Scanned by iqbalmt

جہاز کا رنج بدل کر اسے دشمن کے قریب ترین جہاز کے ساتھ ٹکرا دیا۔ دشمن انتہائی کوشش کے باوجود اپنے جہاز کو آگ کے شعلوں کی زد سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اب دونوں جہازوں کے فوج سمندر میں کود رہے تھے۔ اس افراط فزی میں مجھے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک کشتی پر سوار ہو کر کتارے تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔ لیکن وہاں بھی دشمن ہماری تاک میں تھا۔ میرے ساتھیوں کی لاشیں تم دیکھ چکے ہو۔ ان میں چار بہترین جہاز دان تھے۔ چونکہ دشمن سمندر کی طرح خشکی پر بھی چوکس تھا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ہمارے جو آدمی رات کے وقت جہازوں سے کود کر کتارے میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہوں گے۔ اس وقت تک شاید ان میں سے کوئی زندہ نہ ہو۔ اگر قدرت آپ کو وہاں نہ بھیجتی تو شاید میں بھی اس وقت تک زندگی سے زیادہ موت کے قریب ہوتا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ اندس کے باشندے ہیں؟

سعد نے جواب دیا: آپ کا قیاس صحیح ہے۔ میں غرناطہ سے آیا ہوں۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ مجھے سبتہ سے اس طرف آنے والے جہاز پر جگہ مل گئی۔ ورنہ میں خشکی کے راستے امیر بوسف تک پہنچنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

سعد کا ساتھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ نوجوان غرناطہ کے پر رونق شہر سے اس دیر لانے میں کسی اہم مقصد کے بغیر نہیں آیا تاہم اس نے سعد کے عزائم کے متعلق براہ راست کئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔

دن کے تیسرے پہر تک وہ اونٹوں کو پوری رفتار سے ہانکتے تھے۔ اتنی وقتی صحرائیں کہیں کہیں انھیں چھوٹے چھوٹے ٹکستان دکھائی دیتے تھے۔ لیکن سعد کے ساتھی کو ان ٹکستانوں میں رہنے والے قبائل کی دوستی یا دشمنی کے متعلق پورا اطمینان نہ تھا اس لیے اس نے راستے کی بستیوں کے قریب سے گزرنا مناسب نہ سمجھا۔

شام سے کچھ دیر پہلے جب وہ ایک بستی سے کتر اگر گزر رہے تھے، سعد نے اپنے ساتھی سے سوال کیا: آپ کو فوج کے مستقر کے صحیح محل کا علم ہے؟

سعد نے سوال کیا۔ ”ان باغی قبائل کے ساتھ مسلمان بھی ہیں؟“

”ہاں چند نام و نہاد مسلمان قبائل بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان قبائل کے سردار دشمنوں، افریقہ میں ایک اسلامی سلطنت کی تشکیل کو اپنے فانی اقتدار کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں اور ہم افریقہ کے مستقبل کے لیے ان لوگوں کا جو غیر مسلموں سے کم خطرناک نہیں سمجھتے۔“

(۶)

ایک پھر رات گزر چکی تھی اور تھکے ہوئے اونٹ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہے تھے یہ لوگ تھکا ہوا اور بھوکے تھے۔ اچانک ریت کا ایک ٹیلہ عبور کرنے کے بعد انھیں روشنی دکھائی دی۔ بربری قیدی نے کہا۔ ”بیچے آپ کی منزل آگئی! فوج کا پڑاؤ اس بستی کی دوسری جانب ہے۔ وہ بستی کو ایک طرف چھوڑ کر نختستان سے گزرتے ہوئے دوسری طرف پہنچے تو ان کی حیرانی کوئی اتہان نہ رہی، وہاں فوج چھوڑ کر کسی معمولی قافلے کے بھی آئندہ تھے۔ وہ بدحواسی کی حالت میں تاریکی میں آنکھیں بھاڑ بھاڑ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سعد نے اپنی کمان پر تیر چڑھاتے ہوئے اپنے ساتھی سے عربی زبان میں کہا۔ ”آپ ہوشیار رہیے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔“

سعد کے ساتھی نے قیدیوں کی طرف متوجہ ہو کر حکمانہ لہجے میں کہا۔ ”تم ہمیں کہاں لے آئے ہو، فوج کا پڑاؤ کہاں ہے۔ بولتے کیوں نہیں؟“

ایک قیدی نے اپنی پریشانی پر قاپو لہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ پانچ دن پہلے آپ کی فوج کا پڑاؤ اسی جگہ تھا۔ آپ بیچے آکر دیکھیں تو آپ کو پڑاؤ کے آثار مل جائیں گے۔ اور نہ آپ بستی میں جا کر لوگوں سے معلوم کر لیں وہ شاید آپ کو یہ بھی بتا دیں گے کہ آپ کی فوج کہاں گئی ہے۔“

سعد نے کہا۔ ”تم لوگ اس بات کا یقین رکھو کہ اگر ہمیں یہاں کوئی خطرہ پیش آیا تو تمہارا ٹھکانہ خیر نہیں؟ پھر وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔ ”آپ ارد گرد جھگڑا کر دیکھیں اور میں ان

”نہیں۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ ہمیں اسی سمت جانا چاہیے۔ یہ کہ اس نے بربری قیدیوں کو آواز دی اور اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ ”دیکھو اگر تم آج رات ہمیں مستقل ملک پہنچا دو تو میں تمہیں منقول انعام دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔“

ایک بربری نے جواب دیا۔ ”اگر آپ کی فوج کہیں آگے نہیں نکل گئی تو ہمیں اسید ہر کہ ہم غریب آفتاب سے تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ جائیں گے۔“

سعد نے اپنے ساتھی سے سوال کیا۔ ”میرا خیال ہے کہ حملہ آوروں کی تعداد کسی ہزار ہے۔ اس نے جواب دیا۔ ”میں ان کی تعداد سے پریشان نہیں۔ انھوں نے صرف یہ سمجھ کر ہمارے

کیا ہے کہ ہماری فوج کی توجہ دوسرے محاذ پر ہے اور وہ ملک پہنچنے سے پہلے قلعے پر قابض ہو جائیں گے۔ اگر قلعے کے محاذ دو دن تک متبادل کر سکے تو ہماری فوج ان کی مدد کے لیے پہنچ جائے گی اور پھر ہمارے سواروں کے سامنے ان کا وہی حشر ہوگا جو آندھی کے سامنے خشک پتوں کا پڑنا۔“

سعد نے کہا۔ ”میں حیران ہوں یہ صحرائی لوگ اتنے جہاز کہاں سے لے آتے؟“

اجنبی نے کہا۔ ”یہ چند جہاز جو آپ نے دیکھے ہیں ہمارے دشمن کے بحری بیڑے کا کھول حصہ ہیں۔ یورپ کی کئی سلطنتوں کے سمندری بیڑے ان لوگوں کی پشت پر ہیں۔ بعض عساکر

مصر بھی انھیں مدد پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ افریقہ میں ہماری بیداری کو اپنے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔ مجھے خاصہ ہمدردی غلطیوں میں ہماری جنگ طول پکڑ جانے اور دم، یونان اور شمالی اندلس کے عیسائی افریقہ کے ساحل پر کھلے بندوں حملہ کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جنوب مغرب کی طرف پاؤں پھیلانے سے پہلے ان علاقوں میں مستحکم ہونا

ضروری سمجھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ قلعے پر بیک وقت تبری اور بحری حملے کر کے دشمن یہ یقین چاہتا ہے کہ ہم کہاں تک افریقہ کے ساحل کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اگر باغی قبائل قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو شمالی ممالک کے عیسائیوں کی طرف ان کے لیے در

اور ملک کا راستہ کھل جائے گا۔“

Scanned by iqbalmt

کا خیال رکھتا ہوں۔

اچانک ایک طرف سے آواز آئی۔ ”کون ہے؟“

جب اس طرف سے کسی نے جواب نہ دیا۔ تو کسی نے زیادہ بلند آوازیں کہا۔ ”کون ہے جواب کیوں نہیں دیتے؟“ اور اس کے ساتھ ہی دوسری طرف سے چند آدمیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ ”کون ہے؟ کیا ہوا؟ یہاں کھڑے کس کو آوازیں دے رہے ہو؟“

سعد کے ساتھی نے کہا۔ ”لیکن یہ ممکن نہیں کہ فوج نے یہاں سے کوچ کرتے وقت پڑاؤ بالکل خالی کر دیا ہو۔ یہاں کم از کم پیمانوں، زخمیوں اور ان کے محافظوں کو ضرور ہونا چاہیے۔“
بربری قیدی نے آہستہ سے کہا۔ ”کیا اب بھی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ دھوکا کر رہے ہیں؟“

”نہیں“ سعد کے ساتھی نے مطمئن ہو کر چند قدم آگے میں بحث کرنے والے سپاہیوں کو آواز دی۔ ”کیا یہ مراہطین کے لشکر کی قیام گاہ ہے؟“

کسی نے جواب دیا۔ ”تم کون ہو؟ وہیں کھڑے رہو۔“

”ہم ایک ضروری پیغام لاتے ہیں۔“

”اُن کی آن میں آٹھ دس آدمی ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک پریدار نے سوال کیا۔ ”تم کہاں سے آئے ہو؟“

سعد کے ساتھی نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔ ”تم میں سے کوئی سیرین ابو کو پہچانتا ہے؟“

ایک پریدار بدحواس ہو کر پلٹا۔ ”امیر البحر سیرین ابو بکر! خدا کی قسم میں نے آپ کی آواز پہچانی تھی لیکن مجھے یہ خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ آپ اس وقت یہاں آ سکتے ہیں۔“

”امیر یوسف کہاں ہیں؟“

سیردار نے جواب دیا۔ ”انھوں نے برسوں یہاں سے مشرق کی طرف پیش قدمی کی تھی۔“

Scanned by iqbalmt

آج خوشخبری آئی ہے کہ ہماری فوج نے یہاں سے کوئی بیس کو س دلد شمش کی بہت بڑی تعداد کو شکست دی ہے اور باغیوں کے پندرہ سرکردہ سردار گرفتار کر لیے گئے ہیں شاید ایک دو روز میں وہ واپس یہاں پہنچ جائیں۔“

سیرین ابو بکر نے پوچھا۔ ”یہاں کتنے آدمی ہیں؟“

”کوئی تین سو زیادہ تعداد زخمیوں اور بیماروں کی بیچ۔“

سعد اور اس کا ساتھی اونٹوں سے اتر کر پریداروں کے جلو میں کیمپ کے اندر داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد دو سپاہی مشعلیں اٹھائے سیرین ابو بکر کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور وہ کیمپ کے سالار کے ساتھ بائیں کندہا تھا۔ یہ بات سعد کے دہم دگماں پر بھی نہ تھی کہ اس کا رفیق سفر یوسف بن تاشفین کا چچا زلد بھائی ہے، وہ خاموش کھڑا مشعل کی روشنی میں اس کی طرف خود سے دیکھ رہا تھا۔

سیرین ابو بکر نے کیمپ کے سالار سے کہا۔ ”میرا امیر یوسف کے پاس فوراً پہنچا ضروری ہے۔ میرے لیے گھوڑا تیار کرو اور چار سوار جو راستے سے واقف ہوں، میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائیں اور اتنی دیر میں ہمارے لیے کھانا لے آؤ۔ لیکن تکلف کی ضرورت نہیں جو کچھ اس وقت تیار ہے لے آؤ۔ ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔“

پھر وہ سعد کی طرف متوجہ ہوا۔ ”آپ یہاں آرام کریں۔ سیرین منزل ابھی دلد ہے۔“
”نہیں میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ بلکہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ آرام کرتے اور میں امیر کے پاس پیغام لے جاتا۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کا زخم بگڑ نہ جائے۔“

سیرین ابو بکر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”زخم کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔“

کچھ دیریں، باجوسے کی خشک روٹی اور پھر کھانے کے بعد امیر سیر اور سعد دوبارہ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے ابو بکر نے بربری قیدیوں کے متعلق کیمپ کے سالار کو ہدایت کی کہ یہ تین دن تک ہمارے مہمان رہیں گے اس کے بعد انھیں عزت کے

سیر بن ابوبکر نے چند الفاظ میں اپنی سرگزشت بیان کر دی۔ سعد کی توقع کے خلاف سیر بن ابوبکر نے انتہائی صبر و سکون کے ساتھ تمام واقعات سن رہا تھا اور اس کے کشان چہرے پر لفظ آکاشانِ ملک نہ تھا۔ اس کے بعد جب وہ اپنے چچا زاد بھائی سے سوالات پوچھ رہا تھا تو سعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ ایک سمندر کی پرسکون سطح کے نیچے اٹھا ہوا گہرائیوں میں سولے دالے طوفان کرڈھیں لے رہے ہیں اور پھر جب وہ غصے سے باہر نکل کر بلند آوازیں اپنے سپاہیوں اور سالاروں کو حکم دے رہا تھا، سعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ زندگی کے تمام ہنگامے سمت کرس درویشِ خلعتِ حکران کے وجود میں سما چکے ہیں۔ وہ خوبصورت آنکھیں جن میں چند لمحے پیشتر شفقت، رحم اور محبت کے دریا موجزن تھے، اب بکلیوں کا گوارہ بنی ہوئی تھیں۔ بھڑکڑی ہوئی میں پانچ ہزار سوار اس کے حکم کا اخطار کر رہے تھے۔ کوچ کرنے سے پہلے اس نے زیادہ سپاہ سالاروں کو حکم دیا، کہ وہ پچھلے پڑاؤ پر پہنچ کر حکم نامی کا انتظار کریں اور پھر وہ سیر بن ابوبکر کی طرف متوجہ ہوا۔ "سیر! تم زخمی ہو، اس لیے آرام کرو!"

"نہیں میرا زخم بہت معمولی تھا۔ اب تو میں محسوس بھی نہیں کرتا۔"

"اور تم؟" وہ پہلی بار سعد کی طرف متوجہ ہوا

سعد بولا "مجھے تھکاد ہے نہ زخم۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا"

سیر بن ابوبکر اپنی سرگزشت کے دوران میں سعد کا تعارف کر دیا چکا تھا تاہم اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ امیرِ یوسف نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں دی، دوبارہ کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی۔ یہ غرور تھا کہ ہمارے جہاد میں شریک ہونے کی تمنا لے کر آئے ہیں۔ امیرِ یوسف نے کہا "نوجوان! تم نے جس میدان میں پاؤں رکھا ہے وہ بہت وسیع ہے۔ تمیں اپنی قوتِ باؤ کی آزمائش کیلئے ابی گنت موقعے ملیں گے۔ لیکن اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم بہت زیادہ تھکے ہوئے ہو۔"

سعد نے جواب دیا "آپ کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے۔ لیکن میری سب سے بڑی تمنا

ساتھ رخصت کیا جلتے اور ان اوتھوں کے علاوہ ہماری طرف سے ایک ایک گھوڑا اور ہاتھی پاس دینا بطور انعام دیے جائیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تین دن تک انھیں یہاں رکھا جائے۔"

(۷)

صبح کی نماز سے تھوڑی دیر بعد سیر بن ابوبکر لشکر کے پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی گھوڑے سے کود پڑا۔ سعد نے اس کی تقلید کی۔ چند سپاہی ان کی آنکھوں کے گرد جمع ہو گئے۔

سیر بن ابوبکر نے سپاہیوں کے موربانہ سلام کا ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے سوال کیا "امیرِ یوسف کہاں ہیں؟"

ایک سپاہی نے جواب دیا "آئیے وہ اپنے خیمے میں ہیں"

سیر بن ابوبکر سعد کو ساتھ لے کر سپاہی کے خیمے ہو گیا۔ سعد اپنے دل میں عجیب و غریب دھڑکنیں محسوس کر رہا تھا۔ افریقہ کے راجہ عظیم کی مختلف خیالی تصویریں اس کے ذہن پر ابھرنے لگی تھیں۔ ان کا راجہ ایک کشادہ خیمے کے سامنے رکا۔ دروازے کا پردہ اٹھا ہوا تھا۔ سیر بن ابوبکر اور سعد کسی توقع کے بغیر اندر داخل ہوئے۔

امیرِ یوسف بن تاشفین گھوڑے کی ایک چٹائی پر بیٹھا اپنے کاتب کو کچھ لکھوا رہا تھا۔ سیر بن ابوبکر نے "اسلام علیکم" کہا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے سر اٹھایا۔ ایک ثانیہ کے لیے اس کی نظر اپنے چچا زاد بھائی کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ اس کے چہرے کے خود خال میں سادگی اور مناسبت کے علاوہ ایک غیر معمولی رعب و جلال تھا۔ اس کی نگاہوں کا تجسّر اس شیر کی مانند تھا جیسے کسی نے چھڑک کر گری نیند سے بیدار کر دیا ہو۔

سیر بن ابوبکر نے کہا "یا امیر! میں بہت بُری خبر لایا ہوں؟"

"اس سے زیادہ بُری خبر کیا ہو سکتی ہے کہ میں تمہیں سمندر کی بجائے صحرا میں دیکھ رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے یوسف بن تاشفین اٹھ کھڑا اور فیصلہ کن انداز میں بولا "تمہید کی ضرورت نہیں۔ مجھے جلدی بتاؤ!"

یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا ش میرا چہرہ میرے احساسات کی ترجمانی کر سکتا ہے
امیر یوسف نے اپنے ایک سالہ کو آواز دے کر کہا کہ اس نوجوان کو بہترین گھوڑا دیا جائے
تھوڑی دیر بعد نقارے پر چوٹ پڑی اور صحرا میں اٹھتے ہوئے خبر اپنے پانچ ہزار اہل ہذا
کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ سعد بن عبداللہم افریقہ کے شہزاد کے ہم راگ تھا۔ قلعہ نے
اس کی توقع سے بہت پہلے اس کے لیے جہد و عمل کے دروازے کھول دیے تھے۔ اس کے
کانوں میں بار بار یوسف بن تاشفین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے "تم نے جس میدان میں
پاؤں رکھا ہے وہ بہت وسیع ہے۔" وہ ماضی کے نقاب اٹھا کر ان قافلوں کا تصور کر رہا تھا جو
کے رنگ زاروں سے نکل کر ساری دنیا پر چلا گئے تھے۔ اُس نے بار بار یہ دعا میں مانگی تھیں کہ عالم اسلام
سے پھر کوئی خالد یا طارق نمودار ہو اور وہ اس جا کر کہے "میں تمہاری فوج کا سپاہی ہوں میں نے
یہ تمام سپاہیانہ فنون اسی لیے سیکھے ہیں کہ تمہارا ساتھ دوں؟

امیر یوسف بن تاشفین گھوڑا دوڑاتا ہوا فوج کے مختلف دستوں کو ہدایت دیتا ہوا چند بار
اس کے قریب سے گزرا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ کیا یہ وہی شہزادہ ہے جسے قدرت نے اس دنیا
میں طارق کی یاد تازہ کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ کیا یہی وہ مجاہد ہے جو کسی دن اندلس کے مسلمانوں
کا بحالت دہندہ ثابت ہوگا۔ کیا یہ الفاسق کے خلاف دینی تلوار بلند کرے گا جو طابق نے
راڈک کے خلاف بلند کی تھی؟ وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ افریقہ میں امیر مرابطین کا کام بہت وسیع
ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ کام جس قدر وسیع ہے اسی قدر مزید بھی
ہے۔ افریقہ کی ایک طاقتور سلطنت نہ صرف اندلس کے مسلمانوں کی پشت پناہی کرے گی بلکہ وہ یورپ کی تمام
ان سلطنتوں کا جواب ہوگی جو عالم اسلام پر آخری ضرب کیلئے صلیب کے جھنڈے تلے متحد ہو رہی ہیں۔

(۸)

حملہ آور قلعہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کر چکے تھے۔ اس سے قبل قلعے کے محافظ انھیں تین بار قلعے کی
چار دیواری سے ہٹا چکے تھے۔ قیسرا احمد و انھوں نے رات کے قریب سے پہر کیا تھا بہت شدید تھا

خیزا آدمی سر جھان لگا کر قلعے میں داخل ہوئے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن انھیں ابھی تک قلعے پر قابض
ہونے میں کامیابی نہ ہوئی تھی بلکہ خود ستے نے جان پر پھیل کر ایک بار پھر پچھو دھکیلی دھانچا ان حملوں میں
قلعے کے سونے کا سپاہیوں میں سے چالیس شہید ہو چکے تھے۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی جب خاموش
حملے والوں نے آخری حملہ کیا تو ان ساتھ آدمیوں میں سے کسی کو یہ یقین نہ تھا کہ وہ آج کے آفتاب
کو عذاب ہوتا دیکھ سکیں گے۔ ان کے ترکش تیرہ باغالی ہو چکے تھے۔ لیکن عین اس وقت جب دشمن
میں اطراف سے قلعے پر یلغار کر چکا تھا اور قلعے کے محافظ انتہائی مایوسی کی حالت میں انھیں دیکھ
کی کرشمش کر رہے تھے۔

جنوب کے افق سے گرد و غبار کے بادل نمودار ہوئے اور قلعے کا زخمی سالار جو دروازے
کے برج پر کھڑا اپنے سپاہیوں کو ہدایت دے رہا تھا، بلند آواز میں چلایا۔ "مجاہدو! ہمت کرو
وٹ جاؤ فوج آگئی۔ ہتھاری فوج آگئی!"

سپاہی ایک نئے دلوے کے ساتھ سپرھیوں کے ذریعے قلعے کی دیواریں چھانڈنے
والے حملہ آوروں کو نینروں، پتھروں اور تلواروں سے روکنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد گرد کے بادلوں نے نمودار ہونے والے سوار نصف دائرے میں قلعے کی
تین اطراف میں پھیل گئے، حملہ آوروں کے پیادہ اور سوار جنوب کے نشیب میں اپنے بڑا ٹکڑی
مخاطبت پر متعین تھے، بدحواس ہو کر ساحل کے ٹیلوں اور پہاڑوں کا رخ کر رہے تھے۔ تھوڑی
دیر میں مرابطین کی نصف فوج گھوڑوں سے اتر کر قلعے کے ارد گرد چٹانوں اور پتھروں کی آڑ
میں مچھپے بنا چکی تھی۔ چند دستے ان کے گھوڑوں کی حفاظت کر رہے تھے اور باقی سوار پڑاوتے
نمودار ہونے والوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ حملہ آوروں کی فوج کا بیشتر حصہ جو کچھ دیر قبل قلعے پر
یلغار کر رہا تھا، اب اپنی جانبیں بچانے کی فکر میں تھا۔ وہ کبھی بھاگ نکلے کی کوشش میں مرابطین
کے تیر اندازوں کی زد میں آجاتے اور کبھی سٹپتے ہوئے پھر قلعے کی چار دیواری تک چلا پہنچتے
دیرینہ مرابطین کا لشکر دشمن کے درمیان ہزار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

”وہ نمی تو نہیں؟“

”میں نے یہ نہیں دیکھا اور اس نے مجھے بتایا بھی نہیں۔“

ایک سالار نے کہا: ”میں نے اس کی آستین پر خون کے دھبے دیکھے تھے لیکن میرے

مقتصد پر اس نے مسکرا کر کہا: ”یہ معمولی خراش ہے۔“

امیر یوسف نے کہا: ”سیرانہیں اس کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں ایسے نوجوانوں کی

بہت ضرورت ہے۔“

کھانا ختم کرنے کے بعد سیر نے پانی کے چند گھونٹ پیے اور اٹھتے ہوئے کہا: ”میں نے

دیکھ آؤں؟“

امیر یوسف نے کہا: ”ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔“

(۹)

سعد گری نیند سے بیدار ہوا اور مشعل کی روشنی میں اسے اپنے ارد گرد چند آدمی دکھائی

دیے۔ ایک آدمی جھک کر اس کے قمیص کی آستین اوپر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ مرا بطین

کا امیر تھا۔ سعد گھبراہٹ کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

یوسف بن تاشفین نے کہا: ”اوہو! تم لیٹے رہو میں تمہارا زخم دیکھنا چاہتا تھا۔“

سعد نے قدرے کھسیانا ہو کر کہا: ”یہ معمولی خراش ہے۔“

یوسف نے زخم دیکھ کر کہا: ”چہرہ بھی زخم کو کھلانا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ لاؤ میں ٹپی باندھ دوں۔“

سعد کے بازو پر ٹپی باندھنے کے بعد امیر یوسف نے اٹھتے ہوئے کہا: ”سیرا تم انھیں اپنے

ساتھ لے جا کر کھانا کھلاؤ۔ میں دوسرے زخمیوں کو دیکھ آؤں۔“

اگلی شام مغرب کے بحری آؤں سے مرا بطین کے دس جہاز پہنچ گئے اور علمت

امیر ابو بکر نے یہ خوشخبری سنائی کہ ہم چند میل دور دشمن کے تین جہازوں کو تباہ کر چکے ہیں اور

ایک جہاز کے لڑائی کشتیاں کو ہم نے زندہ گرفتار کر لیا ہے۔

کے بعد باقی فوج کو سمندر کی طرف وکیل رہا تھا۔ طلح میں ان کے پانچ جہاز کھڑے تھے۔
بعض سپاہی پانی میں ڈوگرہ ان جہازوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن ان میں سے
اکثر مرا بطین کے تیروں کا شکار ہو رہے تھے۔ تین جہاز اس ہی صورت حال کے باعث ضائع
کو چھوڑ کر کھلے سمندر کی طرف نکل گئے اور ان کے متعلق بعد میں امیر یوسف کو کچھ قیدیوں کی
زبانی علم ہوا کہ ان میں سے دو اطالیہ اور ایک فرانس کے بحری ڈاکوؤں کا تھا۔ باقی جہاز قلعے
سے ذرا دور طلح کے ایک کشادہ جھٹے میں پہنچ چکے تھے اور ان کے طلح سمندر میں کھنڈے والوں
کو کشتیوں پر لاد کر ان جہازوں تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن تھوڑی دیر میں طلح
کے دونوں کناروں پر مرا بطین کا پورا قبضہ ہو چکا تھا۔ غروب آفتاب کچھ دیر قبل دشمن کی رہی سہی
فوج نے جس کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی، ہتھیار ڈال دیے۔ اب باقی جہاز بھی کھلے سمندر میں
کر رہے تھے۔

یوسف بن تاشفین نے قلعے میں داخل ہو کر مغرب کی نماز ادا کی۔ چونکہ قلعے میں زیادہ
فوج کے لیے جگہ نہ تھی۔ اس لیے امیر یوسف نے پانچ سو سپاہی وہاں چھوڑ کر باقی فوج کے کمانڈر
دادی میں جہاں کچھ دیر قبل دشمن کا پڑاؤ تھا، قیام کیا۔ دشمن کے سینکڑوں گھوڑے، اونٹ
اور ایک بڑی مقدار میں سامان رسد ان کے قبضے میں آچکا تھا۔ جنگی قیدیوں کو پڑاؤ کے
قرب جمع کر کے ان پر پڑاؤں کا دستہ متعین کیا گیا۔

رات کو کھانا کھاتے وقت یوسف بن تاشفین نے سیر بن ابوبکر سے پوچھا: ”تمہارا اندیشہ
دوست کہاں ہے؟ آج لڑائی میں میں خاص طور پر اُسے دیکھتا رہا ہوں۔ میرے خیال میں
اس کے ترکش کا کوئی تیر بھی رائیگاں نہیں گیا ہوگا۔ قلعے سے واپس آتے وقت وہ ہمارے
ساتھ تھا۔ اب کہاں ہے وہ؟“

سیر نے جواب دیا: ”وہ یہاں پہنچتے ہی زمین پر لیٹ کر گری نیند سو گیا ہے اور میں
نے اُسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بہت ٹھکا ہوا ہے۔“

تو تھے روز صبح کی نماز کے بعد میری وسعت نے سعد بن عبدالمسلم کو اپنے پیچھے میں بلایا اور کہا: "نوجوان مجھے تمہارے ساتھ بائیں کونے کا موقع نہیں ملا۔ میرا فرض تھا کہ میں تمہاری نماز کی وجہ دریافت کرتا۔ اگر کسی معاملے میں تمہاری غفلت نہ کر سکوں تو مجھے خوشی ہوگی۔"

سعد بن عبدالمسلم نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا: "میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ توحید کے علمبرداروں کی فوج کا ایک سپاہی بنوں اور میرا خون اور پسینہ عالم اسلام کے اس دفاعی حصار کی تعمیر میں صرف ہو جس کی بنیاد آپ نے رکھی ہے۔ اندلس کے مسلمان نوجوانوں کی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور میں یہ معلوم کرنے کے لیے آیا تھا کہ آنے والے پراساں ثوب دور میں افریقہ میں تمہارے بھائی ہماری کیا مدد کر سکیں گے۔ یہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ اندلس کے دفاع کی جنگ اس وقت افریقہ کے میدانوں میں لڑی جا رہی ہے اور وہ مجاہد جو افریقہ کے آخری کونے تک اسلام کا بول بالا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس عظیم سیرم سے فارغ ہونے کے بعد اندلس کے مسلمانوں کی مظلومیت اور بے بسی سے اپنی آنکھیں بند نہیں کریں گے۔ میں اس سیرم میں آپ کے ساتھ شریک ہونا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں۔"

یوسف بن تاشفین نے کہا: "لیکن اگر میں اندلس کے مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر لوں تو؟"

"مجھے یقین ہے کہ جب الفاسوس کی تلوار ان کی شاہرہ گاہ تک پہنچ جائے گی تو آپ مداخلت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اندلس کے مسلمان خود آپ سے مداخلت کی التجا کریں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ افریقہ میں اپنا کام ادا کرنا چھوڑ کر اندلس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ لیکن جب افریقہ میں آپ کا کام ختم ہو جائے گا تو میں آپ کو یقین دلا سکوں گا کہ آپ کی دوسری منزل اندلس ہے اور اس وقت تک میں ایک سپاہی کی حیثیت میں آپ کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔"

یوسف بن تاشفین نے کہا: "تم نے میرے ساتھ بہت بلند توقعات وابستہ کی ہیں اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں انھیں کہاں تک لے کر آسکوں گا لیکن میں تمہیں یہ اطمینان دلا سکتا

ہوں کہ جب تک الجزائر سے لے کر دریائے سینگال تک افریقہ کے لوگ ایک جھنڈے تلے نہیں اکٹھے ہیں تو میں یہ نہیں بیٹھوں گا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ طوائف الملوک کے باعث اہل افریقہ بھی کسی دن انہی مصائب کا سامنا کریں جو آج اندلس کے مسلمانوں کو پیش آرہی ہیں۔ اس کام کے لیے مجھے ایسے سپاہیوں کی ضرورت ہے جو بیٹ پر پتھر باندھ کر لڑ سکیں ہوں اور سپاہیوں سے زیادہ ایسے اوالاعزم مبلغین کی ضرورت ہے جو اسلام کی تبلیغ کے لیے اپنی زندگی وقف کر سکتے ہوں۔"

"مجھے آپ جہاد اور تبلیغ دونوں کے لیے تیار پائیں گے۔"

"میں تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو۔ سرورست میں اندلس کے متعلق تمہارے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں یہ دعا ضرور کرتا ہوں گا کہ جب کوئی موزوں وقت آئے تو خدا مجھے اندلس کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔"

سعد نے کہا: "میں آپ سے کسی طرح کا مطالبہ نہیں کرتا اور آپ کو یقین دلاتا ہوں جب تک میں افریقہ میں ہوں اسلام کی فلاح و ترقی کے لیے آپ کے ساتھ میرا تعاون غیر مشروط ہوگا۔"

امیر یوسف نے کہا: "اب میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں اور میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ تم صاف گوئی سے کام لو گے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم یہاں اپنے ارادے سے آئے ہو یا کسی کے کہنے پر؟"

سعد نے جواب دیا: "میں یہاں آنے کے لیے عزرائل کے ایک فقیر قاضی ابو جھر کا مرہون انسان ہوں لیکن اگر آپ کو یہ شک گذرا ہے کہ میں طوائف الملوک میں سے کسی ایک کے نام پر یہاں آیا ہوں تو مجھے اپنی ساری سرگزشت بیان کرنے کی اجازت دیجیے۔"

یوسف بن تاشفین نے اپنے چہرے پر شفقت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا: "تمہاری سرگزشت تمہاری پیشانی پر لکھی ہوئی ہے۔ تمہاری رگوں میں ایک بہادر باپ کا خون ہے۔"

کبھی کبھی وہ یہ سوچتا کہ مجھے چند دن کے لیے گھر جانا چاہیے۔ اگر غرناطہ کی حکومت اب تک میری تلاش میں ہو تو بھی میں بھیس بدل کر وہاں جاسکتا ہوں۔ میں زیادہ دیر وہاں نہیں ٹھہروں گا۔ امیر جو سبب خوشی سے مجھے اجازت دے دیں گے۔ وہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اٹھا اور امیر جو سبب کی قیام گاہ کا رخ کرتا لیکن اس کی مجلس میں فوج کے افسروں کو نہ جگہوں اور علما کو تبلیغی مضمون کے متعلق باتیں کرتے سُن کر اس کے خیالات کی تردید جاتی اور اس کے کانوں میں باپ کے یہ الفاظ گونجنے لگتے: ”ہمارا مقصد ہماری زندگی سے بڑھ کر

سعد نے رمضان کا مہینہ سبتہ میں گزارا کئی مہینے دُور افتادہ مقامات میں گزرنے کے باعث اسے اپنے گھر کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس نے احمد کے نام ایک خط لکھا اور سیر بن ابوبکر نے غرناطہ میں ایک خاص اہل بی بی بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ عید سے دو دن بعد اہل بی بی واپس آیا اور اس نے اسے دو خط پیش کیے۔ ایک مہمونہ اور دوسرا شیخ ابو صالح نے لکھا تھا۔ مہمونہ کا خط یہ تھا:

”میرے محترم! احمد حسن اور سیر نے بھائی اور بیس گھر میں نہیں ہیں اور میں آپ کی والدہ محترمہ کے حکم سے یہ خط لکھ رہی ہوں۔ اندلس میں علماء کی صف کی ناکامی کے بعد قاضی ابو جعفر نے غرناطہ واپس آتے ہی رضا کاروں کو مختلف شہروں کی طرف روانہ کر دیا ہے جن میں سر قسط اور احمد طلیط جا چکا ہے۔ آپ کے کئی اور ساتھی بھی مختلف مقامات کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے اپنی ہم کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ مفتاحی کارکنوں کے ساتھ شامل ہو کر عوام کو اجتماعی خطرے کے مقابلے کے لیے متحد کریں گے۔ بھائی اور بیس تجارتی کاروبار کے سلسلے میں مالا گیا ہوا ہے۔ آپ کی اہلی جان کی تنہائی محسوس کرتے ہوئے مجھے خالہ نے ان کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ وہ ہر نماز کے بعد دعا گو کرتی ہیں کہ خدا میرے بچوں

تھیں کسی نیک ماں نے دُور دھوپ لایا ہے۔ تمہاری تربیت کسی قابل احترام استاد نے کی ہے۔ ہر حال مجھے ان واقعات کے ساتھ دلچسپی ہو گی جن کے باعث تمہاری عمر کا ایک نوجوان غرناطہ کا پُر رونق شہر چھوڑ کر اس دیرانے میں آ گیا ہے۔“

سعد نے مختصر اذیت کے انقلاب کے وہ واقعات بیان کر دیے جنہوں نے اسے ہوش سنبھالتے ہی اندلس کے اجتماعی مسائل کے متعلق سوچنے کا عادی بنا دیا تھا:

(۱۰)

افریقہ کے قیام کے دوران میں سعد بن عبدالنعم اپنے آپ کو ایک بہترین سپاہی اور ایک کامیاب مبلغ ثابت کرتا رہا۔ وہ جب کبھی کسی بری یا بھری حم سے فارغ ہوتا تو اپنے کے علماء کے ساتھ دُور افتادہ علاقوں میں بسنے والے غیر مسلم قبائل میں اسلام کی تبلیغ کے لیے چلا جاتا۔ وہ صحرائی قبائل کی زبان میں بے تکلفی کے ساتھ تقریر کر سکتا تھا۔

افریقہ میں جا ہلانہ سرگرمیوں کے باوجود سعد کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے تھے جب اسے اپنی غریب الوطنی کا احساس پریشان کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ تنہائی میں بیٹھ کر غرناطہ کا تصور کرتا، ماں، بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں کی صورتوں میں اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتیں۔ وہ تصور میں ان کے ساتھ باتیں کرتا: ”تم خیال کرتے ہو گے کہ میں تمہیں بھول گیا ہوں۔ نہیں میں تمہیں بھولا نہیں۔ میں تمہیں دیکھنے کے لیے بلے تاب ہوں۔ میں بہت جلد تمہارے پاس آؤں گا۔“ پھر اُسے مہمونہ کا خیال آتا اور اس کے دل کی گہرائیوں میں لطیف اٹھنے اور سہانے نغمے جاگ اٹھتے۔ رات کی تنہائیوں میں کسی ریت کے ٹیلے پر بیٹھ کر وہ جگمگاتے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھ کر سوچتا، مہمونہ شاید اس وقت ان ستاروں سے پوچھ رہی ہو کہ اندلس کے آج پر صبح آزادی کا سورج کب نمودار ہوگا اور صرف مہمونہ ہی نہیں اندلس میں قوم کی ہاکیں بیٹھیں ہر رات ان ستاروں سے یہ سوال پوچھتی ہوں گی کہ قوم کے فرزند کب ان تاریک فضاؤں میں آزادی کی قندیں روشن کریں گے!

کو اسلام کا بول بالا کرنے کی ہمت دے اور میں بھی ہر سانس کے ساتھ آپ کی کامیابی کے لیے دعا کرتی ہوں۔ مجھے صرف یہ شکایت ہے کہ وہ زندگیاں جو آپ نے اپنے لیے منتخب کی ہیں۔ میری پرواز سے بہت دُور ہیں۔ خدا معلوم رات کا مسافر صبح کا پیغام کب لائے گا؟

میمونہ

شیخ ابوصالح نے اپنے خط میں غرناطہ اور باقی اندلس کے تازہ واقعات پر تہمیر کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ابن عمار، مستند کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ باہلی طلیطلہ اپنے حکمران کی دانتوں سے سخت نالاں ہیں اور وہاں ایک عالم بغاوت کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ القاسمی کی افواج سر قسطہ، بفسیہ اور اشبیلیہ کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہیں اندلس کے حوام میں بدول اور سرسبکی پھیل رہی ہے اور مجھے قاضی ابوجعفر کی نئی جہم کی کامیابی کی زیادہ امید نہیں۔ اندلس کے سنجیدہ لوگ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اب افریقہ کے مراہطین ہی انھیں تباہی پہنچا سکیں گے۔ قاضی ابوجعفر چند دن غرناطہ کر بطلیموس چلے گئے ہیں۔ وہ غالباً ایک ماہ تک وہاں آئیں گے۔ ان کی خواہش تھی کہ ہم اس عرصے میں اپنی کارگزاری کی مفصل اطلاع دیں۔ تم نے جو خط احمد کی طرف لکھا تھا، وہ میں نے قاضی ابوجعفر کو دکھایا تھا۔ لیکن وہ زیادہ مطمئن نہیں تھے۔